

سوانح حضرت زید شہیدؑ

مؤلفہ ارتضیٰ بن رضاناواز پوری



ضريح مبارك حضرت زید شہیدؑ

سبیل سکینہ
عبداللطیف ابن یونس نمبر ۷۱

سوانح حضرت زید شہیدؓ

ابن

حضرت امام علی زین العابدینؑ

مؤلف:

ارتضیٰ بن رضا نواز پوری

ناشر:

مکتبۃ الشہباز

۵۱-اے، محاون مارکیٹ، کمرشل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی

فون: ۶۹۵۷۳۹۵-۶۶۰۳۹۸۸

(جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں)

اشاعت اول جنوری ۲۰۰۶ء
تعداد اشاعت ایک ہزار
ناشر مکتبہ الشہباز
طابع افتخار زیدی
کیوزنگ دلاور زیدی
سرورق کمپیوٹر ڈیزائننگ مجتبیٰ زیدی
مطبع القادر پرنٹنگ پریس
قیمت /120 روپے

انتساب

یا مستجاب الدعوات! میری اس حقیر کاوش کا ثواب
 میرے والدین کی ارواح کو ارزانی فرما
 جو اب تیرے جوار رحمت میں تیرے کرم کے امیدوار ہیں
 ان کی اغزشوں سے درگزر فرما
 وہ تیرے شیدا، تیرے رسول اور ان کی آل کے فدائی تھے
 تجھ سے دعاء کرنے کے سوا میں اب ان کیلئے کچھ نہیں کر سکتا
 یا ارحم الراحمین! بحق چہارہ معصومین اپنے اس
 گناہگار بندے کی دعاء کو قبول فرما،
 آمین۔

عاصی

ارتضیٰ بن رضاناواز پوری

مورخہ: ۱۲ جنوری ۲۰۰۶ء

مشمولات

صفحہ نمبر	عنوانات
۳	سرورق
۴	انتساب
۱۱	عنوانات
۱۳	تقریظ (مولانا سید شبیبہ الرضا زیدی الحسینی صاحب)
۱۴	تقریظ (مولانا ڈاکٹر سید سبط شہر زیدی صاحب)
۱۶	پیش لفظ (مؤلف)
۱۷	چند حقائق (پس منظر)
۱۹	آغاز تدوین حدیث و تاریخ
۲۳	ایک روایت پر نظر و تنقید
۲۶	قرون اولیٰ کے داستان سرار اوی
۲۸	محمد حقیقہ پر الزام
۳۰	واقعہ زید بن حسن مثنیٰ
۳۳	زید شہیدؑ اور آئمہ معصومینؑ
۳۶	حکمران طبقہ اور اہل بیت رسولؐ
۳۷	مملکت اسلامیہ
۳۸	معاویہ بن ابوسفیان
۳۹	یزید بن معاویہ

صفحہ نمبر	عنوانات
۴۳	شہادت حسین کے اثرات
۴۵	معاویہ بن یزید
۴۶	مروانی حکومت
۴۷	مروان بن حکم
۴۸	عبدالملک بن مروان
۵۲	عبداللہ بن زبیر
۵۴	ولید بن عبدالملک
۵۵	سلیمان بن عبدالملک
۵۵	حضرت عمر بن عبدالعزیز
۵۷	یزید بن عبدالملک
۵۸	ہشام بن عبدالملک
۵۸	ولید بن یزید حضرت زید شہیدؑ
۶۲	ولادت باسعادت
۶۶	نام، لقب و کنیت
۷۰	سلسلہ نسب
۷۳	مادری نسب
۷۵	ایک شبہ کا ازالہ
۷۵	غلامی کا رواج
۸۴	عظمت جناب حوراء
۸۳	تعلیم و تربیت
۸۷	شکل و شبہات

صفحہ نمبر	عنوانات
۸۹	مورثی صفات
۹۱	شہادت سے متعلق پیشنگونیاں دربار ہشام اور زید شہیدؓ
۹۸	اوقاف سے متعلق تنازعہ
۱۰۲	زید شہیدؓ ہشام کے دربار میں
۱۰۷	کوفہ کے دو گورنر
۱۰۷	خالد بن عبداللہ القسریؓ
۱۱۰	یوسف بن عمر ثقفی
۱۱۴	خالد کی معزولی و گرفتاری
۱۱۳	خالد القسری کا بہتان
۱۱۳	زید شہیدؓ کی طلبی
۱۱۷	خالد کی دعویٰ سے دستبرداری
۱۱۸	زید شہیدؓ زیر حراست
۱۱۹	زید شہیدؓ کی مراجعت کوفہ اور اہل کوفہ
۱۲۲	کوفہ میں زید شہیدؓ کا مدت قیام
۱۲۳	کیا اہل کوفہ شیعان علی تھے؟
۱۲۵	شیعہ و شیعیت
۱۲۸	کوفہ میں زید شہیدؓ کے معتقدین
۱۳۰	امام ابوحنیفہؒ کو دعوت جہاد
۱۳۲	امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ جہاد اور شہادت

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۳۳	جہاد زید شہیدؓ کے اسباب
۱۴۷	امر بالمعروف ونہی عن المنکر
۱۴۸	زید شہیدؓ کی تحریک
۱۵۰	آپ کی بیعت
۱۵۲	شرائط بیعت
۱۵۲	زید شہیدؓ کی تلاش
۱۵۳	جہاد سے راہ فرار کا حیلہ
۱۵۴	اہل کوفہ کی مسجد اعظم میں محصوری
۱۵۴	طرفداران زیدؓ کا پہلا شہید
۱۵۶	کوفہ کی ناکہ بندی
۱۵۷	نصر بن خزیمہ کا شامی فوج پر حملہ
۱۵۷	زید شہیدؓ کا شامی سپاہ پر حملہ
۱۵۸	عبید اللہ بن عباس کا حملہ وپسپائی
۱۵۹	عباس بن سعید اور زید شہیدؓ کی جنگ
۱۶۰	نصر بن خزیمہ کی شہادت
۱۶۱	زید شہیدؓ کی جماعت پر تیربارانی
۱۶۲	حضرت زید بن علیؓ کی شہادت
۱۶۲	سلمہ بن ثابت کا بیان
۱۶۳	زید شہیدؓ کی تدفین
۱۶۴	یحییٰ بن زید کی کوفہ سے روانگی
۱۶۵	زید شہیدؓ اور ساتھیوں کے سروں کی قیمت
۱۶۵	مدفن کی نشاندہی

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۶۹	اہل کوفہ سے یوسف کا خطاب
۱۷۰	جسد شہیدؓ کی مدت سولی
۱۷۱	زید شہیدؓ کا مقبرہ
۱۷۲	خراج عقیدت فضائل و مناقب
۱۷۵	قرآن سے تعلق
۱۷۷	احادیث کی روشنی میں
۱۷۹	آئمہ معصومین کی نظر میں
۱۸۳	علماء کی آراء
۱۹۱	منقولہ احادیث و روایات
۱۹۳	زید شہیدؓ کا ایک خطبہ
۱۹۸	تتقیض و مذمت گہائے عقیدت
۲۰۰	منقبت (جناب نسیم امر و ہوی صاحب)
۲۰۳	منقبت (جناب ثمر ہوشنگ آبادی صاحب)
۲۰۵	منقبت (جناب محشر لکھنوی صاحب)
۲۰۶	منقبت (جناب قسیم ابن نسیم امر و ہوی صاحب)
۲۰۷	منقبت (جناب پروفیسر سید سبط جعفر صاحب)
۲۰۸	منقبت (جناب قمر سہار پوری صاحب)
۲۱۰	منقبت (جناب شوق نونہروی صاحب)
۲۱۱	منقبت (جناب عالم زیدی صاحب)

فرقہ زیدیہ

صفحہ نمبر	عنوانات
۲۱۲	شیعہ فرقے
۲۱۶	زیدی اور زیدیہ
۲۱۷	زید شہید سے نسبت کیوں؟
۲۲۰	ازواج و اولاد
۲۲۲	ازواج
۲۲۹	خلف اول یحییٰ بن زید شہیدؑ
۲۳۲	خلف دوم حسین بن زید شہیدؑ
۲۳۵	اولاد حسین ذوالدمعہ
۲۴۱	شجرہ
۲۴۹	خلف سوم عیسیٰ بن زید شہیدؑ
۲۵۰	اصحاب عیسیٰ موتم الاشبال
۲۵۲	اولاد عیسیٰ موتم الاشبال
۲۵۵	شجرہ
۲۵۶	خلف چہارم محمد بن زید شہیدؑ
۲۵۷	اولاد محمد بن زید شہیدؑ
	شجرہ
	مروائیوں کا زوال
۲۶۰	زوال کے اسباب
۲۶۲	زید شہیدؑ کی شہادت کے اثرات
۲۶۶	ضمیمہ
	مضمون: آیت اعلیٰ المنتظری دامت برکاتہ
۲۷۹	ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی اعلیٰ مقامہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

از: جناب قبلہ مولانا سید شیبہ الرضا زیدی الحسینی صاحب
(دکیل حضرت آیۃ اللہ العظمی سید علی الحسینی السیستانی دامت برکاتہ)

تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مورخین ملوکیت کے نمک خوار اور سلاطین کے طرفدار ہونے کے ساتھ ساتھ ضمیر فروشی میں یدِ طولانی رکھتے تھے۔ ایک طرف تو تاریخ کے چہرے پر آلِ محمدؐ کی دشمنی کے بد نما داغ ہیں جس کے بعد اظہارِ حق عالم اسلام کے لئے ایک امرِ دشوار ہے، اور دوسری طرف مورخین می ضمیر فروشی حقائق کو چھپانے میں ہر ممکنہ اقدام کرنے پر آمادہ تھی۔
ایسے ماحول میں حقائق کو تلاش کر کے سمتِ صحیح میں صراطِ حق پر گامزن رہتے ہوئے تاریخ کی وادسی پڑ خار سے گل چینی کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بعد رحلت رسول اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن مجید کے الفاظ وہ اپنی جگہ محفوظ رہے، لیکن مفسرین عالم اسلام نے تخیلات کے مطابق تاویلات کر کے حقائق کو چھپانے اور احکام کو مسخ کرنے کی سعیِ لاحاصل میں کوئی کسر اٹانہ رکھی۔ عامۃ الناس جو کہ ”العوام کا الانعام“ کے مصداق ہیں۔ انہیں کج فکر مفسرین کے خیالات کو تعلیمات قرآن سمجھ کر عملی اقدام کیا۔

تقریباً پندرہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی حقائق کو چھپانے اور مسخ کرنے کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ لیکن حق جو اور حق افراد نے ہر دور میں دور افتادہ اور تاریخ کے جنگل میں بکھرے ہوئے حقائق کے پھول چن کر گلہ سستہ بنانے کی سعی جمیلہ ہمیشہ کامیابی و کامرانی کے ساتھ انجام دیتے رہنے کا بیڑہ اٹھائے رکھا۔

آج کے نفسا نفسی کے دور میں جہاں شوق مطالعہ پر مردنی چھائی ہوئی ہے اور کتاب کی خریداری پر صرف ہونے والی رقم کو لوگ خسارہ سمجھتے ہوں، سہل پسندی اور کاروباری زندگی کے مشکل مراحل نے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں پر پہرے بٹھا رکھے ہوں، ایسے نامساعد حالات ہی کسی قلم کار کا میدان تحقیق میں قدم رکھنا جہاد اکبر سے کم نہیں ہے۔

جناب سید ارتضیٰ حسین زیدی دام مجدہ الشریف نے تاریخ نبی ہاشم اور دیگر تصانیف و تالیفات کو سپرد قارئین کرنے کے بعد بہت ہی جلد مظلوم تاریخ جناب زید شہید رضی اللہ عنہ پر ایک جامع کتاب مع تاریخی پس منظر کے مرتب فرما کر ایک بہت ہی احسن فریضہ انجام دیا ہے۔ میں نے زیر نظر کتاب کو مکمل طور پر تو نہیں پڑھا ہے البتہ بعض مقامات سے بشور مطالعہ کیا ہے۔ امید ہے کہ مومنین کرام اس کتاب کے وجود مسعود سے بھرپور فیضیاب ہونگے، بالخصوص زیدی حضرات زیادہ سے زیادہ استفادہ فرمائیں گے۔

میری دعا ہے کہ خداوند عالم مولف موصوف کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کی تمام مشکلات کو آسان اور شرعی حاجات کو پورا فرمائے۔

(آمین)

دستخط

مولانا سید شبیبہ الرضا زیدی الحسینی

مورخہ: ۲۳ دسمبر ۲۰۰۵ء

بِسْمِ تَعَالَى

تقریظ

از: مولانا ڈاکٹر سید سبط شہر زیدی
 وکیل شرعی آیت اللہ المنتظری دامت برکاتہ
 دسرپرست اعلیٰ زید بن علی فاؤنڈیشن پاکستان۔

شاید ہی تاریخ میں کوئے ایسا موضوع ہو کہ جو معرکتہ الآراء نہ ہو
 بالخصوص زید شہید اور مختار تقشی دو ایسے عنوانات ہیں کہ جن کی حمایت اور مخالفت
 میں بہت کچھ کہا اور لکھا گیا کہ جو تاریخ و نظریات کی بکھری ہوئی متعدد کتب میں
 محفوظ ہے اور ان کا مطالعہ کرنا ہر خاص و عام کی گرفت سے باہر ہے۔

لائق صد تحسین ہیں محترم ارتضیٰ بن رضا نواز پوری صاحب کہ جنہوں
 نے زید شہید سے متعلق بکھری ہوئی معلومات کو جمع کر کے عوام الناس تک
 پہنچانے کا مصمم ارادہ کیا کہ جو اس وقت کتابی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے
 اجداد سے محبت کا اظہار بھی ہے اور فرغ علم کا ذریعہ بھی۔ ممکن ہے کہ قارئین کو
 مؤلف کے نظریہ سے اختلاف ہو لیکن یہ اختلاف تعصب کا سبب نہیں ہونا چاہئے
 کہ اچھائی میں بھی برائی کو ڈھونڈا جائے۔ پس مؤلف نے جس محنت اور موجودہ
 وسائل سے یہ کتاب ترتیب دی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی
 نیک توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

(آمین)

دستخط

مولانا سید سبط شہر زیدی

مورخہ: ۱۶ دسمبر ۲۰۰۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

یہ ۱۹۶۸ء کا زمانہ تھا جب اس حقیر فقیر نے اپنے جد حضرت زید شہید علیہ الرحمہ کے حالات و واقعات کو جمع کرنا شروع کیا غرض یہ تھی کہ تاریخ کے اُس تابندہ ستارے کی تاریخ مرتب کر کے شائع کی جائے۔ اُس وقت تک حضرت زید شہیدؒ کے مکمل حالات پر علیحدہ سے کوئی کتاب موجود نہ تھی البتہ تاریخ کی کتابوں میں چاہتا ہوں آپ کے حالات و واقعات مرقوم تھے۔ انہی مندرجات سے استفادہ کر کے احقر نے مضمون ترتیب دیا۔ اس کے بعد فکر دامن گیر ہوئی کہ مسودہ کو کسی صاحب علم شخصیت سے تصحیح کرائی جائے۔ جستجو کے دوران پتہ چلا کہ جناب ڈاکٹر سید امیر عباس زیدی صاحب اپنے بنگلہ واقع ناظم آباد نمبر ۲ پر ہر سال ۲ صفر کو حضرت زید شہیدؒ کی مجلس کا اہتمام کرتے ہیں جس میں قبلہ مولانا سید ابن حسن نجفی صاحب حضرت شہید کا ذکر فرماتے ہیں۔

لہذا یہ عاصی ڈاکٹر صاحب کے مطب واقع بڑا میدان پہنچا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ موصوف نے مسودے پر سرسری نظر ڈالی اور فرمایا کہ ”برخوردار اس میں ابھی بہت کچھ اضافہ کرنے کی گنجائش ہے“ پھر موصوف نے فرمایا کہ مولانا ابن حسن نجفی صاحب میرے زیر علاج ہیں وہ فلاں تاریخ کو یہاں آئیں گے اس روز تم بھی آجانا۔ لہذا وقت مقررہ پر میں وہاں پہنچ گیا، کچھ دیر بعد قبلہ مولانا صاحب بھی تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا تعارف کرایا اور

میری حاجت بیان کی۔ مولانا صاحب نے مسودہ ملاحظہ فرمایا اور مجھ سے فرمایا کہ میں ۲۲ صفر کو ڈاکٹر صاحب کے ہاں مجلس میں آجاؤں۔ اس مجلس میں خاص طور پر میری معلومات میں اضافہ کیلئے زید شہیدؒ کے حالات زندگی بیان فرمائیں گے۔ یہ فقیر مجلس میں پہنچا اور کاغذ قلم ساتھ لے گیا۔ مولانا صاحب نے واقعی بڑی اہم معلومات فراہم کیں جنکی روشنی میں احقر نے مسودہ پر نظر ثانی کی۔

اب یہ مسودہ اس قابل ہو گیا تھا کہ طبع کرایا جاسکے۔ اسی دوران ایک کتاب کی پست پر ایک اشتہار ”بطل رشید زید شہید“ کا نظر سے گذرا۔ اشتہار پر دیئے ہوئے پتہ پر لیاقت آباد پہنچا وہاں مولانا محمد عباس قمر زیدی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولانا صاحب نہایت شفقت و محبت سے پیش آئے، طویل نشست رہی، تفصیل سے گفتگو ہوئی، میری بابت دریافت کیا اور اپنے بارے میں بتایا، میرے مسودہ کی بابت اظہار خیال فرمایا، اپنی کتاب کی بابت بتایا کہ مواد تو جمع کر لیا ہے لیکن چونکہ آپ مظفر نگر (انڈیا) تشریف لے گئے تھے لہذا ترتیب میں تاخیر ہوئی۔ اب انشاء اللہ جلد شائع ہو جائے گی۔ مولانا صاحب نے مشورہ دیا کہ میں اپنی کتاب کی اشاعت کچھ عرصہ کیلئے ملتوی کر دوں، ایسا نہ ہو کہ دونوں کتابیں ایک ہی وقت میں شائع ہو جائیں۔ لہذا میں نے مولانا صاحب کے مشورہ کا احترام کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ۱۹۷۰ء میں ”بطل رشید زید شہید“ منظر عام پر آگئی۔

یہ محمد و آل محمدؐ کا تصدق اور حبان اہل بیت کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے اس ناچیز بندے کو بے انتہا سرفراز فرمایا اور یہ توفیق عطا فرمائی کہ اس پینتیس سال کے عرصہ میں احقر کی درج ذیل گیارہ کتابیں شائع ہوئیں:

تذکرہ سادات نواز پورہ، کربلا اور کربلا کے بعد، وظائف اسماء الحسنی، تاریخ نبوی ہاشم (پانچ جلدیں)، تذکرہ سادات کبیر تل، افضل و مفضل، دین آباء و

اجداد رسول اور اب بارہویں کتاب سوانح حضرت زید شہیدؑ اشاعت کی آخری منزل پر ہے۔

زیر نظر کتاب ”سوانح حضرت زید شہیدؑ“ کی تدوین و تالیف میں فقیر کی یہ کوشش رہی ہے کہ حتی المقدور مستند کتب سے استفادہ کیا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ قدامی وہ کتب جن کتب عاصی کی رسائی ممکن نہ تھی یا وہ کتب جو اب ناپید ہیں مگر دیگر دستیاب کتب میں ان کے حوالے سے واقعات مرقوم ہیں، ان سے بھی استفادہ کیا ہے اور مضمون کی مناسبت سے اقتباسات و حوالہ جات تحریر کئے ہیں۔ جن کتابوں سے خصوصی استفادہ کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

- ۱ ﴿ منتہی الامال (فارسی) شیخ عباس قمی۔ مطبوعہ طہران ۱۹۳۷ء
- ۲ ﴿ مقال الطالین (عربی) ابوالفرج الاصفہانی۔ مطبوعہ نجف اشرف طبع ثانی۔
- ۳ ﴿ مسلمانوں کا نظم و حکومت (اردو ترجمہ) حسن ابراہیم حسن مہری۔ مطبوعہ دہلی۔
- ۴ ﴿ مروج الذهب (اردو ترجمہ) ابوالحسن علی بن حسین الموسوی مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء
- ۵ ﴿ تاریخ طبری (اردو ترجمہ) ابی جریر الطبری۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء
- ۶ ﴿ بحار الانوار (اردو ترجمہ) علامہ باقر مجلسی۔ مطبوعہ کراچی
- ۷ ﴿ خلافت و ملوکیت (اردو) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ مطبوعہ لاہور ستائیسواں ایڈیشن
- ۸ ﴿ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی (اردو) علامہ مناظر احسن گیلانی۔ مطبوعہ کراچی طبع چہارم
- ۹ ﴿ شارٹ ہسٹری آف دی سارا سینس (انگلش) امیر علی سید۔ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۵ء
- ۱۰ ﴿ سادات باہرہ تاریخ کے مد و جزر میں (اردو) ڈاکٹر سید صفدر حسین۔ مطبوعہ ملتان

- ۱۱ ﴿ بطل رشید زید شہید (اردو) محمد عباس قمر زیدی۔ مطبوعہ کراچی بار اول ۱۹۷۰ء۔
- ۱۲ ﴿ نورالمشرقیین من حیات الصادقین (اردو)
آغا سلطان مرزا دہلوی (ایڈوکیٹ)
- ۱۳ ﴿ فلسفہ شریعت اسلام (اردو ترجمہ) ڈاکٹر سحیحی محمد صانی۔
مطبوعہ لاہور طبع سوئم ۱۹۶۶ء
- ۱۴ ﴿ زندگانی حضرت یحییٰ بن زید (فارسی) عماد زادہ۔ مطبوعہ ایران۔

زیر نظر کتاب ”سوانح حضرت زید شہیدؒ مضامین کے اعتبار سے جیسی بھی ہے اس کا فیصلہ تو قارئین کرام ہی بہتر طور پر کر سکیں گے احقر نے انتہائی خلوص و لگن سے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ بہتر مضامین کی کتاب ناقص طباعت کے باعث پسندیدگی کے معیار سے گرجاتی ہے اور قارئین اس کے استفادہ سے محروم رہتے ہیں۔ ہم نے اپنے سابقہ معیار کو قائم رکھتے ہوئے طباعت پر خصوصی توجہ دی ہے۔

یہ بندہ ناچیز قبلہ مولانا سید شمیمہ الرضا زیدی صاحب کا بے حد ممنون ہے کہ جنہوں نے اپنے لاہور کے سفر سے قبل تنگی وقت کے باوجود کتاب کی کمپوز شدہ کاپی کا سرسری جائزہ لیا نیز یہ عاصی قبلہ ڈاکٹر سید سبط شہر زیدی صاحب کا تہ دل سے مشکور و ممنون ہے کہ جناب نے زیر نظر کتاب میں مرقومہ عربی و فارسی عبارت کی صحیح فرمائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر دو علماء کو عمر دراز عطا فرمائے اور مومنین کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ علمائے دین سے علمی استفادہ حاصل کریں۔

عاصی

ارتضیٰ بن رضاناواز پوری

مورخہ: ۲۰ جنوری ۲۰۰۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چند تاریخی حقائق (پس منظر)

مشاہدات سے ثابت ہے کہ زمانہ قدیم ہو یا جدید ہر دور میں سیاسی تحریک کے دو فریق رہے ہیں۔ ان میں سے جو فریق حصول مقاصد کے لئے طویل مدتی خفیہ منصوبہ بندی کر کے مناسب وقت اور موقع پر اچانک فریق مخالف پر وار کرتا ہے وہ دنیاوی اعتبار سے کامیاب قرار پاتا ہے اور حزب اقتدار کہلاتا ہے جبکہ دوسرا فریق حزب اختلاف بن جاتا ہے۔ یہی کچھ ماضی میں بھی ہوتا رہا اور تھوڑے بہت رد و بدل کے بعد دور حاضر میں بھی رائج ہے اور یہی کلیہ مسلمانوں میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔

خلافت کے مسئلے پر شروع ہی سے مسلمانوں کے دو فریق بن گئے تھے اور پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے وقت ہی سے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کشمکش ایک فریق کی جانب سے شروع کی گئی اس کا لازمی نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ ایسی سیاسی تحریک کا ہوتا ہے یعنی وہ فریق دنیاوی اعتبار سے کامیاب ہو گیا۔ چونکہ مملکت پر قبضہ و اقتدار حاصل کرنے کے بعد غالب فریق کا اپنے تئیں مستحکم بنانا اُس کا اولین فرض ہوتا ہے لہذا اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے اُس فریق کو جہاں اور بہت سی تدبیریں اختیار کرنا ہوتی ہیں وہاں اُسے دینی اقدار پر بھی اپنی گرفت مضبوط کرنا ضروری ہے جو نہایت موثر حربہ ثابت ہوتا ہے۔

آغاز تدوین حدیث و تاریخ: یہ امر حقیقت ہے کہ حدیث و تاریخ کی ترتیب و تدوین کا آغاز اموی دور حکومت میں ہوا جس کے بانی اول معاویہ بن

ابوسفیان نے اپنی نگاہوں کے سامنے اور اپنی روایات کی روشنی میں مسلمانوں کی تاریخ مرتب کرائی۔ اس حقیقت کا اظہار مولوی شبلی صاحب نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے:

”حدیثوں کی تدوین، ہوامیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے نوے برس تک سندھ، اشیانے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہؑ کی توہین کی، جمعہ کو برسر منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوا یا“
(سیرۃ النبیؐ ج. ۱ ص: ۶۱)

ایک اور مقام پر مولوی شبلی صاحب فخریہ انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

”وہ بڑی بڑی اسلامی تاریخ کی کتابیں جو دنیا میں شائع ہوئیں سب سنیوں کی لکھی ہوئیں ہیں۔“ (المامون حصہ اول ص: ۶۱)

حسن ابراہیم حسن مصری نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ:

”خلافت راشدہ کے بعد زمام خلافت بنی امیہ کے ہاتھ آگئی اور اس وقت سے خلافت حکومت میں تبدیل ہوگئی۔ امویوں کے ہیبت و جلال سے جزیرہ عرب لرز اٹھا۔ اس سیاسی ماحول میں مسلمانوں کا ایک مذہبی طبقہ بنی امیہ کا آگے کار بن گیا اور حدیث کی بنیاد پر یہ ذہنیت پیدا کرتا تھا کہ حکومت وقت کی اطاعت فرض ہے خواہ اس کا نظم و نسق اور دستور حکومت کچھ بھی ہو۔“

(مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۵۴)

بنی امیہ کے دور حکومت میں مرتب ہونے والی ایسی ہی کتابوں کی مدد اور مراعت یافتہ آگے کار مذہبی طبقہ کی معاونت سے فریق دل کھول کر پروپیگنڈہ اور مناظرہ جاری ہو گیا اور فریق مخالف کو ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی گئی۔ مسلمانوں کی تاریخ کا ابتدائی دور ایسے ہی واقعات سے پڑ ہے۔ ان میں سے چند واقعات ذیل میں مختصر آواز اشارۃً تحریر کر رہے ہیں۔

ایک روایت پر نظر و تنقید: چونکہ فریق غالب امامت بالاختیار کا قائل تھا لہذا اس کی یہ کوشش رہی کہ فریق مخالف کے نظریہ امامت بالہنص کو ہر صورت میں غلط ثابت کرے۔ اس غرض کو حاصل کرنے کیلئے مسلسل دموثر پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی گئی۔ کبھی یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ آنحضرتؐ کے مرضِ آخر میں عباس بن عبدالمطلب نے علی بن ابیطالب کو مشورہ دیا کہ ایسے میں لگے ہاتھوں رسولِ خداؐ سے پوچھ لیا جائے کہ ان کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ جواب منسوب کیا گیا کہ اگر رسول اللہؐ نے کسی دوسرے کا نام لے دیا تو پھر ہمیں خلافت کبھی نہیں ملے گی۔ یہ خود ساختہ روایت بڑی بڑکھش تھی لہذا اس کی تشہیر پر خصوصی زور دیا گیا۔ محدثین و مورخین نے اپنی اپنی کتب میں اس روایت کو نمایاں طور پر لکھا۔ اس مفروضہ روایت پر غور کیا جائے تو اس سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت کے اس حد تک حریص تھے کہ حق بات سنے سے بھی گریز کرتے تھے!

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ مقرر کر دیں گے!

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ بھی یقین تھا کہ اگر وہ خاموش رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے!

(۴) حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور حضرت علی بن ابیطالبؓ دونوں کو یقین تھا کہ اگر آنحضرتؐ نے ان سے تخلیہ میں کہہ دیا کہ اے علی! تم میرے بعد خلیفہ ہو گے تو تمام امت اس بات کو تسلیم کر لے گی اور یقین کر لے گی کہ واقعی آنحضرتؐ نے ایسا ہی کہا ہوگا۔ لہذا علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں!

مندرجہ بالا نتائج پر آپ خود غور فرما کر اس روایت کی اہمیت، افادیت و مقصدیت کا اندازہ فرمائیں۔ ویسے متعدد کتب میں اس قسم کی روایات کی بابت بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ اس روایت کے اہم پہلوؤں پر روایتاً و درایتاً روشنی ڈال رہے ہیں۔

یہ روایت صرف بخاری شریف میں منقول ہے اور اس کے راویوں میں ایک اسحاق بن محمد بن اسمعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں۔ یہ ابی فروہ حضرت عثمانؓ کے غلام یعقوب الفروی کے باپ تھے۔ اسحاق بھی بنی امیہ کے غلام خاندان سے تھے۔ ان کی بابت ذہبی نے لکھا ہے کہ:

”عقیلی کہتے ہیں کہ اسحاق نے ایسی حدیثیں بیان کیں جن کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ قابل پیروی نہیں۔ نسائی کہتے ہیں کہ ثقہ نہیں ہے اس پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ ضعیف ہیں۔“
(میزان الاعتدال ج: ۱ ص: ۹۳ مطبوعہ دکن)

دوسرے راوی بشر بن شعیب بن ابی حمزہ اموی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا۔ جبکہ ذہبی کہتے ہیں کہ ”یہ غلط ہے کیونکہ امام احمد حنبلؒ نے جب بشر سے پوچھا کہ تم نے سماع روایت اپنے باپ سے کیا تو اس نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تمہاری موجودگی میں تمہارے والد کے پاس احادیث بیان ہوئی تھیں اُس نے جواب دیا کہ نہیں“۔ ایسے راوی کی روایت کس معیار کی ہو سکتی ہے قارئین خود غور فرمائیں

تیسرے راوی شعیب بن ابی حمزہ اموی ہیں۔ یہ زہری کے شاگرد تھے۔

چوتھے راوی خود زہری ہیں۔ یہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۸۰ھ میں دمشق گئے، دربار سے وابستہ ہوئے اور مقررین شامی میں شامل ہو گئے۔ بادشاہ

کے حکم سے انہوں نے حدیث و تاریخ کی تدوین کی۔ بقول مولوی شبلی ”بادشاہ کے مقررین خاص میں تھے اور ہشام بن عبد الملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی“۔

پانچویں راوی عبد اللہ بن کعب بن مالک ہیں۔ عبد اللہ کی بابت کچھ معلوم نہیں البتہ بخاری نے یہ روایت نقل کرتے وقت لکھا ہے کہ ان کے والد کعب ان تین گنہگاروں میں سے ایک تھے جن کی توبہ خدا نے قبول کی۔ انہوں نے ۵۰ یا ۵۳ھ میں بصرے کے سال وفات پائی۔ اس حساب سے رحلت رسولؐ کے وقت ان کی عمر ۳۷ سال ہوگی۔ ان کے فرزند بشر جو اس روایت کے راوی ہیں ان کی عمر اس وقت کیا ہوگی اس کا اندازہ آپ خود فرمائیے۔ کعب بن مالک کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ سفیفہ والے دن جب مہاجر و انصار میں انتخاب خلیفہ پر بحث ہو رہی تھی اور فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا تو انہوں نے مہاجرین کے حق میں تقریر فرمائی اور حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

چھٹے راوی عبد اللہ بن عباسؓ ہیں۔ وہ یہ نہیں بتاتے کہ انہوں نے یہ روایت کس سے سنی تھی۔

یہ ہے صورتحال اس روایت کے راویوں کی لہذا ایسی روایت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اب ہم اس روایت کو اصول درایت پر جانچ کر دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ابتداء میں اس روایت سے اخذ کردہ چار نکات بیان کئے انکے مطابق :

(۱) اگر حضرت علیؓ خلافت کیلئے اتنے ہی حریص تھے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے خاطر آپؐ حق بھی سننا پسند نہ کرتے تھے تو پھر کونسا امر مانع تھا کہ آپ سفیفہ بنی ساعدہ میں تشریف نہ لے گئے۔ جس طرح دیگر حضرات

جسدِ جناب رسول خدا کو چھوڑ کر چلے گئے تھے آپ بھی چلے جاتے اور انتخاب میں حصہ لیتے۔ سیقفہ میں جو کچھ ہوا وہ جملہ کتب میں مرقوم و موجود ہے۔ حضرت عمرؓ کی بیان کردہ فضیلتِ قریش کی بنیاد پر انصار نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ایسا ہے تو ہم علیؓ کی بیعت کریں گے۔ مگر پانچ یا سات افراد کے اجتماع میں بحالتِ افراتفری حضرت عمرؓ نے موقع پا کر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

(۲) کیا یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؓ گمان کرتے کہ رسول اللہؐ آپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا جانشین مقرر فرمائیں گے کیونکہ ابتدائے اسلام میں جبکہ رسالتِ آپؐ نے اعلانیہ تبلیغ کا آغاز بھی نہیں فرمایا تھا اور اسلام ابھی تھیہ کی حالت میں تھا۔ اُس وقت دعوتِ ذوالعشیرہ میں رسولِ اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ ”کون ہے جو میرے ساتھ ہو کر اس بارگراں کو اٹھائے“ آپ نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا اور تینوں مرتبہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے علاوہ کسی نے بھی اپنے آپ کو پیش نہیں کیا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا ”یہ علیؓ میرا وزیر، میرا خلیفہ ہے“۔ نیز غدیر خم کے مجمع عام میں حضرت ختمی مرتبتؐ نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں کو بلند کر کے فرمایا من كنت مولاه فهذا علي مولاه، اللهم وال من والاه و عاد من عاداه یعنی: جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؓ بھی مولا ہے۔ اے اللہ! دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے علیؓ کو اور دشمن رکھ اس کو جو دشمن رکھے علیؓ کو۔ اور آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا انت مني بمنزلة هارون من موسى یعنی: علیؓ میرے ساتھ ویسے ہی ہیں جیسے موسیٰ کے ساتھ ہارون۔ اور اسی نوعیت کے بہت سے ارشادات پنجمبر معتبر کتب احادیث میں مرقوم ہیں پھر اس گمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؓ کے علاوہ کسی اور کو اپنا جانشین یا خلیفہ مقرر فرماتے۔

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس یقین کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ آپ ایک ایسے امر کی جانب مبذول کرائیں جو رسالتِ مآب کے فرائض میں سے ہو۔ کیونکہ حضرت ختمی مرتبت کا حکم خدا اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرمانا آپ کے فرائض منصبی میں سے تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قیمت پر بھی ترک نہیں کر سکتے تھے۔

(۴) روایت کے الفاظ صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ جناب عباسؓ نے تخلیہ میں حضرت علیؓ سے یہ گفتگو کی۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ جناب عباسؓ جیسا جہان دیدہ شخص جو عرب قبائل کی فطرت سے بخوبی واقف ہو، یہ تصور کرے کہ قبائل عرب کے مسلمان تخلیہ میں آنحضرتؐ کے مقرر کردہ شخص کو خلیفہ تسلیم کر لیں گے۔ ویسے بھی امر خلافت خفیہ نہیں بلکہ برسر عام اعلان کا متقاضی ہے۔

چونکہ جناب رسالت مآبؐ کی ذات والا صفات پر سلسلہ نبوت ختم ہونے والا تھا جبکہ اسلام کو قیامت تک باقی رہنا ہے لہذا ضروری تھا کہ حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام تحفظ اسلام کا خاطر خواہ بندوبست فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے اس فریضہ کو اپنی حیاتِ طیبہ میں باحسن طور پر انجام فرمایا اور دینا نے اسلام کو عوام الناس کی صوابدید پر نہیں چھوڑا۔

اس مختصر جائزہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مذکورہ روایت جھوٹی ہے اور انہی موضوعہ روایات میں سے ایک ہے جو سیاسی وجوہ کے تحت اموی حکمرانوں کے زیر اثر گھڑی گئیں تھیں۔

قرونِ اولیٰ کے داستانِ سرار اموی: اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسلامی ریاست کے خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے قتل کا ناگوار حادثہ رونما ہوا۔ اس واقعہ کے تلخ اسباب کی پردہ پوشی کے لئے ابتداء ہی سے جدوجہد کی گئی

جس کی بابت علامہ تفتازانی نے بیان کیا ہے کہ:

”اور حقائق بھی یہی ہیں کہ یہ پردہ پوشی محض اس واسطے کی گئی کہ اگر ان اسباب کا تذکرہ کھلے الفاظ میں کیا جائے تو قرونِ اولیٰ کے اکابرینِ ملت کے متعلق حُسنِ عقیدت کے جذبات ختم ہو کر رہ جاتے ہیں اور بدگمانی پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے۔ ان واقعات سے نہ صرف صحابہ اکرام کی آپس میں جنگ و جدل، حُصنِ سرداری، طبعِ ریاست اور جذبہٴ ملک گیری واضح ہوتی ہے بلکہ ان کے کردار پر ضرب کاری لگتی ہے۔ لہذا ان واقعات کو پوشیدہ رکھنا ہی حُسنِ عقیدت اور ایمان کی سلامتی سمجھا گیا۔“

(شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۰۶)

چنانچہ داستان سرارِ اولیوں اور رطب و یابس جمع کرنے والے مورخین نے داستان الف لیلیٰ سے ملتی جلتی ایک کہانی تصنیف کر ڈالی جس کا فرضی ہیرو عبد اللہ بن صبا کو بنا کر تمام الزامات اس کے سر تھوپ دیئے۔ یعنی جو کچھ کیا اس نو مسلم یہودی نے کیا۔ اگر یہ مسلمان ہو کر فتنوں کا دروازہ نہ کھولتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دور کے مسلمان اتنے ضعیف العقول تھے کہ ایک نو مسلم یہودی کے زیر اثر آ کر باہمی خون خرابے پر آمادہ ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کے باب میں عبد اللہ بن صبا کے قصے کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس قصے کی تشبیر میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قرونِ اولیٰ پر لکھی جانے والی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس میں ابنِ صبا کا تھوڑا بہت تذکرہ نہ کیا گیا ہو۔ قدیم و جدید میں فرق اتنا ہے کہ قدامت نے اس کہانی کو روایت کے طور پر بیان کیا جبکہ بعد والوں نے ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر قلمبند کیا اور قدامت کی تقلید کو باعثِ افتخار جان کر بغیر چھان بین کے نقل و نقل کا سلسلہ شروع کر دیا۔ عبد اللہ بن صبا

کی داستان کا شیخ محمد آل کاشف نے اشارۃً ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”اس سلسلہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ عبد اللہ بن صباح
 بجنون عامری اور ابو ہلال وغیرہ داستان سراؤں کے خیالی ہیرو
 ہیں۔ اموی اور عباسی سلطنتوں کے وسطی دور میں عیش و عشرت اور لہو
 ولعب کو اتنا فروغ حاصل ہو گیا تھا کہ فسانہ گوئی محل نشینوں اور آرام
 طلبوں کا جزو زندگی بن گئی۔ چنانچہ اس قسم کی کہانیاں بھی ڈھل
 گئیں“ (۱ اصل اصول شیعہ ص: ۲۵)

اموی حکومت کے آغاز ہی سے تاریخی واقعات کو حسب منشا توڑ مروڑ
 کر بیان کیا جانے لگا۔ حصول مقصد کیلئے راوی خریدے جانے لگے، روایتیں
 گھڑی جانے لگیں۔ بعض اہم واقعات کی پردہ پوشی کی جانے لگی اور بعض کی
 تاویلات پیش کی جانے لگیں۔ اپنے غلبہ و اقتدار کو جائز منوانے کیلئے خود ساختہ
 کہانیوں کی تشہیر سرکاری سطح پر ہونے لگی اور فریق مخالف کی زبان بندی کیلئے
 مختلف حربے استعمال کئے جانے لگے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے فریق کا
 نقطہ نظر دنیا کے سامنے نہ آسکا اور چار و ناچار اس فریق کو بھی غالب فریق کی
 مرتب کردہ تاریخ وحدیث پر انحصار کرنا پڑا جس سے دنیا تو مغالتے میں پڑ ہی گئی
 تھی مگر بعض اوقات احتیاط سے کام نہ لینے کے باعث حامیان اہلیت بھی
 دھوکا کھا گئے۔

امویوں کی پروپیگنڈہ مہم کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ امامت کے حصول
 کی خاطر آئمہ معصومین کی اولاد کو آپس میں لڑتے جھگڑتے دکھایا جائے۔ اس
 مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر ایسے من گھڑت قصے اور دلفریب کہانیاں وضع کی
 گئیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان فرضی قصے کہانیوں کو زر خرید
 راویوں نے روایت کیا اور مورخوں نے اپنی کتابوں میں اس خیال اور اس

انداز سے لکھا کہ لوگ اہلبیت رسول سے متنفر ہو جائیں۔ اور دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ افراد اہلبیت خود ہی ایک دوسرے سے جھگڑتے اور قتل کرتے رہتے تھے، ہمارے خلیفہ توبری الذمہ تھے۔ راویوں کے ان خود ساختہ قصوں میں محمد بن علیؑ (محمد حنفیہ) کا مفروضہ دعویٰ امامت، زید بن حسن ثنیٰ کی امام محمد باقرؑ سے خاصیت، زید شہیدؓ اور امام جعفر صادقؑ کا اختلاف، امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کی اولاد کے درمیان بے سرو پا جھگڑے وغیرہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جن کے ہر ایک راوی نے اولاد امام حسنؑ اور اولاد امام حسینؑ کو ایک ہی روایت سے بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ہم یہاں ان فرضی داستانوں کے چند نمونے مختصر آبیان کر رہے ہیں:

محمد حنفیہ پر الزام: ابوالقاسم محمد بن علی بن ابيطالب کی مادر گرامی جناب خولہ قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسی مناسبت سے آپ کا لقب حنفیہ مشہور ہوا۔ آپ ۱۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ علامہ سبط ابن جوزی نے امام زہری کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ ”محمد عظیم ترین اور شجاع ترین اشخاص میں سے تھے۔ فتنوں اور جھگڑوں سے کنارہ کش رہتے تھے“۔ آپ نے جنگ جمل، صفین اور نہروان میں شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔

آپ کی فضیلت کو گھٹانے اور آپ کے کردار و عمل کو داغدار بنانے کی خاطر حکومتی پروپیگنڈہ مشنری نے بڑے شد و مد سے یہ افواہ پھیلانی کہ محمد حنفیہ نے دعویٰ امامت کیا اور جہاد حسینی میں شرکت نہیں کی۔ جہاں تک دعویٰ امامت کا تعلق ہے، ہم نے اپنی کتاب ”تاریخ بنی ہاشم“ جلد سوئم میں دیگر مستند کتب کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ محمد حنفیہ نے اپنی زندگی میں کبھی بھی امامت کا دعویٰ

نہیں کیا۔ آپ ہمیشہ اپنے بھائی امام حسن و امام حسین اور بھتیجے امام علی زین العابدین علیہم السلام کی امامت کے قائل و مطیع رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کی وفات کیے بعد اگر لوگوں کا ایک گروہ آپ کو امام یا مہدی سمجھ بیٹھا تو اس کی ذمہ داری کسی طرح بھی آپ پر عائد نہیں کیجا سکتی۔

ان داستان سرا او یوں نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ مختار بن ابو عبیدہ ثقفی جناب محمد حنفیہ کو مہدی مانتے اور امام علی زین العابدینؑ کے بجائے انہیں امام جانتے تھے۔ یہ دونوں ہی صورتیں فرضی اور من گھڑت ہیں۔ جناب محمد حنفیہ نے کبھی بھی دعویٰ امامت و مہدیت نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ امام علی زین العابدینؑ کو امام برحق جانتے اور مانتے تھے۔ جہاں تک مختار کے عقیدے کی بات ہے تو یہ علمائے قدیم و مورخین جدید ہی بہتر جانتے ہو گئے کہ ان کے دل میں کیا تھا۔ اپنے دل کی بات خود مختار کو معلوم تھی یا خدا کو، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ مختار کی لڑائیاں عبداللہ بن زبیر سے ہوئیں جن کو یہ مورخین خلیفہ برحق مانتے ہیں اور جو خلیفہ وقت کے خلاف جنگ کرے اس کو یہ لوگ کس رنگ میں ظاہر کریں گے، سب کو معلوم ہے۔ جناب معاویہ بن ابوسفیان نے بھی خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کی تھی لیکن وہ تو چونکہ حکومت صدر اول کے منتخب شدگان میں سے تھے لہذا ان کی بغاوت اجتہادی غلطی ہوئی مگر بیچارہ مختار تو شیعہ تھا اور خون حسینؑ کا بدلہ لے رہا تھا اس کو اجتہادی غلطی کا فائدہ کیونکر مل سکتا تھا۔ لہذا اس کیلئے ملعون و کذاب جیسے القاب منتخب کئے گئے اور اس کے حالات و واقعات بھی اُس ہی ذہنیت کے تحت لکھے گئے اور اس کے اقوال و افعال کی تعبیریں بھی اُسی نہج پر کی گئیں۔ جبکہ شہید ثالثؒ نے علامہ حلیؒ کے حوالے سے مختار کو مقبولین خدا میں لکھا ہے۔

دوسری افواہ ہے کہ محمد حنفیہ نے حسینی جہاد میں شرکت نہیں کی۔ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے جن حضرات کو مناسب جانا ساتھ لے لیا وگرنہ قبیلہ بنی ہاشم میں جنگجو بہادروں کی کمی نہ تھی صرف محمد حنفیہ پر ہی کیا منحصر ہے۔ دوئم یہ کہ اس زمانہ میں محمد حنفیہ ایک ہاتھ سے مفلوج تھے جس کے باعث ان کی شرکت محال تھی۔ سوئم یہ کہ حضرت امام حسینؓ نے مدینہ سے روانگی کے وقت بذریعہ وصیت چند امور کی انجام دہی اُن کے سپرد کی تھی جس کے باعث اُن کا مدینہ ہی میں قیام کرنا ضروری و لازمی تھا۔

واقعہ زید بن حسن مثنیٰ: قطب راوندی نے اپنی کتاب 'الخراج' میں امام جعفر صادقؑ سے منسوب کر کے یہ روایت بیان کی ہے کہ "زید بن حسن نے میرے والد (محمد باقرؑ) سے رسول خداؐ کے اوقاف سے متعلق تازہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ امام حسنؑ بڑے بیٹے تھے لہذا ان کا بیٹا بہ نسبت امام حسینؑ کے بیٹے کے اوقاف کیلئے اولیٰ ہے۔" قطب راوندی نے اس روایت کے تحت ایک طویل کہانی بیان کی ہے جس میں نہ تو زمانہ کا خیال رکھا گیا ہے اور نہ حکام و عمال وقت کے ناموں کا صحیح اندراج ہے اور نہ ہی بیان کردہ معجزات کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ غرضیکہ متعدد نقائص کے باعث یہ روایت درجہ اعتبار سے گری ہوئے ہے۔

علامہ باقر مجلسیؒ نے 'جلال العیون' میں قطب راوندی کی اس روایت کو نقل کیا اور تنقید لکھی ہے۔ اسی طرح علامہ محسن الامین العالی نے بھی اس روایت کو امام محمد باقرؑ کے ذکر میں ضمناً تحریر کر کے اس پر تنقید لکھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب راوندی اس روایت کا واحد ماخذ ہے۔ جس نے بھی لکھا اسی کے حوالے سے لکھا ہے۔ جب کہ تاریخ کی کسی مستند کتاب میں اس روایت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے البتہ طبری نے اس ضمن میں اُس مقدمہ کا ذکر کیا ہے جو امام محمد

باقرؑ کے نمائندے کی حیثیت سے زید بن علی زین العابدین کے اور عبد اللہ بن حسن ثنیٰ کے مابین ہوا۔ جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں مرقوم ہے۔ نیز بعض مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید بن حسن ثنیٰ کی تجویز پر عبد الملک بن مروان نے گھوڑے کی زہر آلود زین تیار کر کے اُن کے ذریعہ امام محمد باقرؑ کو بھجوائی جس کے سبب آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اس طرح اُس واقعہ کو عبد الملک کے عہد حکومت میں بتایا گیا ہے اور بار بار عبد الملک کا نام استعمال کیا گیا ہے حالانکہ عبد الملک ۸۶ھ میں فوت ہوا۔ جبکہ امام محمد باقرؑ کی شہادت ۱۱۳ھ میں ہوئی۔ اس کے علاوہ اس روایت کے راوی مفقود ہیں۔

زید بن حسن ثنیٰ کو علماء نے متقی و پرہیزگار عابد و زاہد اور ثقہ لکھا ہے، ایسے شخص سے یہ بعید ہے کہ وہ قرآن کریم کی اس مشہور آیت: **وَمَنْ يُقْتَلْ مُؤْمِنًا مَّتَعِمًا فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ خِلْدًا فِيهَا (سورۃ النساء آیت ۹۳)** کو بھول جائیں اور جہنم مول لے لیں۔ شیخ مفیدؒ نے الارشاد میں لکھا ہے کہ زید بن حسن رسول اللہؐ کے صدقات کے متولی تھے اور بنو ہاشم میں سب سے بڑے، جلیل القدر، کریم الطبع اور پاکیزہ تھے۔ ان میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ وہ لوگوں سے نیکی کرتے تھے۔ شعراء نے ان کی تعریف میں اشعار کہے۔ لوگ دور دراز سے طلب فیض کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

اصحاب السیر لکھتے ہیں کہ زید بن حسن صدقات رسول کا انتظام کرتے تھے۔ جب سلیمان بن عبد الملک تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے اپنے مدینہ کے گورنر کو لکھا ”جب میرا یہ حکم تجھے ملے تو زید بن حسن کو صدقات رسول کی تولیت سے ہٹا کر میری قوم کے فلاں فلاں کو دیدینا اور اُس کے انتظام میں اُس کی مدد کرنا۔“ لیکن جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے والی مدینہ کو حکم

دیا کہ زید بن حسن بنو ہاشم کے شرفاء میں سے ہیں اور عمر میں سب سے بڑے ہیں پس تمام صدقات رسول اللہ اُن کو واپس دیدو۔ جناب زید بن حسن شہداء نے نوے سال کی عمر میں وفات پائی، بہت سے شعراء نے اُن کے مرثیے کہے اور اُن کے فضائل و محامد کا ذکر کیا ہے۔ اپنی پوری حیات میں آپ نے کبھی بھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا، البتہ وہ بنی امیہ کے ساتھ مصالحت سے رہنا چاہتے تھے اور اُن کی اطاعت کرتے تھے۔ اُن کی رائے میں دشمنوں سے تقیہ اور اُن کی تالیف قلوب و مدارات ضروری تھی۔^۱

زید شہیدؑ اور آئمہ معصومینؑ: اسی طرح ان مورخین عظام نے حضرت زید شہیدؑ پر دعوائے امامت کا بہتان باندھا تا کہ آپ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا مخالف و مقابل دکھا سکیں لہذا آپ پر الزامات عائد کئے کہ زید شہیدؑ احادیث کو آئمہ معصومین سے سنتے رہے اور ان پر آپ کا یقین و اعتماد بھی تھا پھر بھی آپ تلوار لیکر خروج کیلئے کیوں نکل کھڑے ہوئے؟ آپ نے دعوائے امامت کیوں کیا؟ اور آپ نے امام جعفر صادقؑ سے کیوں اظہار مخالفت کیا؟ یہ ایسے افعال ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں عناد تھا اور آپ عظمت امام کے منکر تھے!

یہ اور اسی جیسے دیگر اعتراضات کے جواب میں مورخین اہل تشیع نے بہت کچھ لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ حضرت زید شہیدؑ نے نہ تو کبھی دعویٰ امامت کیا اور نہ ہی کبھی حضرت امام جعفر صادقؑ کی مخالفت کی۔ اس قسم کے الزامات اس پروپیگنڈے کا حصہ ہیں جو اموی اور عباسی حکمران اپنی حکومتوں کے استحکام کی خاطر اور اہلبیت اظہار کو رسوا کرنے کی غرض سے کیا کرتے تھے۔ ”حضرت زید شہیدؑ کا خروج کیلئے میدان جنگ میں نکلنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے جہاد

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نور انترقین بن حیات الصادقین ص: ۱۲۲ ۱۸۸۲

کی حیثیت رکھتا تھا تب ہی تو امام ابوحنیفہؒ نے آپ کے خروج کو جنگ بدر میں رسول اللہؐ کے خروج سے تشبیہ دی۔^۱

دوسروں کا تو ذکر ہی کیا خود اہل تشیع کے ایک گروہ نے اس پروپیگنڈہ مہم کا شکار ہو کر یہ بات ذہن میں بٹھالی کہ جناب زید شہیدؑ نے خروج کیا جبکہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے خروج سے اجتناب برتا۔ اسی ذہنی خلفشار کے باعث انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ امام جعفر صادقؑ کا خروج سے روکنا مخالفت کی وجہ سے تھا درآئہا لیکہ امام کا یہ اقدام برہنائے مخالفت ہرگز نہ تھا بلکہ وہ تو محض خروج کے نتائج پر غور و خوض کا باعث تھا۔ چنانچہ اہل تشیع کا یہ گروہ اس طرح فرقہ زید یہ کا قائل ہو گیا جس کے مطابق وہ شخص امام ہو ہی نہیں سکتا جو گھر میں بیٹھ جائے اور اپنا دروازہ بند کر لے۔ بلکہ امام کے لئے لازم ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے تلوار لیکر میدان قتال میں نکلے۔

یہی وہ اسباب ہیں جنکی بنیاد پر حضرت امام جعفر صادقؑ اور حضرت زید شہیدؑ کے درمیان اختلافات دکھانے کی ناکام کوشش کی گئی اور تاریخی واقعات سے عدم واقفیت یا کم واقفیت رکھنے والے افراد کو دام فریب میں پھنسایا گیا و گرنہ حقیقت یہ ہے کہ امام اور شہیدؑ کے درمیان قطعی کوئی اختلاف نہیں تھا جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ ان میں سے اہم ترین ثبوت جناب زید شہیدؑ کا یہ قول ہے کہ ”جو جہاد کرنا چاہتا ہو وہ میرے ساتھ آئے اور جو علم کا خواہشمند ہو وہ میرے بھتیجے جعفر صادقؑ کی طرف چلا جائے“۔ اگر جناب زید شہیدؑ اپنے لئے امامت کا دعویٰ کرتے تو اپنی ذات سے علم کے کمال کی نفی ہرگز نہ کرتے۔ اس لئے کہ امام خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا اہم ثبوت خود امام جعفر صادقؑ کا یہ قول بھی موجود ہے کہ ”خداوند عالم میرے

چچا زید پر رحم فرمائے، اگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے اپنا مقصد پایا، وہ آل محمد کی رضا کی طرف لوگوں کو بلا رہے تھے اور میں خود ایک رضائے آل محمد میں سے ہوں۔“ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ اور حضرت زید شہیدؓ کے مابین جو اختلاف دکھانے کی ناکام کوشش کی گئی وہ انہی خود ساختہ کہانیوں میں سے ایک ہے جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ جناب زید شہیدؓ اس سے کہیں بلند تر تھے کہ آپ اس امر کا دعویٰ کریں جو آپ کا حق نہ تھا۔ آپ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ ”میں تم کو آل محمد کی رضا کی طرف بلا رہا ہوں“ جس سے آپ کی مراد حضرت امام جعفر صادقؑ کی ذات اقدس تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ ”عبداللہ بن العلاء کہتے ہیں کہ میں نے جناب زید بن علی زین العابدینؑ سے پوچھا کہ کیا آپ صاحب الامر ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں تو عترت رسول کا ایک فرد ہوں۔ میں نے پھر پوچھا کہ آپ ہمیں کس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم پر (امام جعفر صادقؑ کی طرف اشارہ کر کے) ان کی اطاعت فرض ہے اور یہی تمہارے امام ہیں“۔^۱

حضرت زید شہیدؓ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں عمار ساباطی نے سلیمان بن خالد کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو کہ ایک سائل کے جواب میں زید شہیدؓ نے فرمایا ”جعفر (علیہ السلام) احکام شریعت یعنی حلال و حرام میں ہمارے پیشوا اور امام ہیں“۔^۲

الغرض اس پروپیگنڈہ ہمہ کے ذریعہ شیعہ اور شیعت کے خلاف نفرت و تعصب کا مرض ایسا پھلایا گیا کہ کینسر کی شکل اختیار کر گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر کسی غیر شیعہ مسلمان کو یہودی کہہ دیا جائے تو وہ اتنا برا نہیں مانے گا جتنا شیعہ کہنے سے۔ اس لفظ شیعہ کو گالی تصور کیا جانے لگا۔ آج کے اس ترقی یافتہ اور

^۱ نفس المصدر ص: ۳۲۸، بحار الانوار ج: ۶، ص: ۳۳۰، رجال الکشی ص: ۲۳۱، بحار الانوار ج: ۶، ص: ۲۲۶

تیز رفتار میڈیا کے دور میں بھی انتہا پسندوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ شیعہ کافر ہیں، صباکی ہیں، رافضی ہیں لہذا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ان کا قتل کارِ ثواب ٹھرایا گیا جس کے نتیجہ میں عام افراد شیعہ کا تو ذکر ہی کیا شیعہ قوم کے لائق و قابل افراد مثلاً علمائے دین، پروفیسرز، ڈاکٹرز، رائٹرز اور اعلیٰ عہدیداران کو چن چن کر قتل کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ درآنحالیکہ یہی انتہا پسند جماعتیں وقت پڑنے پر اپنی سیاسی اغراض کی تکمیل کی خاطر شیعہ سنی اتحاد کا نعرہ لگانے والوں کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں، شیعہ علماء اور شیعہ تنظیموں کو اپنے اتحاد میں شامل کر کے فخر یہ نمائش کرتی ہیں اور ان کے اکابرین خاص موقعوں پر شیعہ علماء کی امامت میں نماز باجماعت بھی ادا کر لیتے ہیں۔



حکمران طبقہ اور اہلبیتِ رسولؐ

مملکتِ اسلامیہ: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد ہونے والی سقیفہ کاروائی کے نتیجے میں آئیوالی حکومت سے لیکر عباسیوں کے آخری دور حکومت تک جتنے بھی حکمران ہوئے ماسوائے چند سب ہی کا اہلبیتِ رسول کے ساتھ مخالفانہ و متعصبانہ برتاؤ رہا جس کے سبب خاندانِ رسول کے ساتھ ظلم و زیادتی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ بعض نے جبر و استبداد کو محدود رکھا جبکہ بعض نے تمام حدود و قیود سے آزاد ہو کر بے پناہ مظلّم کئے۔ اس ضمن میں سرسری جائزہ پیش ہے تاکہ حضرت زید شہیدؓ کے جہادِ بالسیف کے نتیجے میں ہونے والی آپ کی شہادت کے واقعات اور اس کے اثرات کو سمجھنے سمجھانے میں آسانی ہو۔

جناب رسالتِ مآبؐ نے مملکتِ اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی اور اسے احکامِ خداوندی کے عین مطابق قائم کر نیکی ہر ممکن کوشش کی۔ آپؐ نے اپنے کردار و عمل سے ایسا نظامِ حکومت مسلمانوں میں روشناس کرایا جو دینی و دنیاوی ہر دو اعتبار سے یکتا و یگانہ تھا اور دنیاوی حکومت و دینی امامت کو ایک مرکز پر گامزن فرمایا۔ مگر حکومت و امامت کو حاصل کر نیکی خواہشمندوں نے اس نظام کو اور اسکی مرکزیت کو دور ہم برہم کر کے رکھ دیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے طوالت کے باعث اسکا ذکر کرنا ممکن نہیں۔ بہر حال کوئی اس کو داستانِ عروج کہہ کر خوش ہوتا ہے اور کوئی اسے اسلام کا مرثیہ کہہ کر سر بگریباں ہے۔

اللہ کے رسولؐ نے جس نظام کو حکومت و امامت کے مرکز کے طور پر ملت کے سامنے پیش کیا تھا وہ نظام کشمکش کا شکار ہو گیا۔ بد قسمتی سے یہ کشمکش حکومت کے خواہش مندوں اور اہلبیت رسول کے درمیان رہی۔ جناب رسالتؐ کے وصال کے فوراً بعد جب اس کشمکش کا آغاز ہوا تو آل رسول نے یہی مناسب جانا کہ ایسے نازک موقعہ پر تلوار کا استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اگر اس وقت تلوار نکال لی جاتی تو حضرت ختمی مرتبتؐ کی تمام کوششیں رائیگاں ہو جاتیں اور دین اسلام مٹ جاتا لہذا دین کی بقا کے لئے اہلبیت رسول نے عظیم قربانی دی۔ لیکن پھر بھی اس کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہؐ کی قائم کردہ دینی حکومت دنیاوی سلطنت میں تبدیل ہو گئی جس کا انحصار لوگوں کے ماننے یا نہ ماننے پر رہ گیا۔

جہاں تک امامت اسلام کا تعلق ہے تو یہ عہدہ خداوند تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کے ذریعہ جن افراد کو دیا تھا وہ نہ تو اس عہدے سے سبکدوش ہو سکتے تھے اور نہ ہی یہ ان کے اختیار میں تھا۔ یہ عہدہ وصیاً یکہ بعد دیگرے آئمہ معصومینؑ کو منتقل ہوتا رہا۔ اگرچہ حکمران طبقہ اس عہدے کو بھی الجھائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے کبھی بہت سے امام کھڑے کئے، کبھی انفرادی قیاس کی اجازت دی اور کبھی لوگوں کو فتوے پر مقرر کیا۔ ان تمام کاوشوں کا مقصد یہ تھا کہ عوام الناس میں اہلبیت سے انحراف کی جرات پیدا کی جائے اور مخالفت کی عادت ڈالی جائے۔ پھر جب بادشاہت قائم ہوئی تو بقول مولانا مناظر احسن گیلانی:

”جب خلافت نے سلطنت کا چولا بدلا اس وقت کیا ہوا اور کیا ہوتا رہا؟ ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ قانون کے نافذ کرنے میں قریب و بعید، دوست و دشمن کا فرق کیا جاتا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کی اپنے مطلب کے مطابق تشریح کا حق بھی ان ”بادشاہ خلیفوں“ اور ان کے ولایت و حکام نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا“ (نام ابوحیۃ کی سیاسی زندگی ص: ۴۷)

الغرض مسلمانوں کی تاریخ میں وہ وقت بھی آیا جب رسول اللہ کے بعد ایک بار پھر حکومت و امامت ایک مرکز پر جمع ہو گئے لیکن اقتدار کے خواہشمندوں کو یہ بات ناگوار گذری لہذا وائسٹی شام نے امام اول اور خاتمِ خلافتِ راشدہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ حصولِ اقتدار کی خاطر دھوکہ و فریب کے جتنے بھی حربے ہو سکتے تھے سب ہی استعمال کئے۔ ولایتِ شام کے بیس سالہ دور میں غیر شرعی طور پر جو دولت جمع کی تھی وہ حصولِ اقتدار کیلئے بے دریغ خرچ کی، لوگوں کے دین و ایمان کے سودے کئے، خفیہ طور پر فریقِ مخالف کی فوج میں رقوم بھجوا کر افراتفری پھیلانے کی کوشش کی۔ اسکے باوجود جب شکست سے دوچار ہونے لگے تو قرآن کریم کو نیزوں پر بلند کر دیا۔ پھر حکیم کے موقع پر انتہائی دیدہ دلیری سے کذب کا ارتکاب کیا لیکن پھر بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس کے بعد امام دوم اور پنجم خلیفہ راشد کا دور شروع ہوا تو امیر شام نے اپنے روایتی طریقہ کار یعنی دھوکا و فریب سے کام لیتے ہوئے امام کو صلح پر مجبور کیا۔ لیکن جوں ہی اقتدار پر قبضہ حاصل ہوا صلح نامہ کی شرائط کو اس بڑی طرح پامال کیا کہ دنیا دنگ رہ گئی اور تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہی۔

معاویہ بن ابوسفیان: انہی ”بادشاہ خلیفوں“ کے بانی اول معاویہ بن ابوسفیان نے شریعتِ اسلامی کو جس بیدردی سے پامال کیا اور جس طرح بیشمار بدعتوں کو رواج دیا وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے قدامت کے حوالوں کے ساتھ ان بدعتوں میں سے چند کا ذکر اپنی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ میں کیا ہے ان میں سے کچھ بدعتیں بطور نمونہ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

”ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی۔ اس کے تقاضے

وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے پورے کرتے تھے اور اس معاملہ میں

حلال و حرام کی تمیز رواندر کرتے تھے“۔ (خلافت و ملوکیت ص: ۱۷۳)

”امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ اور چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے، نہ مسلمان کافر کا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اس بدعت کو موقوف کیا۔ مگر ہشام بن عبدالملک نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر سے بحال کر دیا۔“ (البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص: ۱۳۹، خلافت و ملوکیت ص: ۱۷۳)

”حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ویت کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہدہ کی ویت مسلمان کے برابر ہوگی، مگر حضرت معاویہؓ نے اُس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لیتی شروع کر دی“

(البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص: ۱۳۹، خلافت و ملوکیت ص: ۱۷۳)

حافظ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں:

وكان معاوية اول من قصرها الى النصف واخذ النصف لنفسه -

مولانا مودودی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

”ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ ممبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبویؐ میں ممبر رسولؐ پر عینِ روضہ نبویؐ کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دینا جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔“

(الطہری ج: ۳ ص: ۱۸۷، ابن الاثیر ج: ۳ ص: ۲۳۲)

البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص: ۲۵۹، بحوالہ خلافت و ملوکیت ص: ۱۷۳)

”کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے گھناؤنا فعل تھا۔“

(خلافت و ملوکیت ص: ۱۷۳)

”مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں معاویہؓ نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنت کی رو سے پورے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہئے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کئے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے سونا چاندی ان کے لئے نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔“

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۸، الطبری ج ۴ ص ۱۸۷، الاستیعاب ج ۱ ص ۱۱۸، ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۳۳، بحوالہ خلافت و ولایت ص ۱۷۴) ”زیاد بن سبیہ جو اعلیٰ درجہ کا مدبر، متعظم، فوجی لیڈر و غیر معمولی قابلیتوں کا مالک تھا حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ معاویہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کیلئے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انہی کا ولد الحرام ہے پھر اسی بنا پر اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دیدیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔“

(الاستیعاب ج ۱ ص ۱۹ ابن خلدون ج ۳ ص ۱۷۱ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۲۷ خلافت و ولایت ص ۱۷۵)

ان مکروہ اور غیر شرعی افعال کے علاوہ امیر شام نے حضرت علیؓ کے گورنروں کے مقابلہ میں جانے والے سپہ سالاروں کو ظلم و بربریت کی کھلی چھوٹ دیدی تھی ان کے ظلم و زیادتی کے متعدد واقعات کتب تاریخ میں مرقوم ہیں مثلاً (۱) امیر شام نے حجاز و یمن کو حضرت علیؓ کے قبضے سے نکالنے کیلئے بسر بن ابی اوطاہ کو بھیجا جس نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبید اللہ بن عباسؓ کے دو

چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا ان بچوں کی ماں صدے سے پاگل ہو گئی۔ بعدہ اسی ظالم شخص کو حضرت علیؓ کے زیر اثر علاقہ ہمدان پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ وہاں اس نے دیگر زیادتیوں کے علاوہ یہ ظلم عظیم کیا کہ دوران جنگ جو مسلمان عورتیں گرفتار ہوئیں انہیں لونڈیاں بنا لیا حالانکہ شریعت اسلامی میں کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کو غلام یا کنیز بنانے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔

(۲) امیر شام نے جب مصر پر قبضہ کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گورنر مصر جناب محمد بن ابی بکرؓ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور پھر ان کی لاش کو ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلوادیا۔

(۳) امیر شام کے دور حکومت میں مسلمانوں کے سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے اور جوش انتقام میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کے وحشیانہ طریقے رائج ہوئے زمانہ اسلام میں جو سب سے پہلا سر کاٹ کر لیجا یا گیا وہ صحابی رسول حضرت عمار بن یاسرؓ کا سر تھا۔ دوسرا سر صحابی رسول حضرت عمرو بن لُحَمٰنؓ کا تھا۔

یہ ہیں وہ چند نمونے ان بدعتوں کے جو امیر شام نے حصول اقتدار کے لئے اپنائے۔ غور کیجئے کس پائے کے تھے وہ لوگ جن کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کئے گئے! اور کیا اسلام نے کسی کافر کے ساتھ بھی ایسے ظالمانہ برتاؤ کو جائز قرار دیا ہے؟ ان تمام واقعات کی موجودگی کے باوجود اصرار ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا یا راضی ہو۔

اس کے علاوہ امیر شام نے اپنے اقتدار کے آخری ایام میں ایک اور اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ اپنے بیٹے یزید کی بیعت کے لئے حالات کو سازگار بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ جن سے مخالفت کا کھٹکا تھا انہیں مقرب بارگاہ بنا

لیا، بڑے بڑے عہدے عطا کئے، ان سے رواداری برتی اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کی۔ حتیٰ کہ خود مدینہ پہنچ کر تلوار کے سائے میں یزید کی ولعہدی کی بیعت لی۔ یزید کی ولعہدی اور اس کے بعد حکمرانی کی بیعت جس طرح حاصل کی گئی اس سے صاحبان بصیرت خوب واقف ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ درد انگیز و عبرت خیز باب ہے کہ بائنی اسلام کو دنیا سے پردہ فرمائے ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ انقلاب زمانہ کے باعث جس مسند پر پیغمبر خدا تشریف فرما ہوتے تھے اس پر معاویہ بن ابوسفیان اور ان کا فاسق و فاجر بیٹا یزید جیسے لوگ بیٹھے نظر آتے ہیں۔

یزید بن معاویہ: امیر شام کی کوشش کے باوجود حضرت حسین بن علیؑ اور چند دیگر اکابرین ملت نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی لہذا مسند اقتدار پر قدم رکھتے ہی یزید کی تمام تر توجہ ان حضرات سے بیعت لینے پر مرکوز ہو گئی۔ حضرت امام حسینؑ کی فضیلت و اہمیت کے پیش نظر اس نے سب سے پہلے نواسہ رسولؐ و جگر گوشہ بتول حضرت امام حسینؑ سے مطالبہ بیعت کر دیا تاکہ اس کے اقتدار کو بارگاہِ امامت کی سند مل جائے۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا کہ آغوش رسولؐ میں تربیت پانے والا حسینؑ، یزید جیسے بد کردار کی بیعت کرے چنانچہ یزید نے اقتدار کی طاقت اور تلوار کی نوک پر امامت لینا چاہی۔ دین کی امامت تو کیا ملتی دنیاوی حکومت بھی خاندان سے جاتی رہی یعنی معاویہ کی قائم کردہ سفیانی حکومت انکے بد کردار بیٹے یزید پر ختم ہو گئی جسکے بعد مروانی حکومت قائم ہوئی۔

گرچہ حکمران طبقہ کو کربلانے ایسا سبق سکھایا کہ پھر کسی بادشاہ کو آئمہؑ معصومین اور اہل بیت رسولؐ سے بیعت طلب کرنے کی جرأت نہیں ہوئی لیکن پھر بھی ہر ایک بادشاہ کے دل میں آئمہؑ اہلبیت کا وجود کھلتا رہتا تھا اور وہ ہمیشہ

آئمہ معصومین کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے۔ کسی کو زہر دلوایا، کسی کا سر قلم کروایا، کسی کو قید میں ڈلوایا مگر اہلبیت رسول نے اپنے مقصد کو نہ چھوڑا۔ اسلام کی بقاء اور دین کی سر بلندی کی خاطر وہ ملت مسلمہ کو اپنے علم کے چشمہ سے سیراب کرتے رہے گو کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں انہیں بیشمار تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ تبلیغ دین کیلئے کسی امام کو دعاؤں کا سہارا لینا پڑا تو کسی کو دسترخوان کا۔

الغرض واقعہ کربلا رونما ہوا۔ واقعہ کربلا حق پر قیام اور باطل قوتوں کے مقابل سینہ سپر ہو جانے کا نام ہے۔ حق و باطل میں سدا سے جنگ ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی رہے گی مگر قیام حق کی بہترین مثال کربلا کے میدان میں ملتی ہے جہاں نواسر رسول نے اپنے چند جانثاروں کے ساتھ جس صبر و استقلال اور ہمت و پامردی سے لشکر باطل کے ظلم و استبداد کا مقابلہ کیا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

قوت کا مقابلہ قوت سے اور طاقت کا مقابلہ طاقت سے تو ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا لیکن سیدہ کے لال نے میدان کربلا میں جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ قوت و طاقت کا مقابلہ بھوک اور پیاس میں کردار و عمل سے کر کے مسلمانوں کو دنیا کے تمام مذاہب والوں کے سامنے یہ کہنے کے قابل بنا دیا کہ اگر صفحہ ہستی پر کوئی ایسا جری و بہادر، غازی و باطل شکن مل سکے تو پیش کرو۔ کربلا کے مجاہدوں کا جواب غیر کی تاریخ تو کیا خود مسلمانوں کی تاریخ بھی نہیں دے سکتی۔ بدر، احد، خیبر، خندق اور حنین جیسے معرکوں میں حبیب ابن مظاہر جیسا بوڑھا مجاہد جو بھوکا بھی تھا اور پیاسا بھی، مل جائے تو بتائے۔ علی اصغر جیسا شیر خوار جسے دودھ تو دودھ پانی بھی نہ مل سکا ہو، ایسا موت کا شائق کسی اور جنگ میں مل جائے تو دکھائے

”مولا! مسلم کے بعد یہی ایک تحفہ باقی ہے اسے روکے نہیں مرنے کیلئے جانے دیجئے۔ میری یہ آخری خواہش ہے“ کہنے والی ماں اگر کہیں نظر آجائے تو فرمائیے، کٹتی ہوئی گردن، چلتے ہوئے عنجر اور بہتے ہوئے خون کے ساتھ ”میرے اللہ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا تو بھی میرے نانا کی امت کو بخش دینا“ کہنے والا کوئی شہید مل جائے تو اسی کو سید الشہداء مان لیجئے۔ خیموں کا جلنا، چادروں چھننا، گوشواروں کا نوچا جانا، دروں اور نیزوں کا ظلم برداشت کرنا، ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا پہننا، نبی زادوں کا کوفہ و شام کے بھرے بازاروں اور درباروں میں اسیر ہو کر چلے آنا۔ اس طرح راضی بہ رضائے الہی رہنے والے قیدی اگر چشم فلک نے دیکھے ہوں تو ضرور ان کی مصیبتوں پر آنسوؤں بہائیے۔

بہر حال جب کربلا کے اسیر طویل سفر کے ناگفتہ بہ مصائب برداشت کرتے ہوئے یزیدی دار الخلافہ پہنچے تو دربار سجایا گیا اور سر حسین کو تخت میں رکھ کر یزید کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس ملعون نے ایک چھڑی کے ذریعہ دندان مبارک کے ساتھ بے ادبی کی اور جوش انتقام و تکبر اقتدار کے نشہ سے سرشار ہو کر چند اشعار کہے جن کا حاصل یہ ہے کہ:

”کاش آج میرے وہ بزرگوار جو جنگ بدر وغیرہ میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہو کر مجھے داد دیتے کہ میں نے ان کا کیا انتقام لیا اور ساداتِ نبی ہاشم کو قتل کیا۔ بیشک میں عقبہ کی نسل میں شمار نہ ہوتا اگر آل احمد سے ان تمام باتوں کا جو (احمد) کر گئے ہیں بدلہ نہ لیتا۔ درحقیقت نبی ہاشم نے ملک گیری کے دھکوسلے نکالے تھے ورنہ ان کے پاس نہ کوئی فرشتہ آیا، نہ وحی نازل ہوئی۔“

(وصلۃ الحاجات از ملازمین فرنگی بھلی بحوالہ تاریخ احمدی ص: ۳۲۳)

اس بیان کی موجودگی میں یزید کے چاہنے والے بتائیں کہ جو شخص منکر نبوت اور منکر وحی ہو، کیا وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟

شہادتِ حسینؑ کے اثرات: یزید اور یزیدیوں کا گمان تھا کہ وہ حسینؑ کو قتل کر کے یزید کے اقتدار کو برقرار اور سفیانی حکومت کو پائیدار بنا سکیں گے مگر شہادتِ حسینؑ کے فوراً بعد ہی جیسے جیسے سانحہ کربلا کی خبر دنیائے اسلام میں پھیلی ہر طرف یزید سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہونے لگا۔ دنیائے اسلام کی سیاست میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ اصحابِ رسول، تابعین، تابع تابعین اور علماء و مفکرین اسلام نے متفقہ طور پر یزید کو جرمِ عظیم کا مرتکب قرار دیا اور بقول امام احمد بن حنبلؒ اسے مستحق لعن ٹھرایا۔

یہ واقعہ کربلا ہی کے اثرات تھے کہ سب سے پہلے مدینہ الرسول کے باشندوں نے یزید کی معزولی کا اعلان کیا اور اصحابِ رسول نے مدینہ کے گورنر عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ سے نکال کر عبداللہ بن حظلہ کو اسکی جگہ گورنر مقرر کیا۔ اسی طرح اہل مکہ نے بھی واقعہ کربلا سے متاثر ہو کر یزید سے برہمی کا اعلان کیا۔ مکہ والوں کے جوش و خروش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ بن زبیر نے اپنی بیعت لینی شروع کر دی اور یزیدی گورنر کو مکہ سے مار بھگایا۔ مدینہ اور مکہ کو اپنے قبضہ سے نکلتا ہوا دیکھ کر یزید نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق مسلم بن عقبہ حمری کو، جو اپنے ظلم و ستم اور کثرتِ خونریزی کے باعث ”مسرف“ کہلاتا تھا، مدینہ الرسول کی تاراجی کیلئے روانہ کیا۔ مسرف نے اہل مدینہ کا محاصرہ کیا۔ حرہ کے مقام پر فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں اہل مدینہ کی بہت بڑی تعداد میدانِ جنگ میں کام آئی اور انہیں شکست ہوئی، اس جنگ میں نوے افراد خاندانِ بنی ہاشم کے شہید ہوئے جن میں سے چند نام یہ ہیں: عبداللہ بن جعفر بن ابریطالب، جعفر بن محمد بن علی بن ابریطالب، فضل بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب، حمزہ بن عبداللہ بن نوفل بن حارث

بن عبدالمطلب، عباس بن عتبہ بن عبد العزیٰ بن عبدالمطلب وغیرہ نے مسرف
فاتحانہ شان و شوکت سے شہر مدینہ میں داخل ہوا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
نے تحریر کیا ہے کہ:

”مدینہ فتح ہوا۔ اور اس کے بعد یزید کے حکم کے مطابق تین دن
کیلئے فوج کو اجازت دیدی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کرے۔ ان
تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی، شہر کے باشندوں
کا قتل عام کیا گیا جس میں امام زہری کی روایت کے مطابق سات
سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام مارے گئے۔ اور غضب یہ
ہے کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں
کی عصمت دری کی۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ”حسبى قیسل انہ
حملت الف امرأة فى تلک الايام من غیر زوج، کہا جاتا
ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں“۔

(خلافت و ملوکیت ص ۱۸۲)

مدینہ پر مکمل قبضہ حاصل کرنے اور مسلسل تین روز تک مدینہ
الرسول کو تاراج کر نیکی بعد مسرف نے لوگوں سے یزید کی غلامی کی بیعت لینا
شروع کی۔ اس موقع پر حضرت علی زین العابدینؑ مدینہ میں نہ تھے۔ آپ محاصرہ
سے پہلے ہی اپنے اہلیت اور خاندان بنی ہاشم کو لیکر مدینہ کے قریب مقام ”منج“
میں منتقل ہو گئے تھے جہاں آپ کی زرعی آراضی بھی تھی۔ امام زین العابدینؑ کو
بلایا گیا۔ آپ کے تشریف لانے سے پہلے مسلم بن عقبہ بہت غیظ و غضب میں تھا۔
آپ کے آباؤ اجداد پر تبرا بھیج رہا تھا لیکن جب آپ تشریف لائے تو وہ تعظیم کیلئے
کھڑا ہو گیا اور اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ اس وقت مسلم کے پاس جو لوگ قتل کیلئے
لائے گئے ان کی آپ نے سفارش کی اور وہ چھوڑ دئے گئے۔ اسکے بعد آپ کو

۱ نورالمشرقیین من حیات الصادقین ص ۹۹

عزت و احترام سے واپس کر دیا گیا۔ مسلم بن عقبہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس نوجوان کے آنے سے پہلے تو تو اس کو اور اسکے اجداد کو برا بھلا کہہ رہا تھا لیکن انکے آنے کے بعد تو نے اتنی عزت کی۔ مسلم نے کہا کہ انکے دیکھتے ہی میرے دل پر ان کا رعب چھا گیا۔ آپکے سامنے بیعت پیش کرنیکی نوبت ہی نہیں آئی۔ ۱۔ تاراجی مدینہ کے بعد مسرف نے مکہ کا رخ کیا جہاں وہ بیمار ہو کر واصل جہنم ہوا۔ اسکے قائم مقام حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر کو خانہ کعبہ سے نکالنے کے لئے بیت اللہ پر منجیق کے ذریعہ سنگ باری اور آتش بارانی کی جس سے خلاف کعبہ آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اسی دوران یزید بھی جہنم رسید ہوا۔ معاویہ بن یزید: یزید کے مرتے ہی شام میں اس کے بیٹے معاویہ کو مسند حکومت پر بیٹھا دیا گیا مگر وہ اپنے باپ اور دادا کے کارناموں کے باعث حکومت سے متنفر تھا لہذا اس نے اپنے پہلے اور آخری خطبہ میں اعلان کیا، جیسا کہ حسن ابراہیم حسن مصری نے لکھا ہے کہ:

”لوگو! میرے دادا امیر معاویہؓ نے اس شخص سے حریفانہ مقابلہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے، میرا اشارہ حضرت علیؓ کی طرف ہے۔ تم جانتے ہو انہوں نے سب کچھ تمہارے بل بوتے پر کیا تھا۔ وہ اپنی راہ گئے اور گناہوں کی گٹھڑی قبر میں ساتھ لے گئے ان کی موت کے بعد میرے باپ یزید نے خلافت حاصل کی حالانکہ وہ اس کا اہل نہ تھا، اس نے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کیا لیکن موت نے زیادہ دیر تک اس کا موقع نہ دیا اور وہ بھی اپنے گناہوں کی پوٹلی لے کر قبر میں پہنچ گیا۔“

کچھ دیر گریہ کرنے کے بعد اس نے مزید کہا کہ:

۱۔ اس واقعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الطبری ج ۴، ص ۳۷۲ تا ۳۷۹، ابن الاثیر ج ۳، ص ۳۱۰ تا ۳۱۳، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۲۱۹ تا ۲۲۱ ۲ مروج الذهب ج ۳، ص ۱۸، نور المشرقیین ص ۱۰۰

”ہمارے لئے سب سے زیادہ تکلیف وہ یہ احساس ہے کہ ان کا انجام بد ہے انہوں نے آنحضرتؐ کے خاندان کے لوگوں کو شہید کیا، حرم میں قتل و خونریزی کی، کعبہ کی بے حرمتی کی اور اسے خراب کیا، میں اس بار خلافت کا تحمل نہیں ہو سکتا، مشورہ کر کے کسی دوسرے کو خلیفہ منتخب کرو“ (مسلمانوں کا عظیم مملکت ص: ۶۰)

معاویہ بن یزید خطبہ دینے کے بعد محل میں داخل ہوا، خاندان والے اس کے دشمن جانی ہو گئے اور اس کو زہر دیدیا۔ تین ماہ بعد اس کی لاش محل سے نکالی گئی۔ اس طرح سفیانی خاندان کی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ یہ کتنی حیرت انگیز اور افسوس ناک بات ہے کہ یزید کے فتح و فوج اور انکار رسالت سے متعلق انتہائی واضح اور مصدقہ بیانات کی موجودگی اور اس کے اپنے بیٹے کے واضح اعلان کے باوجود مسلمانوں کا ایک طبقہ بھند ہے کہ یزید بن معاویہ کو رضی اللہ اور امیر المؤمنین جیسے القاب سے نوازا جائے۔

مروانی حکومت: معاویہ بن یزید کی حکومت سے دستبرداری کے بعد مملکت کے مختلف علاقوں پر مختلف لوگ قابض ہو گئے۔ مصر و شام پر مروان نے قبضہ کیا، حجاز و یمن کی حکمرانی عبداللہ بن زبیر نے سنبھال لی، بصرہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے خود مختاری اختیار کر لی، کوفہ کے والی عمرو بن حریش الخزائی نے ابن زیاد کی حمایت میں تقریر کی اور اہل کوفہ کے ایک گروہ نے عمر ابن سعد کو امیر بنانا چاہا تو قبیلہ ہمدان، کہلان، ربیعہ اور نخع کی خواتین حضرت امام حسینؑ کا ماتم کرتی ہوئی جامع مسجد میں آئیں اور کہا کہ ”عمر ابن سعد، حسینؑ کو قتل کر کے راضی نہیں ہوا جو اب ہم پر امیر بننا چاہتا ہے۔ اگلی گریہ و زاری دیکھ کر لوگوں نے اپنا خیال ترک کر دیا۔ اس ماتمی جلوس میں قبیلہ ہمدان کی خواتین سب سے نمایاں اور پیش پیش تھیں۔“

۱۔ مردن الذہب، مسعودی ص: ۱۱۱

عبداللہ بن زبیر کو جب اہل کوفہ کے حالات کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن مطیع العدوی کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا مگر عمار ثقفی نے اسے مار بھگا یا اور خود نے کوفہ کا انتظام سنبھال لیا۔ الغرض ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔

مروان بن حکم: مروان نے پہلے تو عبداللہ بن زبیر کی دعوت بیعت قبول کر لی لیکن بعد میں ابن زیاد کے مشورے پر اپنے عہد سے پھر گیا اور جابیہ کے مقام پر اشراق عمرو بن سعید بن عاص سے ایک معاہدہ کیا لہذا اشراق کی حمایت سے وہ شام کا حکمران بن گیا۔ اقتدار ملنے کے بعد معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خالد بن یزید بن معاویہ اور اشراق کے بجائے اپنے دو بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین مقرر کیا اور ان کے لئے بیعت حاصل کی۔ اس کے تین مہینے بعد ہی مروان کی موت واقع ہو گئی۔ اسکی موت کی بابت مورخین کا بیان ہے کہ نازد جانشین خالد کو قابو میں رکھنے کیلئے مروان نے خالد کی ماں فاختہ بنت ابی ہشام بن عقبہ سے نکاح کر لیا تھا۔ اپنی معزولی پر جب خالد نے احتجاج کیا تو مروان نے اسے بہت ذلیل کیا۔ خالد نے اپنی ماں سے شکایت کی تو اس نے اپنی کنیتوں کی مدد سے مروان کا کام تمام کر دیا۔

مروان کا باپ حکم بن عاص یوم فتح مکہ چارو ناچار دارۃ اسلام میں داخل ہو کر طلقاء کے گروہ میں شمار ہوا۔ اس نے بظاہر اسلام قبول کیا حالانکہ وہ در پردہ اسلام دشمن رہا۔ وہ مسلمانوں سے راز کی باتیں معلوم کر کے دشمنوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ جب اسکی حرکتوں کا پردہ فاش ہوا تو اللہ کے رسول نے اسے جلا وطن کر دیا۔ وہ مدینہ سے طائف چلا گیا۔ کمنی کے باعث مروان بھی باپ کے ساتھ ہی رہا۔ چونکہ حکم بن عاص حضرت عثمانؓ کا چچا تھا لہذا انہوں نے آنحضرتؐ سے اسکی واپسی کی سفارش کی جسے آنحضرتؐ نے مسترد کر دیا۔ اس کے

بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں بھی حضرت عثمانؓ نے اسکی واپسی کی اجازت چاہی مگر ان دونوں صاحبوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جس کو رسول اللہؐ نے خارج البلد کیا ہوا ہے ہم آنے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔ مگر جب حضرت عثمانؓ خود حکمران بنے تو انہوں نے نہ صرف اسے مدینہ واپس بلایا بلکہ مروان کو اپنا میرنشی اور داماد بھی بنا لیا۔ یہی وہ مروان ہے جو حضرت عثمانؓ کی افسوس ناک شہادت کا سبب بنا۔ حکم بن عاص کی بابت بی بی عائشہؓ سے روایت منقول ہے کہ ”البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہؐ نے لعنت کی تھی جبکہ مروان بھی اسکے صلب میں تھا“۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے ذہبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ مروان کو خلیفہ نہ کہا جائے کیونکہ وہ باغی تھا، اس نے عبد اللہ بن زبیر پر خروج کیا تھا۔

عبد الملک بن مروان: مروان کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک تخت نشین ہوا۔ اس کی بابت مشہور ہے کہ وہ بڑا دیندار اور عبادت گزار تھا۔ ممکن ہے یہ درست ہو مگر تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ عبد الملک کو جب تک اقتدار نہیں ملا تھا وہ دین کی طرف راغب تھا۔ اقتدار ملنے کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی تھی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ عبد الملک خلافت سے پہلے بڑا عابد و زاہد تھا۔ احمد بن عبد اللہ علی کا بیان ہے کہ عبد الملک گندہ زہن تھا وہ چھ ماہ میں پیدا ہوا۔ عبد الملک ام درودہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا ایک دن ام درودہ صحابیہ نے کہا ”اے امیر المؤمنین! میں نے سنا ہے کہ تم جیسا عبادت گزار شراب نوشی کرتا ہے۔“ جواب دیا ”بچہ خاں خواری بھی کرنے لگا ہوں“۔

۱. تاریخ اسلام، شاہ محمد الدین ندوی ج ۲، ص ۶۸، ۲ خلافت و طوکت ص ۱۵۱، ۳ تاریخ الخلفاء

والی التیمی اور رفاعہ بن شداد البجلی کی سربراہی میں شامیوں سے جنگ کیلئے نخیلہ کی فوجی چھاؤنی میں جمع تھے۔ اس قیام کے دوران عبداللہ بن الاحمر نے اشعار کہے ان میں سے چند یہ ہیں:

صحت وودعت الصبا والغوا اينا وقولو اله اذ قام يدعوا الى الهدا
وقلت لا صحابي اجيوا المناديا وقبل الدعاء ليك ليك داعيا
ترجمہ: میں مرض عشق سے صحت یاب ہو گیا اور میں نے جوانی کے
شوق اور جوان خوبصورت عورتوں کو رخصت کر دیا اور اپنے دوستوں
سے کہہ دیا کہ وہ پکارنے والے کی دعوت قبول کریں، اور جب کوئی
امام ہدایت کیلئے دعوت دے تو وہ اس پر لٹیک کہیں۔

الا وانع حبر الناس حدًا حسينا لا هبل الدين ان كنت فاعيا
ترجمہ: اگر تو کسی کی خبر مرگ وینداروں کو سنانا چاہتا ہے تو حسینؑ کی
خبر مرگ سنا جو اپنے نانا اور باپ کے اعتبار سے دنیا کے سب سے
بہتر آدمی تھے۔

ليك حسينا مجرد زو غضاضة عديم و ايتام تشكي المواليا
نگوں، بھوکوں، فقر اور ان یتیموں کو جو اپنے چچھڑے بھائیوں کے
ہاتھوں نالاں ہیں، سزاوار ہے کہ وہ حسینؑ پر گریہ کریں۔

فاضحى حسين' للرماح درية وعودر مسلو بالدى الطف ناديا
اور حضرت امام حسینؑ نیزوں کا نشان بن گئے اور ان کے لباس اور
اسلحہ کو اتار کر ان کو طوف کے پاس پڑا رہنے دیا گیا۔

فيا ليتنى اذ ذاك كنت شهديه فضا ربست عنه العناتين الا عا ديا
کاش میں ان کے ساتھ جنگ میں موجود ہوتا تو ان کی حمایت میں
بدبخت دشمن پر خوب ہی ششیر زنی کرتا۔

سقى الله قبراً ضمنَ المجد والتقى بغربية الطف الغمام الغوا ديا

ترجمہ: اللہ اس قبر کو جو شرافت اور تقویٰ کو آغوش میں لئے ہوئے
طف کے مغرب میں واقع ہے صبح بہار کے برسنے والے ابر سے
سیراب کرتا ہے۔

فيا امة تاهت وضلت سفاهة انيسوا فرضوا الواحد المتعاليا

اے وہ قوم جو اپنی حماقت کی وجہ سے مراہ اور سرگرداں ہو گئی تھے
چاہئے کہ تو اللہ کی جانب رجوع کرے اور اس طرح اس یکتائے
بزرگ کو خوش کرے۔

جب یہ جماعت روانہ ہوئی تو اسی عبد اللہ بن الاحمر نے یہ جزیہ اشعار کہے:

خرجن يلمحن بنا ارسالا هو انسا محملنا ايطالا
نريد ان نلقى بها الا قبالا القاسطين الغدر والضللا
وقدر فضنا الولد والاموالا والخافقات البيض الحجالا

نرصى به ذا النعم المفضالا

ہم اس حال میں روانہ ہوئے کہ تیز رفتار گھوڑے ہم بہادروں کو بھلی
کی سرعت سے لے جا رہے تھے، تاکہ ہم ان کے ذریعہ سے فریب
و گمراہی کے سرگروہوں کا مقابلہ کریں۔ ہم نے اپنے بے حد نعمت
بخشے والے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی اولاد، مال،
خوبصورت عورتوں اور عروسی پردوں کو خیر باد کہہ دیا ہے۔

اہل کوفہ کا یہ لشکر قریباً ہوتا ہوا عین الوردہ پہنچا جہاں ابن زیاد تیس ہزار
شامی فوج کے ساتھ مقابلہ کیلئے موجود تھا۔ فریقین میں گھسان کی جنگ ہوئی
سلیمان بن صرد الخزاعی نے بڑی جرات و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ شامیوں کی
ایک بڑی جماعت کو قتل کیا اپنے ساتھیوں کو مرنے مارنے کی ترغیب دیتے رہے

حتیٰ کہ خود بھی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد میتب بن نجبه کی سربراہی میں یہ لوگ انتہائی بے جگری سے لڑتے رہے۔ ایک شب شامی فوج کا ٹڈی دل رات کی تاریکی میں اس جماعت پر چھا گیا۔ اس معرکہ میں میتب شہید ہوئے عبداللہ بن سعد نے ان کی جگہ سنبھالی۔ دورانِ جنگ خبر ملی کہ اہل بصرہ اور اہل مدائن کے پانچوں شہسواروں کی کمک پہنچنے والی ہے۔ جب شامیوں نے دیکھا کہ قلیل تعداد ہونے کی باوجود اہل کوفہ پامردی سے لڑ رہے ہیں اگر ان کی کمک پہنچ گئی تو مشکل ہو جائے گی لہذا مروانوں نے صلح کی پیشکش کی۔ صلح ہو گئی اور جنگ رک گئی۔ عین الوردہ کی یہ جنگ ۶۶ھ میں ہوئی تھی۔

مروانوں نے اپنے بزرگوں کی تقلید کرتے ہوئے صلح کی خلاف ورزی کی اور عراق پر حملہ کرنے کیلئے ابن زیاد کی سربراہی میں شامی فوج روانہ کی۔ جس سے مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے عراقی سپہ سالار ابراہیم بن مالک اشتر نے موصل کے مقام پر مقابلہ کیا، زبردست جنگ ہوئی، فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس جنگ میں شامی فوج کے نامور سردار ابن مرجانہ عبید اللہ بن زیاد، حصین بن نمیر، شرجیل بن ذوالکلام، عبداللہ بن ایاس السلمی اور غالب الباہلی مارے گئے۔

عبداللہ بن زبیر: دوسری طرف عبداللہ بن زبیر نے ۶۶ھ میں اپنے بھائی مصعب و اہلی بصرہ کو مختار سے مقابلہ کیلئے کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ مقام حرور میں دونوں فوجوں کے درمیان شدید معرکہ ہوئے جن میں ہزاروں آدمی مارے گئے۔ بالآخر مختار اپنی حمیحت کے ساتھ سرکاری قصر میں قلع بند ہو گئے۔ وہ ہر روز مصعب سے لڑنے کیلئے نکلتے اور جنگ کر کے واپس قصر میں آجاتے تھے۔ ایک دن دورانِ جنگ عبدالرحمن بن اسد نے انہیں قتل کر دیا اور سر قلم کر کے مصعب

کے پاس بھیج دیا۔ اس معرکہ میں عبید اللہ بن علی بن ابیطالب بھی شہید ہوئے۔ مختار کے ہمراہیوں نے جنگ جاری رکھی۔ اُن سے تنگ آ کر مصعب نے اُن سب کو امان دینے کا اعلان کیا مگر بعد میں سب کو قتل کرادیا۔ اس جنگ میں مصعب کے ہاتھوں قتل کئے جانے والوں کی تعداد کا شمار سات ہزار کیا گیا ہے۔ یہ سب کے سب انتقام خونِ حسینؑ کیلئے اٹھے تھے اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں کو جہنم رسید کیا تھا۔ امیر مختار نے ربیع الاول ۶۶ھ میں خروج کا آغاز کیا اور رمضان ۶۷ھ میں ان کو شہید کیا گیا۔

عبید اللہ اور مصعب پسرانِ زبیر نے نہ صرف مختار کے جنگجوؤں کو قتل کیا بلکہ کوفہ کے گرد و نواح کے بہت سے بیگناہ شیعوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حتیٰ کہ مختار کی بیواؤں کو مجبور کیا کہ وہ مختار سے اپنی برات کا اعلان کریں۔ دو بیواؤں کے علاوہ سب نے اظہارِ برأت کر دیا۔ ان دونوں کا کہنا تھا کہ ”ہم کیونکر ایسے شخص سے تبرا کر سکتے ہیں جو اللہ کو اپنا رب کہتا تھا، دن میں روزہ رکھتا تھا، رات بھر نماز پڑھتا تھا۔ جس نے رسول اللہ صلعم کے نواسے، ان کے اہلیت اور طرفداروں کا بدلہ لینے کی خاطر اور اللہ و رسولؐ کے لئے اپنی جان قربان کر دی اور اللہ نے اُن کے دشمنوں کو اسکے قابو میں دیدیا جس سے سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے۔“ مصعب نے ان دونوں کے حال سے عبید اللہ بن زبیر کو آگاہ کیا جس نے حکم دیا کہ ”اگر وہ مختار پر تبرا نہ کریں تو قتل کر دو۔“ مصعب نے حکم کی تعمیل کے لئے ان دونوں کو بلا کر کہا ”یا تو مختار پر تبرا کرو یا پھر قتل کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ مختار کی ایک بیوی ام الثابت بنت سمرہ بن جندب الفزازی نے مختار سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”اگر تلوار کے ذریعہ سے تم مجھے کفر کی دعوت بھی دیتے تو میں اسے قبول کرتی۔“ مگر دوسری بیوی جو نعمان بن بشیر انصاری کی پوتی تھی

اس نے کہا ”جب شہادت مجھے مل رہی ہے تو نہیں ہو سکتا کہ میں اسے چھوڑ دوں، اس میں ہے کیا؟ ایک لمحہ کی موت پھر سامنے جنت ہے اور رسول اللہؐ اور اہلبیت کی زیارت، یہ نہ ہوگا کہ میرا باپ ابن ابریطالب کو چھوڑ کر ابن ہند کے ساتھ ہو، میں بھی اپنے باپ کی اتباع کرتی ہوں اور اس بات کی شہادت دیتی ہوں کہ نبی اکرمؐ، انکے ابن عمؑ، اہلبیتؑ، اور ان کے طرفداران کی قبیح ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی اور بے کسی کی حالت میں قتل کر دی گئی۔^۱

ولید بن عبد الملک: عبد الملک کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ولید حکمران ہوا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ ولید نہایت سخت گیر اور بے رحم تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ ابو نعیم نے اپنی کتاب ’حلیہ‘ میں ابن شہر آشوب کے حوالے سے عمر بن عبدالعزیز کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ”ولید بن عبد الملک شام میں حجاج عراق میں، عثمان بن حبارہ حجاز میں، قرہ بن شریک مصر میں ظالم حاکم کار فرما ہیں اور پوری دنیا میں ظلم و ستم ہوز رہا ہے۔“ حجاج کے ظلم و ستم کے تذکروں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور کیوں نہ ہو جس شخص کے دنیا میں وارد ہونے کے بعد سب سے پہلی غذا خون ہو اس سے خونریزی اور بربریت کے سوا کیا امید کجا سکتی ہے۔ عبد الملک نے اس خونخوار درندے کو کوفہ کا والی مقرر کیا جس نے آل ابریطالب اور دیگر حامیان اہل بیت کا جس سفاکی و بے دردی سے خون بہایا اس سے تاریخ کے اوراق سرخ ہیں۔ اس کی خونخواری اس حد تک پہنچی کہ بقول مسعودی ”عبد الملک نے حجاج کو لکھا کہ اب تو آل ابریطالب کا اور خون بہانے سے مجھے بچا کیونکہ اس کی وجہ سے سارے ملک میں آل حرب کی طرف سے بددلی اور نفرت پھیل گئی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حجاج محض

۱۔ ماخوذ از مروج الذهب ص: ۱۹ تا ۲۹، ۲ مروج الذهب ص: ۹۶، ۳ تاریخ الخلفاء ص: ۲۵۳

حکومت کے زوال کے خوف سے نہ کہ اللہ کے ڈر سے آل ابریطالب کے قتل سے بچتا رہتا تھا“۔^۱

سلیمان بن عبد الملک: ولید کی وفات کے بعد ۹۶ھ میں اس کا بھائی سلیمان تختِ حکومت پر بیٹھا۔ جس کی بابت حسن ابراہیم حسن مصری نے تحریر کیا ہے کہ ”سلیمان کے دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ امراء بنی امیہ عیش و عشرت اور لہو و لعب میں سرمست تھے“۔^۲ سلیمان کھانے کا بہت حریص تھا اس کی روزانہ خوراک ایک رتل عراقی تھی۔ وہ اپنی خواہگاہ میں مٹھائی کی ٹوکریاں رکھتا تھا جب آنکھ کھلتی وہ مٹھائی کھا لیتا تھا۔ کتب تاریخ میں اس کے کھانے سے متعلق بہت سے واقعات مرقوم ہیں۔ اس کی مدتِ حکومت پونے تین سال تھی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ: سلیمان کی خفیہ وصیت کے مطابق اسکی موت کے بعد ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبد العزیز بن مروان بن حکم مسد حکومت پر بیٹھے۔ آپ نہایت دیندار، زاہد و عابد اور متواضع شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے اقتدار سنبھالتے ہی اپنے پیشرو حکمرانوں کے مقرر کردہ بنو امیہ کے تمام عمال کو برطرف کر کے ان کی جگہ بہتر سے بہتر اشخاص مقرر کئے۔ ان کے تمام عمال بھی انھیں جیسے متقی و پرہیزگار تھے۔ اُس وقت تک نماز کے خطبے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جو لعن بھیجی جاتی تھی آپ نے اسے موقوف کر لیا۔ ان کی بابت حسن ابراہیم حسن مصری نے نکلسن کا یہ قول نقل کیا ہے ”وہ اس قرن عالمگیر مذہبی تاریکی اور گمراہی میں ایک نیر درخشاں تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جبر و استبداد اور خونریزی کا دور دورہ تھا“۔^۳

بلاشبہ حضرت عمر بن عبد العزیز عادل و حق پسند انسان تھے۔ آپ نے

اہلیتِ رسول کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک کیا بلکہ ایک حد تک ان زیادتیوں کا

۱۔ مردج الذہب ص ۱۱۰، ۲۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۶۳، ۳۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۶۳

ازالہ کرنے کی کوشش بھی کی جو آپ کے پیشرو حکمرانوں نے خاندان رسالت پر روا رکھی ہوئی تھیں۔ فدک کی واپسی، حضرت علیؓ پر کئے جانے والے سب و شتم کی بدعت کی موقونی، اہلبیت رسول کے پامال شدہ حقوق کی بحالی وغیرہ جناب عمر بن عبدالعزیز کے ایسے کارنامے ہیں جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

پیشک رب کریم بڑا حکمت والا ہے، اُس نے وفات رسول پاک صلعم کے بعد ایک صدی کے اندر ہی ایک ایسے عادل و منصف حکمران کو قائم فرمایا جس نے اپنے ہی قبیلے اور خاندان کے پیشرو حکمرانوں کے ظلم و استبداد کا پردہ چاک کر دیا اور اہلبیت رسول پر کی جانے والی نا انصافیوں کا ایک حد تک ازالہ کیا۔ اگر عمر بن عبدالعزیز حکمران نہ ہوتے تو بنی امیہ کے سفیانی و مروانی حکمرانوں کے پروردہ مورخین تاویلات کے ذریعہ ان کی نا انصافیوں کی پردہ پوشی اور اہلبیت رسول کی تذلیل و تحقیر میں زمین و آسمان ایک کر دیتے۔ خداوند عالم حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جزائے خیر دے۔

مسعودی نے عمرو بن عبید کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”خلافت عمر بن عبدالعزیز کو بغیر کسی حق یا استحقاق کے ملی تھی مگر انہوں نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے عدل و انصاف سے اسے اپنا حق بنا لیا۔“ عمر بن عبدالعزیز کی موت پر فرزوق شاعر نے جو مرثیہ کہا تھا اُس کے چند اشعار یہ ہیں:

اقول لمانسی الماعون بی عمراً لقد نعیم قوام الحق واللبین

جب عمر کی موت کی خبر مجھے خبر مرگ دینے والے نے سنائی تو میں نے

اس سے کہا کہ تو نے دین اور صداقت کے ستون کی موت کی خبر دی ہے۔

قد غیبوا الرامون الیوم اذ رموا بدیر سمعان قسطاس الموازین

بلاشبہ دفن کرنیوالوں نے دیر سمان میں میزان عدل کی ڈنڈی کو
سپرد خاک کر دیا۔

لم یلمیہ عمرہ عین یفجرها ولا النخیل ولا رکفن البراذین

ان کی تمام عمر نہ کسی چشمہ آب نے جسے وہ جاری کرتے ان کو اپنی
طرف مشغول کیا نہ کھجوروں اور گھوڑوں نے۔^۱

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کی بابت مولانا مودودی صاحب
رقطر از ہیں کہ ”خاندان بنی امیہ کے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ عمر بن عبدالعزیز
خاندانی بادشاہت کو ختم کر کے چھوڑیں گے لہذا انھیں زہر دیکر ہلاک کر دیا گیا اور
پھر وہی سب کچھ ہونے لگا جو پہلے سے ہوتا چلا آ رہا تھا“۔^۲ بنی امیہ کا حکمران
طبقہ ظلم و زیادتی اور عیش و عشرت میں اس بری طرح مبتلا ہو چکا تھا کہ ان میں
اپنے پرانے کی تمیز ختم ہو گئی تھی۔

یزید بن عبدالملک: عمر بن عبدالعزیز نے رجب ۱۰۱ھ میں وفات پائی
جس کے بعد یزید بن عبدالملک جو یزید بن معاویہ بن ابوسفیان کا نواسہ تھا تخت
حکومت پر بیٹھا۔ اس کی بابت حسن ابراہیم حسن مصری نے لکھا ہے کہ ”یزید لہو و
لعب اور عورتوں کے ساتھ دلچسپی لینے میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا“۔^۳ یزید اپنی
ایک زر خرید لوٹدی ’سلامہ‘ پر فریفتہ تھا۔ اسکے علاوہ حبابہ نامی ایک اور لوٹدی پر
عرضہ دراز سے عاشق تھا۔ یزید کی دادی ام سعید عثمانیہ کو سلامہ کا یزید پر اثر پسند نہ
تھا لہذا اس نے یزید اور سلامہ میں اختلاف پیدا کرنے کیلئے یہ چال چلی کہ حبابہ کو
خرید کر یزید کے حوالے کر دیا اور سلامہ کو خود نے لے لیا۔ یزید ہر وقت محل میں
رہتا اور حبابہ کی آغوش میں شراب خوری اور عیش و نشاط میں مصروف رہتا۔ اس

۱۔ مروج الذہب ص ۱۳۹، ۲۔ خلافت و ملکیت ص ۱۹۱، ۳۔ مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۶۳

کو ملکی معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جب حبابہ بیمار ہو کر مر گئی تو کئی روز تک اسکی میت کو دفن نہیں ہونے دیا اور خود میت کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ جب لاش سے بدبو پھیلی تو خاندان والوں کے اصرار پر لاش کو دفن کرایا۔ اس کے چند دن بعد وہ خود بھی مر گیا۔ شعرا نے اس کے عشق سے متعلق اشعار کہے۔

ہشام بن عبد الملک : یزید کی موت کے بعد ۵۰ھ میں ہشام بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ اسکی بابت مسعودی نے لکھا ہے کہ ”ہشام احوال تھا۔ نہایت سخت مزاج، کھڑا، روکھا اور بخیل تھا۔ روپیہ جمع کرنے، زمینوں کو آباد کرنے اور گھوڑے جمع کرنے کا شوق تھا“۔ ہر شخص اسکے نقش قدم پر چلنے لگا، کجوسی عام ہو گئی، لوگ دولت جمع کرنے کی دہن میں لگ گئے جس کے باعث جو دو سخا عتقا ہو گئی۔ ہشام کی ماں عائشہ بنت ہشام بن اسمعیل مخزومیہ بالکل پاگل عورت تھی۔ وہ گاؤں کیوں کو دہرا کر دیتی اور ان پر سوار ہو کر بچوں کی طرح ہنکاتی گویا کوئی سواری ہے۔ وہ لو بان چبا کر اس سے مورتیاں بناتی اور ہر مورت کا نام اپنی لونڈیوں کے نام پر رکھ کر ان ناموں سے پکارتی تھی۔ ماں کی نسبت سے لوگ ہشام کو ”ابن الحمقا“ کہتے تھے۔ اسی بادشاہ کے دور حکومت میں حضرت زید شہیدؓ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت جہاد بالسیف کیا اور شہادت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوئے۔

ولید بن یزید بن عبد الملک : اسے ولید ثانی بھی کہتے ہیں۔ ہشام کی وفات والے روز ہی ۱۲۵ھ میں حکمران ہوا۔ اور کل ایک سال دو ماہ بعد ہی قتل کر دیا گیا۔ اس کی ماں ام الحجاج بنت محمد بن یوسف ثقفیہ تھی۔ ولید کی شراب خوری اور بد مستیوں کی شہرت تو اس کے زمانہ ولید کی سے ہی مشہور تھی جو تاریخ کی کتابوں کی زینت ہیں ہم یہاں مختصر اُس کا تعارف پیش کر رہے ہیں۔

مسعودی کا بیان ہے کہ:

”ولید نہایت شرابی، عیاش، فاسق و فاجر اور گانے کا دلدادہ تھا، سب سے پہلے اسی نے تمام شہروں کے مشہور گویے بلا کر اپنے پاس جمع کئے۔ رعدوں کی صحبت میں بیٹھ کر شراب پیتا، اور اُس کی صحبت میں افعال قبیحہ اور فحش باتیں ہوتیں۔۔۔ اس کے پاس رنڈیاں بھی تھیں۔ یہ سخت بدکار، زانی اور بیہودہ تھا“ (مروج الذهب ص ۱۶۰)

اسی ولید کی بابت طبری نے لکھا ہے کہ:

”اس کے ولید کی عمر کے زمانہ میں ہشام نے اسے ۱۱۶ھ میں امیر حج مقرر کیا تو یہ اپنے ہمراہ صندوقوں میں کتے بھی لے گیا۔ ایک صندوق جس میں کتا تھا الٹ پھیر سے گر پڑا، ولید کے خادموں نے اُونٹ والے کو کوڑوں سے سخت مار ماری۔ نیز ولید اپنے ہمراہ کعبہ کے برابر ایک شامیانہ بنا کر بھی لے گیا تھا، شراب بھی اسکے ساتھ تھی اور ارادہ یہ تھا کہ کعبہ پر شامیانہ نصب کر کے اُس میں محفل گرم ہو، مگر اس ارادہ سے اُس کے ہمراہیوں نے ڈر کر اُسے باز رکھا“
(تاریخ طبری ج ۶ ص ۳۱۴)

طبری نے اس کی بابت مزید لکھا ہے کہ:

”شراب و نشاط میں مست رہتا تھا۔ ہشام نے ایک مرتبہ اُسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ آیا تم مذہبِ اسلام پر بھی ہویا نہیں، کوئی برائی ایسی نہیں جسے تم نہایت ڈھٹائی سے علانیہ نہ کرتے ہو، ولید نے جواب میں یہ دو شعر لکھ بھیجے:

يا ايها السائل عن ديننا نحن على دين ابي شاعر
نشر بها صرنا دم مزوجة بالسخن احيانا وبالفاقر

ترجمہ: جو شخص ہمارے مذہب کو پوچھتا ہے اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ابوشاکر کے مذہب پر ہیں۔ ہم نری شراب پیتے ہیں اور کبھی

کبھی اُس میں گرم یا نیم گرم پانی ملا کر پیتے ہیں۔ (ابوشاکر مسلمہ
بن ہشام کی کنیت تھی) (تاریخ ظہری ج: ۶ ص: ۳۱۵)

اسی ولید بن یزید کی بابت مولانا مناظر احسن کیلانی نے تحریر کیا ہے کہ ”
ہشام کے بعد ولید نامی خلیفہ گدی پر جو بیٹھا تو گو حکومت کرنے کا موقعہ ایک سال
دو مہینے بائیس دن سے زیادہ اس کو نہیں ملا لیکن اس وقت کو بھی اس نے صرف
گانے بجانے اور شراب خواری میں ختم کر دیا۔ بد مستی کا اس کے یہ حال تھا کہ
قوال نے ایک غزل سنائی جس سے اتنا مسرور ہوا کہ قوال سے لپٹ پڑا اور اس
کے ہر عضو کو چومنا شروع کیا تا اینکه شرمگاہ کے چومنے پر بھی مصر ہوا قوال بے
چارہ ران میں چھپائے چلا جاتا تھا اور وہ تھا کہ اصرار کر رہا تھا کہ ضرور چوموں
گا۔ نشہ ہی میں ایک دن قرآن کھول بیٹھا آیت نکلی:

وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝

مَنْ وَّرَاٰهُ جَهَنَّمَ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صٰدِي (سورۃ ابراہیم آیت: ۱۵)

یعنی انھوں نے دروازے کھولنے کی خواہش کی اور ہر ظالم سرکش محروم رہا اس کے
پیچھے جہنم ہے اور اُسے گرم پانی پلایا جاتا ہے۔ اس کو خیال گذرا کہ یہ اشارہ قرآن
کا میری طرف ہے اسی وقت قرآن کو لٹکا کر تیروں سے چاند ماری (العیاذ باللہ)
شروع کر دی۔ تیر پر تیر چلا تا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

اتوعد كل جبار عنيد فها اذا ذاك جبار عنيد
اذا ماجئت ربك يوم حشر فقل يارب خرقنى الوليد

ترجمہ: اے قرآن تو زبردستی کرنے والے کینہ پرور کو دھکاتا ہے،

تو لے میں وہی زبردستی کرنے والا کینہ پرور ہوں، قیامت کے دن

اپنے خدا کے پاس جب تو جائے تو کہہ دینا کہ ولید نے مجھے

بھاڑ دیا۔ ظاہر ہے یہ سارا تمنا شاء ام الخائنات کا تھا۔

۱۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۷۶، ۱۔ مروج الذهب ص ۱۲۳

ملاحظہ فرمایا، یہ ہیں خلیفۃ المسلمین جنکی بد اعمالیوں کو جاننے اور ماننے کے باوجود انہیں خلیفہ تسلیم کرنے، کہنے اور کہلوانے پر اصرار ہے۔ اسی بدست مردود حکمران کے دور حکومت میں جناب یحییٰ بن حضرت زید شہیدؓ کا زندہ رہنا دشوار کر دیا گیا تھا۔ آپ شہر بہ شہر پھرتے رہے اور بالآخر شہر جو زجان کے ارغونہ نامی ایک گاؤں میں جنگ ہوئی جس میں آپکو شہید کر دیا گیا۔



۴۸۱

الذی یرک جنن نفوسہ لا یتفلک فی السجدین ۵

خدا کی دو ذات ہے جو کچھ کواں دلت دیکھتی ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور

جو کچھ گزاردوں میں تیری ٹوٹ پلٹ دیکھتی ہے۔

(سنن ابوداؤد)

ارتضیٰ بن رضا نواز پوری

کی ایک اور بہترین کاوش

دین آبائے اجداد و رسولؐ

زمانہ قدیم سے یہ نظریہ رائج ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین، چچا، دادا اور دیگر تمام اجداد سلامت کفر و شرک مرتے لہذا وہ سب جہنمی ہیں۔

ارتضیٰ بن رضا نواز پوری نے اس نظریہ کے ابطال میں قرآن کریم، احادیث رسول اور مستند مورخین کے بیانات پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ حضرت ختمی مرتبتؐ کے تمام آباؤ اجداد و امہات و جدات از حضرت آدم تا جناب عبد اللہ پد رسول اللہؐ اپنے اپنے زمانہ میں مسلک توحید پر گامزن تھے اور بہترین افراد میں شمار ہوتے تھے۔

اللہ جل شانہ اپنے حبیب کے نور پاک کو ہر دور اور ہر زمانہ میں ظاہر و مظهر اسطاب سے پاک و پاکیزہ اور حاکم میں منتقل کرتا رہا لہذا یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد شرک و جہنمی تھے۔ یہ ممکن ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے آخری نبی مسلم کے نور پاک کو تارک و جس تمام پر یکہ دے۔

تیس ۹۰۱ روپے

حضرت زید شہیدؓ

ولادت باسعادت: حضرت زید شہیدؓ کی صحیح تاریخ ولادت کا علم نہ ہونے کے باعث عام طور پر علماء و مورخین نے اس کے بیان سے اجتناب برتا ہے۔ جن حضرات نے آپ کا سن ولادت لکھا ہے ان کی دو آراء مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک رائے اُن روایات پر مبنی ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی مادر گرامی کو جناب امیر مختار نے امام علیؓ زین العابدینؓ کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا، اس مناسبت سے کسی نے آپ کا سن ولادت ۶۶ھ، کسی نے ۶۷ھ اور کسی نے ۶۸ھ تحریر کیا ہے۔ جبکہ دوسری رائے اُن تاریخی بیانات کے تحت قائم کی گئی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ بوقت شہادت حضرت زید شہیدؓ کی عمر مبارک بیالیس سال تھی۔ چونکہ علماء و مورخین کا یہ متفقہ و مصدقہ فیصلہ ہے کہ آپ کی شہادت ۲ صفر ۱۲۲ھ میں ہوئی تھی، اس اعتبار سے آپ کا سن ولادت ۸۰ھ قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ دونوں نظریات کے دلائل اپنی اپنی جگہ اہم ہیں لہذا ہمیں ہر دو نظریات کو تاریخی واقعات و پیش آمدہ حالات کی روشنی میں جانچ کر صحیح صورتحال کا تعین کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں علماء و مورخین کے بیانات کے چند اقتباسات پیش ہیں:

جناب ظفر یاب ترمذی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

”آپ (حضرت زید شہیدؓ) ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت امام

زین العابدینؓ کی شہادت کے وقت آپ ستائیس سال کے تھے“

(تاریخ انوار السادات ص: ۵۳۵)

علامہ سبط ابن جوزی کا بیان ہے کہ:

”وقت شہادت زید کی عمر ۳۲ سال تھی۔ زید اہل مدینہ کے تابعین کے طبقہ کاشہ میں سے تھے۔“ (تذکرۃ الخوارج ص: ۱۶)

جناب ظفر زیدی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

”۸۰ھ میں حضرت حورایا حوریہ کے بطن سے حضرت زید (شہید) پیدا ہوئے۔ (زید شہید ص: ۱۶)

جناب مولانا محمد عباس قمر زیدی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

”حضرت زید بن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی ولادت باسعادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بیت الشرف واقع مدینہ منورہ میں ۶۶ھ اور بعض روایات کے اعتبار سے ۶۷ھ میں بعد طلوع فجر ہوئی۔ جسکی تصدیق جناب مختار علیہ الرحمہ کے والدہ زید شہید کے خدمت امام زین العابدین علیہ السلام میں ارسال کرنیوالی اکثر احادیث سے ہوتی ہے جو اکثر کتب میں تحریر ہیں۔ ان کتابوں میں جناب مختار قاتل ۶۸ھ میں تحریر کیا گیا ہے جو معتبر ہے۔“ (زید شہید بطل رشید ص: ۳۵)

جناب قمر زیدی صاحب نے دیگر کتب میں مرقومہ سن ہائے ولادت کو تحقیقی اعتبار سے ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”علاوہ ازیں بعض کتب مثلاً ’تقریب تہذیب‘ اور حدائق الوردیہ‘ شرح صحیفہ سیدی خاں اور ’روض النضر‘ شرح مجموعۃ الفقہ الاکبر صفحہ: ۵۲ جلد: ۱ طبع مصر ۱۳۱۷ھ اور ’مقتل حسین‘ از خواری جلد: ۲ فصل: ۱۲ میں ۶۵ھ یا جس قدر اور دوسرے سال تحریر کئے گئے ہیں وہ تحقیقی اعتبار سے ضعیف ہیں۔“ (ایضاً)

جناب ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

” (زید شہید) جو ۸۰ھ، ۶۹۹ء میں ایک سندھی خاتون حبیبہ

ہوئے۔ اور ان کی شہادت ۲ صفر ۱۲۲ھ کو واقع ہوئی، اس وقت آپ کی عمر مبارک بیالیس سال تھی۔

مندرجہ بالا بیانات میں علماء و مورخین نے آپ کی ولادت کی بابت دو مختلف ادوار کا تعین کیا ہے۔ پہلا دور ۶۵ھ تا ۶۸ھ کا ہے جس کا تعین، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، جناب مختار کا جناب حوراء کو حضرت امام علی زین العابدینؑ کی خدمت میں ہدیہ کرنے کے واقعہ کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے دور یعنی ۸۰ھ کا تعین کرنے والوں کے پیش نظر حضرت زید شہیدؓ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک رہی ہے۔ علماء و مورخین کثیر کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ کی شہادت ۲ صفر ۱۲۲ھ کو ہوئی۔ لیکن بعض حضرات نے آپ کی شہادت ۲۱ھ میں بھی لکھی ہے، جیسا کہ طبری کا بیان ہے کہ ”واقدی نے حضرت زید کی شہادت ۱۲۱ھ میں بتائی جبکہ ہشام بن محمد نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ماہ صفر ۱۲۲ھ میں پیش آیا۔“ ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ:

”حدثنا علي بن الحسين قال حدثني احمد بن سعيد قال حدثنا يحيى بن الحسن بن جعفر قال قتل زيد بن علي عليه السلام يوم الجمعة في صفر سنة احدى و عشرين و مائة.“
(مقائل الطالبيين ص ۹۸)
ترجمہ:۔۔۔ یحییٰ بن حسن بن جعفر نے بیان کیا ہے کہ زید بن علی علیہ السلام صفر ۱۲۱ھ میں بروز جمعہ قتل کئے گئے۔

ہمارے خیال میں چونکہ آپ کی تحریک جہاد کا آغاز ۱۲۱ھ میں ہوا تھا لہذا عین ممکن ہے کہ اسی سبب یہ سن تحریر کیا گیا ہو۔

مندرجہ بالا بیانات اور پیش آمدہ حالات و واقعات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرت زید شہیدؓ کی ولادت کی بابت پہلی رائے جس بنیاد پر قائم کی گئی یعنی

ابوحزہ ثمالی کی وہ روایت جس میں امام علی زین العابدینؑ نے جناب حوراء کی آمد اور جناب زید کی ولادت کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا اس میں کسی بھی ماہ و سال کا ذکر نہیں ہے۔ اس رائے کے حامیوں نے صرف اس بناء پر یہ سن تحریر کیئے کہ جناب مختار کو ۶۶ھ میں قتل کیا گیا تھا لہذا لکھنے والوں نے اپنے اپنے طور پر یہ سن متعین کر لئے۔ جبکہ دوسری رائے زیادہ قوی ہے یہ نسبت پہلی رائے کے کیونکہ اس میں آپ کی عمر مبارک اور سن شہادت دونوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء بروز جمعہ بوقت فجر مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کی شہادت ۱۲ صفر ۱۲۲ھ مطابق ۴۰ء شب جمعہ کوفہ میں واقع ہوئی۔

تایم لقب و کنیت: آپ کا نام زید تھا۔ یہ نام آپ کی ولادت سے بہت پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا تھا جو درج ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

ابن عساکر نے حضرت حذیفہ یمانیؓ سے روایت بیان کی ہے کہ:

” نظر النبی الی زید بن حارثہ فقال المظلوم من اہلبیتی سمع هذا و المقتول فی اللہ و المصلوب سمی هذا و اشار الی زید بن حارثہ ثم قال اذن منی یا زید زادک اللہ حباً عندی فانت سمی الحبيب من ولدی“ (تہذیب تاریخ الشام ج ۳ ص ۱۸، روض الصغیر ج ۱ ص ۵۸) ترجمہ: ایک مرتبہ حضور سرور کائنات نے زید بن حارثہ کی جانب نظر فرمائی اور کہا کہ میں اپنی امت کے درمیان اپنے اہلبیت میں سے ایک مظلوم و ستم رسیدہ کو راہ خدا میں مقتول اور سولی پر لٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں جو اس کا ہنام ہے، آپ نے دست مبارک سے زید بن حارثہ کی جانب اشارہ کیا اور پھر آپ نے زید سے فرمایا کہ میرے قریب

آء زید! مجھے تیرے نام کی وجہ سے تجھ سے زیادہ محبت ہے کہ تو میرے اہلیت میں سے میرے محبوب شخص کے ہمنام ہے۔ (یعنی زید بن علی بن الحسینؓ سے)۔ (بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۲۳)

دوسری حدیث جو بزرگ صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے اور جسے ”الحدائق الوردیہ“ کے حوالے سے جناب عبدالرزاق الموسوی نے تحریر کیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

”قد دخل علی النبیؐ فراہ بیکی فرق له و ساله عما بکاه فاخبره بان جبرئیلؑ هبط علیه واخبره ان ولده الحسینؑ یولد له ابن یسمی علیاً و يعرف فی السماء زین العابدین و یولد له ابن یسمی زید یقتل شهیداً“
(زید شہید ص: ۹ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ: میں ایک مرتبہ خدمتِ اقدس نبی کریمؐ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضورؐ گریہ فرما رہے ہیں۔ سب دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور مجھے یہ خبر دی ہے کہ آپ کے فرزند حسینؑ کے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام علی ہوگا اور اللہ آسمان اس کو زین العابدین کے نام سے پہچانیں گے، ان کے ایک فرزند ہوگا جس کا نام زید ہوگا۔ اسے قتل کر کے شہید کیا جائیگا۔

(بطل رشید زید شہید ص: ۶۳)

مندرجہ بالا دونوں احادیث سے یہ بات پائیے ثبوت کو پہنچی کہ رسول اللہؐ نے ہدایتِ خداوندی کے مطابق آپ کا نام زید رکھا اور صرف یہی نہیں بلکہ حضرت زید کو مظلوم و مقتول و مصلوب قرار دے کر ان واقعات کی بھی پیشگوئی فرمائی جو ۱۲ھ میں پیش آنے والے تھے۔ نیز آنحضرتؐ نے جناب زید شہیدؓ سے اپنی الفت و محبت کا اظہار بھی فرمایا۔

حضرت زید شہیدؑ کی ولادت کے وقت آپ کے پدر بزرگوار نے قولِ رسولِ مقبول اور قرآنِ حکیم کے فیصلے کے مطابق آپ کا نام زید ہی رکھا جس کی بابت اصحابِ امیر المؤمنین سے ایک روایت مختلف کتب میں اس طرح منقول ہے

”قال كنت على ابن الحسين و كان اذ صلى الفجر لم يتكلم حتى تطلع الشمس فجاءه يوم ولد فيه زيد فبشروه به بعد صلاة الفجر فالتفت الي اصحابه فقال اى شى ترون ان اسمى هذا المولود فقال كل رجل سمة كذا فقال يا غلام على يا لمصحف فجاؤا با لمصحف فوضعه فى حجره ثم فتحه فنظر الى اول حرف فى الورقة فاذا فيه ”و فضل الله المجاهدين على القائدين اجراً عظيماً“ ثم فتحه ثانياً فنظر فاذا اول الورقة ” و ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة يقاتلون فى سبيل الله فيقتلون و يقتلون و عدأ حقاً فى التوراة و الانجيل و القرآن و من اوفى بعده من اوفى بعده من الله فاستبشروا ببيعكم ا لذى يا يعتم به و ذالك هو الفوز العظيم“ ثم قال هو و الله زيد هو و الله زيد فسمي زيد“.

(ناخ التواريخ جلد دوم ذکر تولد زید شہید)

ترجمہ: حضرت امام علی زین العابدینؑ نماز صبح کے بعد سورج طلوع ہونے تک (عبادت میں مشغول ہونے کے باعث) کسی سے گفتگو نہیں فرمایا کرتے تھے لیکن جس دن زید کی ولادت ہوئی اور آپ کو بعد نماز فجر جب خوشخبری دی گئی تو آپ اصحاب کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ بتاؤ اس مولود کا کیا نام رکھا جائے؟ ہر ایک نے

اپنی اپنی جانب سے نام تجویز کئے مگر آپ نے ایک غلام سے قرآن کریم منگوا کر کھولا تو پہلے ورق کی ابتدائی سطر پر یہ آیت مرقوم تھی ” و فضل اللہ..... اجراً عظیماً“ ۱ (یعنی خداوند عالم نے غازیوں کو خانہ نشینوں پر عظیم ثواب کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے) آپ نے قرآن کریم کو بند کر کے دوبارہ کھولا تو پہلے ورق کی سطر اول پر یہ آیت تھی ”ان اللہ اشتری..... ہو الفوز العظیم“ ۲ (یعنی خداوند عالم نے ان مؤمنین کے جان و مال کو جنت کے عیوض خرید لیا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ یہ مؤمنین راہِ خدا میں قتال کرتے ہوئے دشمنانِ خدا کو قتل کرتے ہیں یا خود قتل ہو جاتے ہیں اور یہ وعدہ ہے جو خدا نے حق کے ساتھ توریت میں، انجیل میں اور قرآن میں فرمایا ہے۔ وہ کون ہے جو اللہ سے بہتر اپنے عہد کو پورا کرے) پس امام زین العابدینؑ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم یہ زید ہے میں نے اس مولود کا نام زید رکھ دیا۔ (یہی کچھ بحار الانوار ج ۶: ص ۲۲۳۔

بطل رشید زید شہید ص ۶۷ میں درج ہے)

مفتاح الغیب میں علامہ باقر مجلسیؒ کے بیان کا ترجمہ قمر زیدی صاحب

نے تحریر کیا ہے کہ:

”چونکہ حضرت امام زین العابدینؑ جانتے تھے کہ آپ کے فرزندوں میں سے ایک فرزند کا نام زید ہوگا جو جہاد میں جامِ شہادت نوش کریگا۔ اور ان آیات شریفہ میں جو استخارہ ظاہری ان کی شہادت و جہاد کی جانب واضح تھا اس بنا پر آپ نے اس بچے کا نام زید رکھا۔“ (بطل رشید زید شہید ص: ۶۸)

جملہ مورخین نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت زید شہیدؓ کی کنیت 'ابو الحسین' تھی جو آپ کے فرزند حسین ذوالدمتہ کی نسبت سے مشہور ہوئی۔ آپ کا مشہور ترین لقب 'حلیف القرآن' تھا جو آپ کی پیوستگی و مشغولیت تلاوت قرآن مجید اور غور و خوض کلام الہی کے سبب تھا۔ نیز کثرت عبادت کے باعث آپ کو 'ستون مسجد' بھی کہا جاتا تھا۔

آپ کی بابت شیخ محمد عباس قتی نے تحریر کیا ہے کہ

”سید اجل سید علی خاں در شرح صحیفہ فرمودہ کہ زید بن علی بن الحسین را ابو الحسین کنیت بود و مادرش ام ولد مناقیش (اکثر مہما محصر و بعد) و آں سید و الانب موصوف کحلیف القرآن بودی چہ ہچک گاہ از قرأت کلام مجید بر کنار بودی“۔ (منتخبی الامال ج ۲ ص ۵۷)

ترجمہ: سید اجل سید علی خاں نے شرح صحیفہ میں فرمایا ہے کہ زید بن علی بن حسین کی کنیت ابو الحسین تھی، آپ کی مادر گرامی ام ولد تھیں، چونکہ آپ قرأت قرآن مجید میں ہمہ وقت منہمک رہتے تھے اس لئے حلیف القرآن مشہور تھے۔

سلسلہ نسب: حضرت زید شہیدؓ گلدستہ امامت کے گل چہارم حضرت علی زین العابدین علیہ السلام کے فرزند تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب زید بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم علیہم السلام ہے۔ خانوادہ بنی ہاشم کی بابت اللہ کے رسولؐ کا ارشاد گرامی ہی کہ:

”ان اللہ عزوجل خلق الخلق فاختر من الخلق بنی آدم و اختار من بنی آدم العرب و اختار من العرب مضر و اختار من مضر قریشا و اختار من قریش بنی ہاشم و اختار نی من بنی ہاشم“ (تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۹۸)

ترجمہ: اللہ عزوجل نے خلق کو پیدا کیا تو بنی آدم کو سب مخلوقات پر فضیلت دی اور باقی بنی آدم پر عرب کو ترجیح دی اور عرب سے مضر کو

چن لیا اور مضر سے قریش کو چھانٹا اور قریش سے بنی ہاشم کو ممتاز کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ کیا۔

مندرجہ بالا قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ جل شانہ نے بنی آدم کی تقسیم کرتے ہوئے جملہ بنی نواسان پر بنی ہاشم کو فضیلت دی اور افراد بنی ہاشم میں رسالت مآب گو برگزیدہ فرمایا۔ لہذا ثابت ہوا کہ آل محمدؐ حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی تمام اقوام و قبائل اور خاندانوں میں افضل ترین و معزز ترین ہیں۔ اس خاندان کے بزرگان اپنی شرافت و نجابت، علم و فضل، زہد و تقویٰ، شجاعت و جوانمردی اور تزکیہ نفس کے باعث ملت مسلمہ میں ممتاز ترین مقام پر فائز رہے ہیں۔

حضرت زید شہید علیہ رحمہ عرب کے اسی ممتاز ترین و برگزیدہ خاندان یعنی قبیلہ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے پردادا امام اول حضرت علی علیہ السلام، آپ کے دادا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام، آپ کے پدر بزرگوار بیمار کربلا و اسیر بلا حضرت علی زین العابدین علیہ السلام ہیں۔ آپ کے پردادا حضرت علیؑ کون؟ وہ علیؑ جن کے جد سید البطحا جناب عبدالمطلب، جن کے پدر محترم مومن قریش جناب ابوطالب جن کے عم محترم شہید بدر حضرت حمزہؑ، جن کے فرزندان سردار جوانان جنت حضرت حسن و حسین علیہم السلام۔ وہ علیؑ جنہوں نے آغوش رسول میں آنکھ کھولی اور درگاہ مصطفوی سے تعلیم و تربیت پائی۔ وہ علیؑ جن کی ولادت کعبہ میں اور شہادت مسجد میں ہوئی۔ وہ علیؑ جو اللہ کے ولی بھی ہیں اور محمد کے وصی بھی۔ وہ علیؑ جن کا ذکر بھی عبادت اور جن کے چہرہ پر نظر کرنا بھی عبادت۔ وہ علیؑ جو حیدر کرار بھی ہیں اور غیر فرار بھی۔ وہ علیؑ جو نفس رسول بھی ہیں اور زوج بتول بھی۔ وہ علیؑ جن کی ایک ضربت صقلین کی عبادت

سے بہتر۔ وہ علیؑ جن کی بابت اللہ کے رسولؐ کے بیشمار ارشادات کتب احادیث میں مرقوم و موجود ہیں اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

* ”اے علیؑ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں“ (صحیح بخاری ص ۵۸۰۰ باب ۱۰: جامع ترمذی ص ۳۶۱۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۲۰۔ مستدرک ص ۳۷۰ ج ۳ وغیرہ)

* ”علیؑ کو میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی“ (صحیح بخاری ص ۳۸۷۰ باب ۱۲: صحیح مسلم ص ۲۷۸ ج ۲۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۲۔ اسد الغابہ ص ۲۵ ج ۳)

* ”علیؑ کو میرے ساتھ وہ رشتہ ہے جو سر کو جسم کے ساتھ ہے“

(جامع صغیر ص ۵۶، ریاض النضرہ ص ۱۶۳ ج ۲)

* ”علیؑ مجھ سے وہ رشتہ رکھتا ہے جو روح کو جسم سے ہوتا ہے“

(انتخاب از کنز العمال ص ۶۲)

* ”علیؑ اور میں ایک ہی شجر سے ہیں“

(کنز الحقائق ص ۷۱)

* ”علیؑ تم میرے سب سے مخلص دوست اور میرے امین ہو“

(ازالہ الخفاء ص ۲۶ مقصد دوم)

* ”علیؑ اور میں تمام انسانوں کیلئے حرف آخر ہیں“

(کنز الحقائق ص ۷۱)

* ”اے علیؑ خوش ہو کہ تمہاری حیات و موت میرے ساتھ ہے“

(انتخاب از کنز العمال ص ۳۳)

* ”اے اللہ حق کو ادھر پھیر دے جدھر علیؑ جائیں“

(جامع ترمذی ص ۳۶۰۔ مشکوٰۃ ص ۱۲۹ ص ۸)

* ”علیؑ میرے علم کا خزانہ ہے“

(کنز الحقائق ص ۶)

* ”علیؑ ایسے اچھے حاکم ہیں جیسا میں ہوں“

(انتخاب از کنز العمال ص ۳۱)

* ”میرے فرائض یا تو میں خود ادا کر سکتا ہوں یا صرف اکیلے علیؑ میرے

عیوض ادا کر سکتے ہیں“

(سنن ابن ماجہ ص ۱۲۔ جامع ترمذی ص ۳۶۱)

* ”علیؑ کی ضربت عمر ابن عبدود پر روزنی ہے تمام جن و انس کی عبادت سے“

(مستدرک ص ۳۲ ج ۳)

* ”(علی) تم میرے دنیا اور آخرت میں معاون و مددگار ہو۔“

(مندانج طبل ص: ۳۳۰ ج: ۱۔ از لہ الخفا ص: ۱۵۲ مقصد دوم)

پس یہ امر مصدقہ و مسلمہ ہے کہ حضرت زید شہیدؑ کا پدری نسب اپنی نجابت و شرافت کے اعتبار سے بے مثل و بے نظیر ہے۔

مادری نسب: حضرت زید شہید کی مادر گرامی کا نام حوراء تھا مگر بعض مورخین نے اس کے علاوہ بھی نام لکھے ہیں مثلاً کسی نے غزالہ، کسی نے لطیفہ اور کسی نے ام ولد ہی کو نام قرار دیدیا ہے۔ یہ سب نام خیالی ہیں کیونکہ ابو حمزہ ثمالی کی روایت جو متعدد کتب میں منقول ہے اس سے بالکل واضح ہے کہ امام علی زین العابدینؑ نے جب ان معظّمہ سے نام دریافت کیا تو انہوں نے اپنا نام حوراء ہی بتایا تھا لہذا اکثر مورخین نے ان معظّمہ کا نام حوراء یا حور یہ لکھا ہے۔

ان معظّمہ کی بابت مشہور قول یہ ہے کہ انھیں مختار بن ابو عبیدہ ثقفی نے تیس ہزار درہم میں خرید کر اور ان کے اوصاف حمیدہ و افعال پسندیدہ کے پیش نظر حضرت علی زین العابدینؑ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ امام نے ان معظّمہ کو شرف زوجیت بخشا۔ ان کے بطن مبارک سے امام کے فرزند ان زید، عمر، علی اور ایک دختر خدیجہ تولد ہوئے۔ بحار الانوار اور ناخ التواریخ کے مطابق زید اور عمر جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ جناب حوراء سے متعلق چند اقتباسات پیش ہیں:

ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ:

”و زید بن علی بن الحسن بن علی بن ابیطالب و

یکنی ابا الحسن و امہ ام ولد اہلہا المختار بن ابی

عبیدہ لعلی بن الحسن فولدت لہ زیداً و عمرو علیاً و

(مقاتل الطالین ص: ۸۶)

خدیجہ“

ترجمہ: اور زید بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب جن کی کنیت ابوالحسین تھی اور ان کی والدہ کنیز تھیں جنہیں مختار بن ابوعبیدہ نے جناب علی بن حسین کو بدیہ کیا تھا۔ ان سے زید، عمر، علی اور خدیجہ پیدا ہوئے۔

ایک دوسری روایت ابوالفرج اصفہانی نے اس طرح بیان کی ہے کہ:

حدثني محمد بن الحسين الخثعمي وعلي بن ا
لعياص قالا : حدثنا عباد بن يعقوب قال : حدثنا ا
لحسين بن حماد اخو الحسن بن حماد قال : حدثنا
زياد بن اسندر قال اشترى المختار بن ابي عبيدة
جارية بثلاثين الفاً فقال لها : ادبري . فأدبرت ، ثم
قال لها : اقبلي . فأقبلت ثم قال : ما ادري احداً احق
بها من علي بن الحسين فبعث بها اليه ، وهي ام زيد
بن علي .“ (مقاتل الطالبين ص: ۸۶)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ زیاد بن منذر نے کہا کہ مختار بن ابوعبیدہ نے ایک کنیز کو تیس ہزار درہم میں خریدا اور اس سے کہا ذرا پیچھے کی طرف مڑ جاؤ تو وہ مڑ گئی۔ پھر کہا کہ ذرا آگے بڑھو، وہ آگے بڑھ گئی۔ پھر کہنے لگے کہ اس کے سب سے زیادہ حق دار امام علی بن الحسین علیہ السلام نظر آتے ہیں چنانچہ یہ کنیز جناب امام علیہ السلام کے پاس بھیج دی اور یہی جناب زید کی والدہ ہیں۔ (بخاری الانوار ج: ۶ ص: ۲۳۹)

آغا محمد سلطان مرزا دہلوی لکھتے ہیں کہ:

”زید کی والدہ ام ولد تھیں جنہیں مختار بن ابوعبیدہ نے تیس ہزار درہم میں خریدا کر جناب علی بن الحسین کو ہبہ کی تھیں۔ ان کے چار اولادیں ہوئیں۔ زید، عمر، علی اور خدیجہ۔ ان میں سب سے بڑے زید تھے“
(نور المشرقین من حیات الصادقین ص: ۲۷۷)

ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب نے لکھا ہے کہ:

”آپ (زید شہید) کی والدہ ہاشمیہ ہونے کے بجائے سندھ کے کسی خاندان کی فرد تھیں جنہیں مختار ثقفی نے خدمتِ امام زین العابدینؑ (علی بن حسینؑ) میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر حضرت امام کی تیسری زوجہ قرار پائی تھیں۔“

(ساداتِ باہرہ تاریخ کے مدو جز میں ص ۱۱۳)

ایک شبہ کا ازالہ: حضرت زید شہید کی مادر گرامی جناب حوراء کے ام ولد یعنی کنیز ہونے کی بنا پر بعض کج فہم، کوتاہ نظر اور متعصب قلب کے مالک افراد اُن معظّمہ کے رتبہ عالی کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں اور عمومی انداز میں غلامی و کنیزی کے پست تصور کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت زید شہیدؓ کے مادری نسب کو کمتر جانتے ہیں۔ حضرت زید شہیدؓ کو ایک مرتبہ حاکم وقت ہشام بن عبد الملک نے تحقیر آمیز انداز میں کنیز زادہ کہا تھا تب آپ نے بھرے دربار میں اُس کا جواب دیتے ہوئے اپنی مادر گرامی جناب حوراء کو مادر حضرت اسمعیلؑ جناب ہاجرہ سے تشبیہ دی تھی جو ایک تاریخی مشابہت ہے۔ آپ کا جواب سکر ہشام دم بخود رہ گیا۔ آج بھی کچھ لوگ جن میں اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی، دبی زبان سے ایسے ہی کلمات ادا کرتے رہتے ہیں۔ لہذا ہم یہاں اُن تنگ نظروں کی نظریں وا کرنے کیلئے غلامی و کنیزی کی بابت مختصر آٹھریں کر رہے ہیں۔

غلامی کا رواج: تاریخ کی کتابوں میں جہاں کہیں بھی غلامی پر گفتگو کی گئی ہے وہاں اس لفظ سے مراد مرد اور عورت یعنی غلام اور کنیز دونوں لئے گئے ہیں۔ غلامی کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی متعدد ممالک میں کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔ زمانہ قدیم میں غلامی کو ایک منافع بخش کاروبار کے طور پر پیشتر اقوام نے اپنایا ہوا تھا۔ عہد جاہلیت میں عرب دنیا

میں اسکا رواج عروج پر تھا۔ حتیٰ کہ اسلام جیسے فطری مذہب کو بھی غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دینا پڑا۔ گو کہ اسلام نے اُن کے ساتھ حُسن سلوک کی ترغیب دی، اُن کو آزاد کرنے کے مختلف طریقے بتائے اور اس عمل کو کارِ خیر اور کارِ ثواب قرار دیا۔ جبکہ دیگر اقوام و مذاہب میں غلامی کو معاشرتی ضرورت سمجھ کر اس کا رواج کی حوصلہ افزائی کی جاتی رہی۔ زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی غرض سے غلاموں اور کنیزوں کو ایک خطہ سے دوسرے خطے میں بطور مال تجارت لیجایا جاتا تھا۔ کنیزوں کی قیمت کا تعین ان کی شکل و صورت، خاندانی شرافت و عظمت اور حیاء و عصمت کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

چونکہ اُس زمانہ میں مختلف اقوام و قبائل کے درمیان جنگوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا تھا اور فاتح قوم غلبہ حاصل کرنے کے بعد مفتوحہ قوم و قبیلے کے افراد پر ہر قسم کے ظلم و ستم کو اپنا اخلاقی و قانونی حق جانتی تھی لہذا وہ عوام کے علاوہ خواص یعنی رؤساء و امراء اور حکمران خاندانوں کے افراد کو بھی اسیر کر کے غلام و کنیز بنا لیتے تھے اور پھر انھیں فروخت کیلئے بازاروں میں پہنچا دیتے تھے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ فروخت ہوئی والا ہر غلام یا ہر کنیز پست خاندان یا بے عصمت ہو۔

غلامی کی بابت جسٹس امیر علی نے ایک پورا باب (Chapter) لکھا ہے جس میں ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ:

" The practice of slavery is co-eval with human existence. Historically its traces are visible in every age and in every nation. Its germs were developed in a savage state of society and it continued to flourish even when the progress of material civilisation had done away with its necessity.

The Jews, the Greeks, the Romans, and the ancient Germans -- people whose legal and social institutions have most effected modern manners and customs -- recognised and practised both kind of slavery, praedial servitude as well as household slavery."

(The Spirit of Islam P. 259)

ترجمہ: غلامی کا رواج انسانی وجود کے ساتھ ہی سے موجود ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کے اثرات ہر دور اور ہر قوم میں نظر آتے ہیں۔ اس کے جراثیم معاشرے کی وحشی ریاست میں پروان چڑھے اور جاری رہے حتیٰ کہ تمدنی تہذیب کی ترقی نے اس کی ضرورت میں کمی کی۔ یہودی، یونانی، رومی اور قدیم جرمن عوام جن کے قانونی و معاشرتی ادارے جدید طریقوں اور رواجوں سے بہت زیادہ متاثر تھے ان میں بھی غلامی کی دونوں اقسام یعنی جنگی و خانگی غلامی کو تسلیم کیا گیا اور رائج رکھا گیا۔

یونان کے فلاسفہ نے نوع انسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک پیدائشی آزاد اور دوسرے پیدائشی غلام۔ اُن کے خیال میں دوسری قسم صرف پہلی جنس کی خدمت کیلئے پیدا کی گئی تھی۔ ریاست کے سخت جسمانی کام جنہیں سوسائٹی نہیں کر سکتی تھی یا کرنا نہیں چاہتی تھی، غلام انجام دیتے تھے۔ ارسطو نے غلامی کے رواج کو سوسائٹی کیلئے ضروری قرار دیا تھا۔

یہودیوں نے بھی غلاموں کی دو قسمیں بنا رکھی تھیں۔ ایک قسم تو اُن یہودیوں کی تھی جو کسی مذہبی جرم یا قرض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے غلام بنائے جاتے تھے۔ دوسری قسم اُن غیر اقوام کی تھی جو جنگی قیدیوں کی شکل میں گرفتار کر کے غلام بنائے جاتے تھے۔ یہ دوسری قسم کے غلام اُن کے گھروں کا کام، محفلوں کے چھوٹے بڑے کام اور کاشتکاری وغیرہ کرتے تھے۔ یہ غلام سوسائٹی میں نہایت ذلت کی زندگی میں اپنے دن پورے کرتے تھے۔

دیگر اقوام کی طرح عربوں میں بھی غلامی کا رواج موجود تھا۔ عربوں میں غلاموں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ عہد جاہلیت میں غلاموں کی خرید و فروخت قریش کی غیر معمولی ثروت کا اہم ذریعہ تھی۔ اس دور میں غلاموں کا سب سے مشہور تاجر عبداللہ بن جدعان تھا۔ جس کی تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا اور بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا تھا۔ عربوں میں غلام کی اولاد بھی غلام تصور کی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں غلام تمام تمدنی و معاشرتی حقوق سے محروم ہوتے تھے۔

اسلام نے صرف جہاد، جو خدا کے نام اور دین کی سر بلندی کے لئے کیا گیا ہو، کے جنگی قیدیوں کو غلام قرار دیا اور ان سے منصفانہ برتاؤ اور شفقت و مہربانی سے پیش آنے کی ہدایت کی۔ قرآن مجید میں بہت سی آیات اس ضمن میں موجود ہیں مثلاً وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ط۔ ترجمہ: اور اپنے زر خرید لوٹڈی غلام کیساتھ احسان کرو۔ یا مثلاً وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ط۔ ترجمہ: اور تمہارے لوٹڈی غلاموں میں سے جو مکاتب * ہونے کی خواہش کریں تو تم اگر ان میں کچھ صلاحیت دیکھو تو ان کو مکاتب کر دو۔

* مکاتب کے معنی ہیں کہ غلام اور مالک میں باہم یہ اقرار ہو جائے کہ اتنی رقم ادا کر دینے پر لوٹڈی غلام آزاد ہو جائیگا۔ اس کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ جتنی رقم ادا کرتا جائے اتنا آزاد ہوتا جائیاس کو مکاتب متعلق کہتے ہیں۔ دوسری حالت یہ کہ جب تک کل رقم ادا نہ کرے کچھ بھی آزاد نہ ہوگا۔ اس کو مکاتب مشروط کہتے ہیں۔ چونکہ غلامی ایک عذاب ہے لہذا مسلمانوں کو اس چھکارا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ سورہ نساء آیت: ۳۶، ۲۔ سورہ نور آیت: ۳۳،

يَا مَثَلًا فَا نَكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اَتُوهُنَّ اَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
مُحَصَّنَاتٍ غَيْرِ مُسْفَحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ ۱ ترجمہ: پس (بے تامل)
ان کے مالکوں کی اجازت سے لونڈیوں سے نکاح کرو اور ان کا مہر حسن سلوک
سے دیدو مگر ان ہی لونڈیوں سے (نکاح کرو) جو عفت کیساتھ تماری پابند رہیں
اسلام نے اسی طرح غلامی سے نجات کی بہت سی راہیں متعین کیں ہیں۔

اسلام میں غلامی کی سب سے اہم وجہ جنگ میں اسیری تھا۔ شریعت
اسلامی میں کسی مسلمان مرد یا عورت کو کسی حالت میں بھی غلام یا کنیز بنانا جائز
قرار نہیں دیا۔ گرفتاری کے بعد ان غیر مسلم قیدیوں کے انجام کی تین صورتیں تھیں
یعنی قتل کیا جانا، فدیہ کی رقم دیکر رہائی حاصل کرانا یا بلا فدیہ آزاد کر دیا جانا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے قبضہ میں اس کثرت سے
غلام و کنیز تھے کہ بعض کے پاس سینکڑوں کی تعداد موجود تھی۔ اسلام نے غلاموں کا
معیار بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھانا نہ رکھا۔ آنحضرتؐ نے غلاموں کے ساتھ
حسن معاشرت کی تلقین فرمائی اور بد سلوکی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ اسلام نے
غلامی کو عارضی قرار دیتے ہوئے لونڈی غلاموں کو حصول آزادی کے بہت سے
مواقع فراہم کئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کی تحقیر و تذلیل اور ان کی
اہانت کی ممانعت فرمائی اور آپ نے اسامہ بن زید کو جو آپ کے ایک نو عمر غلام
تھے، مسلمانوں کے اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جس میں ممتاز اور تجربہ کار صحابہ شامل
تھے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن جناب زینب بنت جحش کا
نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کر دیا اور پھر انکو طلاق ہو جانے کے
بعد آپ نے خود ان سے نکاح کر لیا حالانکہ وہ آپ کے غلام کی بیوی رہ چکی تھیں۔

علاوہ ازیں حضرت جویریہ بنت حارث جو بنی مصطلق کے اسیران جنگ میں سے تھیں اور اپنی قوم کے سردار کی بیٹی تھیں، کنیز کی حیثیت سے ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ یہ صورت ان کی خودداری کے لئے بہت بڑا صدمہ تھی لہذا انہوں نے ثابت بن قیس سے مکاتبت کی درخواست کی اور رسول خداؐ کی خدمت میں مالی امداد کیلئے حاضر ہوئیں۔ اُس وقت ان کے دل میں اسلام سے جو بغض و نفرت موجود تھی اس کے پیش نظر آنحضرتؐ نے یہ موقع مناسب جانا اور انھیں مکاتبت کے مال کی معین رقم دیدی اور مزید تالیف قلب کے لئے ان سے نکاح کی درخواست کی جسے انہوں نے بھد عزت قبول کیا۔

عہد رسالتمآب کے بعد زمانہ خلافت راشدہ اور حکومت بنی امیہ و بنی عباس میں مذہب کے نام پر جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان میں جو عورتیں مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگیں وہ بلا لحاظ قوم، قبیلہ اور خاندان ام ولد، جا ریہ، کنیز، لونڈی و باندی وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہوئیں۔ ان کی نسلی و نسبی وابستگی کو ملحوظ رکھے بغیر انہیں بازاروں میں فروخت بھی کیا گیا اور بطور ہدیہ و نذرانہ دوسروں کو بخش بھی دیا گیا۔ ایسی صورت میں ہر کنیز کو پست قوم اور ادنیٰ خاندان کی حقیر عورت تصور کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

حضرت زید شہیدؓ کی مادر گرامی کا کنیز ہونا آپ کی شرافتِ نسلی اور مرتبہ عالی میں کسی طور بھی حارج نہیں ہوتا ہے۔ آپ کے بلند مرتبہ ہونے کیلئے یہی امر کافی ہے کہ امام علی زین العابدین علیہ السلام نے آپ کو شرف زوجیت بخشا۔ تاریخ اسلام میں صرف حضرت زید شہیدؓ کی مادر گرامی ہی کنیز نہ تھیں بلکہ مسلم معاشرے میں بہت سے عالی مرتبہ افراد اور حکمران کنیزوں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حتیٰ کہ چند ائمہ معصومین علیہم السلام کی مادران گرامی بھی کنیز تھیں۔

جہان تک قریش مکہ کا تعلق ہے تو فتح مکہ کے وقت جتنے بھی کفار ان لوٹے تھے سب کے سب جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ لوٹے وغلام تھے کیونکہ فتح ہونے کے بعد جنگ کے مروجہ اصول کے مطابق فاتح قوم یعنی مسلمانوں کا یہ حق تھا کہ وہ مفتوحہ قبائل یعنی کفار ان قریش کے مردوزن کو لوٹے وغلام بنالیں مگر اللہ کے حبیب نے خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد مجمع پر نظر ڈالی تو آپ کے سامنے بڑے بڑے جباران قریش موجود تھے۔ انکی بدسلوکیاں، گستاخیاں اذیتیں بھی آپ کے پیش نظر تھیں لیکن سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کرم و عنایت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ”لَا يَشْرِيْبُ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ اذْهَبُوا فَانْتُمْ الطَّلِقَاءُ“ یعنی: تم پر آج کے دن کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اس طرح اللہ کے رسول نے قریش مکہ کے ان تمام مردوزن کو آزاد کر دیا جو فتح مکہ کے دن شکست سے دوچار ہوئے تھے۔ انہی معافی یافتگان میں ابوسفیان اور ان کا خاندان بھی تھا۔

بقول مسعودی بنو عباس کے حکمرانوں میں سے بہت سے حکمران کینروں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مثلاً مامون الرشید کی ماں ایک ایرانی لونڈی تھی، معصم کی ماں ترکی باندی تھی، متوکل کی ماں رومی کنیز تھی، مقتدر اور ملکشہ کی ماںیں رومی یا خوارزمی لونڈیاں تھیں، مطیع کی ماں صفلی کنیز تھی۔

اسی طرح آئمہ اہلبیت علیہم السلام میں سے بھی چند کی امہات کیلئے اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جیسے کہ حضرت امام علی زین العابدینؑ کی مادر گرامی جناب شہر بانو جو ایرانی شہنشاہ یزدجرد کی دختر تھیں، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی والدہ ماجدہ حمیدہ خاتون جو برقوم سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت امام علی رضاؑ کی والدہ محترمہ نجمہ خاتون عرف ام البنین اشراف عجم سے تھیں،

حضرت امام محمد تقیؑ کی مادر گرامی خیزران خاتون عرف سیکینہ ام المؤمنین ماریہ قبطیہ کے قبیلے سے تھیں حضرت امام علی نقیؑ کی والدہ محترمہ سمانہ خاتون بھی کسی مغربی ملک سے لائی گئی تھیں، حضرت امام حسن عسکریؑ کی ام محترمہ حدیثہ خاتون بھی کسی مغربی ملک سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت امام محمد مہدیؑ عجل اللہ فرجہ کی مادر گرامی نرجس خاتون بنت یثوعا ابن قیصر روم تھیں جن کو حضرت امام علی نقیؑ نے بشیر ابن سلیمان بردہ فروش سے خرید فرمایا تھا۔^۱

مندرجہ بالا مثالیں پیش کرنے سے ہمارا مقصد کسی کی تذلیل کا پہلو اجاگر کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ مثالیں صرف اور صرف اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ وہ کوتاہ نظر جو حضرت زید شہیدؑ کی مادر گرامی قدر کے کنیز ہونے پر زبان کھولتے ہیں وہ اپنی اصلاح کریں۔ ان میں بیگانے بھی ہیں اور اپنے بھی۔ بیگانے اپنے بزرگوں کی ماؤں پر نظر ڈالیں اور اپنے ان برگزیدہ ہستیوں کی امہات کے کنیز ہونے کو مد نظر رکھیں۔ ہمارے نزدیک تو امہات آمنہ معصومین علیہم السلام کے کنیز ہونے سے ان کی عظمت و بزرگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح حضرت زید شہیدؑ کی مادر گرامی کے کنیز ہونے سے ان کی شرافت و جلالت متاثر نہیں ہوتی۔

عظمت جناب حوراء: حضرت زید شہیدؑ کی والدہ ماجدہ کے حسن اخلاق و حیا، نجابت و شرافت، نسبی و خاندانی بلندی وغیرہ کا اندازہ چند درج ذیل واقعات و بیانات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

(۱) بوقت خریداری جناب مختار نے ان معظّمہ میں جو اوصاف مشاہدہ کئے انکے پیش نظر بے ساختہ بول اٹھے کہ ”ان کا مستحق علی بن حسینؑ سے بہتر کوئی اور نہیں“ یعنی یہ خاتون ہر اعتبار سے امام وقت کی زوجیت کی اہل ہیں۔

۱۔ ماخوذ از منہی الامال اور چودہ ستارے۔

(۲) ابو حزہ ثمالی سے حضرت امام علی بن الحسینؑ نے اپنا وہ خواب بیان فرمایا جس میں پختن پاکؑ نے خلد بریں میں جناب حوراء سے آپؑ کا نکاح کیا۔
 (۳) حضرت امام محمد الباقرؑ نے ان معظّمہ کی بابت ارشاد فرمایا ”لقد انجبت امہ ولد تک یا زید“ یعنی کس قدر نجیب و شریف ہے وہ ماں جس سے اے زید تم جیسا بچہ پیدا ہو۔

(۴) والدہ محترمہ جناب عبداللہ بن حسن ثنیٰ جناب فاطمہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ ”زید کی ماں غیر کف سے آنے والی بیبیوں میں بہترین بی بی ہیں“ ابن اثیر نے اس بیان کو اس طرح لکھا ہے کہ ”وہ بہترین عورت تھیں جو ہماری قوم میں داخل ہوئیں۔“

(۵) ہشام بن عبدالملک کے بھرے دربار میں جب آپ کی مادرِ گرامی کو کنیزی کا تعنہ دیا تو خود حضرت زید شہیدؑ نے اپنی مادرِ گرامی کو حضرت اسمعیلؑ کی والدہ محترمہ جناب ہاجرہؑ سے تشبیہ دی۔ جو ایک تاریخی حقیقت ہے۔

تعلیم و تربیت: یہ امر حقیقت ہے کہ خانوادہ رسالت کے افراد کی پرورش کے ساتھ ساتھ ہی ان کے بزرگانِ دینی و دنیاوی تعلیم دیتے رہتے تھے اور ایامِ آغوش ہی سے مستقبل کے اسرار و رموز سکھاتے رہتے تھے۔ چونکہ آئمہ معصومین علیہم السلام کا علم اکتسابی نہیں بلکہ وہی ہوتا ہے یعنی وہ منجانب اللہ زیورِ علم سے آراستہ ہوتے ہیں لہذا انہیں کسی انسان سے اکتسابِ علم کی حاجت نہیں ہوتی جبکہ دیگر تمام افراد کا علم اکتسابی ہوتا ہے لہذا انہیں کسی نہ کسی سے علم حاصل کرنا پڑتا ہے۔ خانوادہ رسالت کے بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت خاندانی روایات کے عین مطابق کی جاتی تھی۔

حضرت زید شہیدؑ کی ابتدائی تعلیم و تربیت نبی اکرمؐ کی قائم کردہ درسگاہ میں امام چہارم حضرت علی زین العابدینؑ کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ امامؑ نے اپنے

فرزند کی تعلیم میں دینی علوم پر خصوصی توجہ فرمائی یعنی قرآن، حدیث، فقہہ اور کلام کی تعلیم کو ایسی مستحکم بنیادوں پر استوار فرمایا کہ آنے والے وقت میں ان جیسا عالم شاید ہی کوئی ہو۔ پدر محترم کی شہادت ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ کے بعد حضرت زید شہیدؒ اپنے برادر بزرگ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے زیر تربیت فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی تعلیم سے فیضیاب ہوتے رہے۔ مشفق و مہربان بھائی کی شہادت ۷ ذی الحجہ ۱۱۲ھ کے بعد آپ اپنے بھتیجے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے معرف و اسرار کے رموز حاصل فرماتے رہے۔

اس طرح حضرت زید شہیدؒ تین آئمہ معصومین علیہم السلام کے چشمہ فیضان سے فیضیاب ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انہی آئمہ معصومین کے زیر سایہ گزارا۔ ویسے بھی نبی کا گھرانہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثل آپ تھا۔ ایسے ماحول میں تربیت پانے والا انسان بلاشبہ عظیم المرتبت ہی ہونا چاہئے۔ یہ آئمہ اہلبیت کی تعلیم و تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت زید شہیدؒ مرکز علم و عرفان، سرچشمہ زہد و تقویٰ اور منبہ جو د و سخا تھے۔ فصاحت و بلاغت، ذہانت و ذکاوت، سیادت و شجاعت، سخاوت و دیانت اور حاضر جوابی و صاف گوئی آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔

آپ کی ان تمام موروثی و صوری خصوصیات کے باوجود بعض مورخین یہ منفی تاثر پھیلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ حضرت زید شہیدؒ نے دیگر افکار کے ماہرین سے علم حاصل کیا۔ مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”اس زمانہ میں جن جن چیزوں کو علم سمجھا جاتا تھا اور ان کے ماہرین جہاں کہیں پائے جاتے تھے حضرت زید شہید کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے آپ نے ان تمام علوم میں ان کے ماہرین سے دستگاہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ بیان کرنے والوں نے یہاں تک

لکھا ہے کہ واصل بن عطا جو اپنے بعض اعتزالی عقائد کی وجہ سے بدنام بھی تھا، آپ اس سے استفادہ کرنے میں نہ جھجکے۔

(امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۴۱)

مولانا صاحب کا یہ ایک خاص انداز بیان ہے جو آپ کی کتاب میں جا بجا نظر آتا ہے۔ ایک طرف آپ نے اپنی اسی کتاب میں حقائق پر مبنی ایسے واقعات بھی تحریر کئے ہیں جن سے حضرت زید شہیدؓ کے حقیقی اوصاف واضح ہوتے ہیں اور جنہیں دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے جبکہ دوسری طرف اس قسم کے تعریفی انداز میں تحقیر آمیز بیانات بھی رقم کئے ہیں جو مولانا موصوف کے خیال و قیاس پر مبنی ہیں جسکی مثال مندرجہ بالا اقتباس ہے۔ اگر قارئین اس اقتباس پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ مولانا صاحب نے نہایت ہوشیاری سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ آپ نے تمہید باندھنے کے بعد یہ باور کرانا چاہا کہ زید شہیدؓ نے واصل بن عطا سے موتزلی عقائد کے کلیات سیکھے۔ حضرت زید شہیدؓ کی وہ کونسی سوانح حیات ہے جس سے موصوف کو یہ معلومات حاصل ہوئیں؟ اور وہ کون سے بیان کنندگان ہیں جنہوں نے یہ بہتان باندھا؟ مولانا صاحب نے کوئی حوالہ تحریر نہیں فرمایا۔ بہر حال مولانا صاحب کے اس انداز بیان سے حضرت زید شہیدؓ کی تذلیل کا پہلو نکلتا ہے۔

در آنحالیکہ مولانا صاحب اپنا نسبی سلسلہ حضرت زید شہیدؓ تک پہنچاتے ہیں جسکی تفصیل جناب سید نجم الحسن فضلی صاحب نے اپنی کتاب ”اشراف عرب“ میں تحریر کی ہے اور مولانا کا شجرہ نسب بھی شامل کتاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ کا تعلق بہار میں آباد زیدی الواسطی سادات کی جاگیر ی شاخ سے ہے۔ مولانا صاحب کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی نسبی قرابت کو بھی ملحوظ رکھا اور اپنے عقیدے کے احترام کو بھی برقرار رکھا ہے۔ بہر حال یہ مسلمہ

حقیقت ہے کہ عقیدہ بدلتا رہتا ہے جبکہ نسب نہیں بدلتا اگر کوئی اپنا نسب تبدیل کر لے تو وہ مجہول النسب کہلاتا ہے۔

جہاں تک جناب ابوحنیفہؒ کے آئمہ اہل بیت سے علمی استفادہ کے حصول کا تعلق ہے تو یہ حقیقت مورخین کی تسلیم شدہ ہے کہ آپ نے اپنے ہم عصر آئمہ اہل بیت یعنی امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے فیض حاصل کیا مگر پھر بھی ابن تیمیہ جیسے لوگ اس کے منکر ہیں۔ جیسا کہ مولوی شبلی صاحب نے تحریر کیا ہے:

” ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے اُن (امام محمد باقرؑ) کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت نادر باتیں حاصل کیں، شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ حضرت مجددہ کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت۔ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلیت کے گھر سے نکلے اور صاحب البیت ادری بما فیہا“ (سیرۃ النعمان ص ۳۸)

بہر حال یہ امر مصدقہ ہے کہ حضرت زید شہیدؑ کی تعلیم و تربیت در سگاہ اہلیت ہی میں ہوئی۔ آپ نے کسی غیر سے کبھی بھی حصول علم کیلئے رجوع نہیں کیا۔ البتہ ہزاروں افراد اخذ فیوض اور حصول علم کی خاطر آپ سے رجوع کرتے تھے۔

ایسے ہی افراد میں بہت سے وہ مشاہیر بھی تھے جنکا قول ہے کہ ”امام ابوحنیفہ نے علم و طریقت کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام و حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور انکے چچا زید بن علی بن الحسین علیہ السلام سے حاصل کیا“۔^۱ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ”ابوحنیفہ نے شرف شاگردی زید بن علیؑ میں دو سال تک علم حاصل کیا اور یہ ظاہر بظاہر ان کی خدمت میں اس وقت تک آتے رہے جب تک کہ بنو امیہ کے سلطان نے منع نہ کر دیا“۔^۲

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ

” (زید بن علی) اپنے وقت کے بڑے جلیل القدر عالم، فقیہ اور متقی و صالح بزرگ تھے۔ اور خود امام ابوحنیفہؒ نے بھی ان سے علمی استفادہ کیا تھا۔“
(خلافت و ملوکیت ص ۲۶۶)

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ حضرت زید شہیدؓ کی ابتدائی تعلیم و تربیت درساگاہ مصطفوی میں ہی ہوئی۔ آپ نے کبھی کسی غیر سے رجوع نہیں کیا۔ شکل و شباهت: ویسے تو خاندان بنی ہاشم کے سب ہی بزرگ خوش شکل اور خوب رو گزرے ہیں مگر حضرت زید شہیدؓ کا حسن و جمال غیر معمولی تھا۔ جناب عبدالرزاق موسوی نے اپنی کتاب ”زید شہید“ مطبوعہ نجف اشرف میں معتبر کتب مثلاً الحدائق الوردیہ، مقاتل الطالبین، روض النضر وغیرہ کے حوالوں سے حضرت زید شہیدؓ کی شکل و شباهت کی بابت تفصیل سے بیان کیا ہے جس کے اردو ترجمہ کا ایک اقتباس ہم یہاں پیش کر رہے ہیں:

”آپ مجسمہ کمال خلق تھے۔ بلند قد، جمیل النظر، سفید رنگ، خوش شکل، بڑی بڑی آنکھیں، بھٹوں کے کنارے ملے ہوئے، مختصر مگر

گھنی داڑھی، چوڑا سینہ، کشادہ شانے، سینہ پر معمولی بال، بڑی

۱۔ روض النضر ج ۱ ص ۶۶، ۲۔ بطل رشید زید شہید ص ۷۵

پیشانی، بلند ناک، سر اور داڑھی سیاہ لیکن رخساروں کے اطراف
میں چند بال سفید۔ (بطل رشید زید شہید ص: ۶۹)

اس ضمن میں ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ:

”حدثنی احمد بن سعید قال: حدثنا احمد بن یحییٰ
قال: حدثنا الحسن بن الحسن الکندی عن خصیب
الوا بشی قال: كنت اذا رأت زید بن علی رأیت
اساریر النور فی وجهه“ (مقاتل الطالبین ص: ۸۶)
ترجمہ: راویوں کے سلسلہ کے آخری راوی خصیب واپشی سے مروی
ہے کہ جب بھی میں نے جناب زید بن علیؑ کے چہرہ پر نظر ڈالی تو ان
کے چہرے پر نور نظر آیا۔

یہی کچھ علامہ باقر مجلسی نے تحریر کیا ہے! اور اسی بات کو قمر زیدی
صاحب نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ”واپشی کہتا ہے کہ جب کوئی زید کو دیکھتا
تھا تو ان کے چہرہ پر نورانی کرنیں کھیلتی رہتی تھیں“ حضرت زید شہیدؓ کے حسن و
جمال کی بابت شیخ ابو محمد یحییٰ الشافعی کے حوالے سے شرف الدین حسین بن علی احمد
جیسی نے آپ کا سراپا اس طرح بیان کیا ہے کہ:

”کان ابيض اللون اعین مقرون الحاجبین تام الخلق
طویل القامه کث اللحیه عریض الصدر اقنی الانف
اسود الراس و اللحیه الا انه خالطه الشیب فی
عارضیه“ (مقدمہ مرض البصر شرح مجموعہ الفقہ الکبیر ص: ۳۹)
ترجمہ: حضرت زید شہید کا رنگ گورا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں،
دونوں ابرو ملے ہوئے تھے، جسم کی بناوٹ مکمل تھی، دراز قد، داڑھی
گھنی، سینہ فراخ و کشادہ، بلند بینی، داڑھی اور سر کے بال سیاہ،
تھوڑی سی آمیزش سفید بالوں کی دونوں رخساروں کے اطراف میں
ہو چکی تھی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے آپ کی سوری خصوصیات کی بابت تحریر فرمایا ہے کہ:

”حضرت زید کی ان سوری خصوصیتوں میں ان تمام چیزوں کی جھلک پائی جاتی ہے جنہیں نسبتاً ان میں ہونا چاہئے تھا۔ اسی طرح ان کی باطنی صفات میں بین طور پر موروثی آثار کے جلوے نظر آتے ہیں۔ غیر معمولی ذہن و فطین، علم دوست، معارف پرور ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہادر اور نڈرتھے۔“

(امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۶)

موروثی صفات: حضرت زید شہید علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات میں بدرجہ کمال پائے جانے والے اوصاف اور آبائی ورثے کی بابت علمائے تاریخ نے اپنے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے جن سے حضرت زید شہیدؑ کی علمیت و ذکاوت اور زہد و عبادت کا واضح اعتراف ہوتا ہے۔ ایسے ہی بیانات کے چند اقتباسات منقول ہیں:

”سفیان ثوری کا بیان ہے کہ زید اعلم ترین شخصیت تھے مخلوق خدا میں کتاب خالق کے۔ اور انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نقش قدم پر خود کو قائم کیا۔“ (مقتل خواری ج: ۲ ص: ۱۱۰)

مولانا مناظر احسن گیلانی نے حضرت زید شہیدؑ کی بابت حضرت امام ابوحنیفہؑ کے ارشاد اور اپنے خیالات تحریر کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا:

شاهدت زید بن علی کما شاهدت اہلہ فما رأیت فی زمانہ افقہ منہ و لا اعلم و لا اسرع جواباً و لا بین قولاً“ (الروض البصر ص: ۵۰، الخطط المتریج ص: ۳۷)

ترجمہ: میں نے زید بن علی کو دیکھا تھا جیسے ان کے خاندان کے دوسرے حضرات کے مشاہدے کا موقع مجھے ملا۔ میں نے ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ فقیہ اور کسی کو نہیں پایا اور ان جیسا حاضر جواب اور واضح و صاف گفتگو کرنے والا اس عہد میں مجھے کوئی نہیں

ملا۔ اپنے سلسلہ کلام کے آخر میں امام صاحب نے فرمایا لقد کان منقطع القرین: یعنی درحقیقت ان کے جوڑ کا آدمی اس زمانہ میں نہ تھا۔

اس کے بعد مولانا صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرمایا ہے کہ ”امام ہی کیا اس عہد کے بڑوں میں مشکل ہی سے کوئی آدمی نظر آتا ہے جس سے حضرت زید شہید کے متعلق اس قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔ شخصی سے روایت کرنے والوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ زید بن علی سے بہتر بچہ شاید کسی عورت نے پیدا کیا ہو ایسا فقہیہ، اتنا بہادر و قانع، عابد و زاہد مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم اور دینی فہم و فراست کے ساتھ حضرت شہید کی دنیاوی سوجھ بوجھ غیر معمولی طور پر بہتر تھی۔“

(حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۱۳۷)

ابوالقرج اصفہانی کی بیان کردہ روایت کے آخری راوی ابوالجارود کا بیان ہے کہ:

”..... عن ابی الجارود قال : قدمت المدینة

فجعلت كلما سألت عن زید بن علی قیل لی ذاک

حلیف القرآن“ (مقاتل الطالین ص ۸۸)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ میں مدینہ میں آیا اور جس سے بھی جناب زید شہید

کے بارے میں پوچھا تو یہی جواب ملا کہ وہ تو قرآن مجید سے عہد و

یمان رکھنے والے حلیف و ساتھی ہیں۔ (بحار الانوار ج ۶ ص ۲۳۹)

جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت زید شہیدؓ کی

شہادت کی خبر ملی تو امامؑ نے ارشاد فرمایا: ”واللہ میرے چچا ہم لوگوں میں سب

سے زیادہ اللہ کے دین میں سمجھ رکھنے والے اور رشتہ کا خیال کرنے والے تھے“

اور آخر میں امامؑ نے فرمایا ولا ماترک فینا لدنیا ولا للآخرۃ مثلہ یعنی

خدا کی قسم دنیا و آخرت دونوں (کے متعلقہ مسائل) کے لئے انھوں نے ہمارے

خاندان میں اپنا جیسا نہیں چھوڑا۔ گویا حضرت امام جعفر صادقؑ کی جانب سے یہ حضرت زید شہیدؑ کی اس جامعیت کا اعتراف تھا جو آپ کے موردی صفات کا منقشی نتیجہ تھا۔

شہادت سے متعلق پیشگوئیاں: تاریخ کی کتابوں میں حضرت زید شہیدؑ کی شہادت سے متعلق حضرت ختمی مرتبتؑ اور آئمہ معصومینؑ کے متعدد اقوال درج ہیں ان میں سے چند اقتباسات ہم گذشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں اور چند اقتباسات ذیل میں مرقوم ہیں:

جناب ابو حمزہ الثمالی کی بیان کردہ روایت سے حضرت زید شہیدؑ کی مادرِ گرامی کا امام علی زین العابدینؑ سے عقد، حضرت زید شہیدؑ کی ولادت اور حضرت زید شہیدؑ کی بابت امامؑ کی پیشگوئی کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ روایت متعدد کتب مثلاً جناب شیخ صدوقؑ کی مجلس الصدوق و مند، جناب سید ابن طاووس کی فرحۃ الغری، جناب عمر الجعفی کی تفسیر فرات، جناب باقر مجلسیؑ کی بحار الانوار، جناب عبدالرزاق الموسوی کی زید شہید اور ناخ التوارخ وغیرہ میں تفصیلاً وجمالاً منقول و مرقوم ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم روایت بیان کریں مناسب ہوگا کہ ابو حمزہ الثمالی کا مختصر تعارف کرا دیں تاکہ راوی اور روایت کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ جناب ابو حمزہ الثمالی کا نام ثابت بن دینار تھا اور آپ کے فرزند حمزہ کی نسبت سے ابو حمزہ کنیت مشہور تھی۔ آپ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے حلقہٴ درس میں رہے اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے اصحابِ خاص میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ نے ۵۵ھ میں وفات پائی۔ تفسیر کے علاوہ النوادیر الزہد آپ کی تصانیف تھیں۔ آغا محمد سلطان مرزا نے آپ کی بابت تحریر کیا ہے کہ ”ان کا نام ثابت

ابن دینار ہے۔ ان کے تین پسران یعنی منصور، کونج اور حمزہ کو زید شہید کے ہمراہ شرف شہادت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ کونج والونعم ان سے روایت کرتے تھے لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور عثمان کو برا کہتا تھا۔^۱

ناخ التواریخ میں شیخ صدوق^۲ کے حوالہ سے ابو حمزہ ثمالی کی یہ روایت بیان کی ہے کہ ”میں نے ایک مرتبہ سفر حج اختیار کیا بعد فریضہ حج امام علی زین العابدینؑ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ دوران گفتگو امامؑ نے فرمایا اے ابو حمزہ کیا میں تجھ سے اپنا خواب بیان کروں جو میں نے رات ہی دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمائیے۔ تب امامؑ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں بہشت میں ہوں اور وہاں مجھے ایک ایسی حور عطا کی گئی ہے جس سے زیادہ جمیل و زیبا، حسین و خوبصورت میں نے اب سے پیشتر نہ دیکھی تھی بس اس حال میں کہ میں وہیں موجود تھا میں نے ایک آواز سنی کہ گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اے ابوالحسین تمہیں زید مبارک ہو۔“^۳

ابو حمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ جب میں دوبارہ فریضہ حج سے مشرف ہوا اور خدمت امام عالی مقام میں حاضر ہوا تو میں نے دستک دی، کچھ دیر بعد امام علیہ السلام اپنے دست مبارک پر ایک بچے کو لئے ہوئے تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ ابو حمزہ! هَذَا نَأْوِيلُ رَأْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ط^۴ یعنی خداوند عالم نے مجھے حق سے پیوست کیا یہ ہے میرے خواب کی تعبیر۔ میرا یہ بچہ زید ہے۔

جناب عبدالرزاق الموسوی نے اپنی کتاب ”زید شہید“ میں ابن طاووس کے حوالے سے ابو حمزہ ثمالی کی روایت بحذف اسناد اس طرح تحریر کی ہے:

۱۔ نورالمشرقیین من حیات الصادقین ص: ۸۸، بحار الانوار ج: ۶، ص: ۱۹۱

عن ابی حمزه الشمالی قال كنت ازدر علی بن
الحسین كل سنة مرة و قتال حج فاتتة سنة من ذلك
و اذ علی فخذہ صبى فوق علی عتبة الباب فانشج
فونب الیه علی بن الحسین علیه السلام مهر و لا و
جعل ینشف دمه و یقول اعیذک باللة ان تكون
المصلوب بالکناسة قلت بابی انت و امی ای کناسة
قال کناسة الکوفه ، قلت جعلت فلاك و یكون
قالای و الذى یبعث محمداً بالحق نبیاً ان عشت بعدی
لترین هذا للام فى ناحیه من نواحی الکوفه
مقتولاً منبوشاً مسلوباً بمصا . بأ فى الکناسة ثم ینزل و
یحرق و ینزى فى البرق قلت جعلت فداک و ما اسم
هذا للام قال هذا ابنى زید ثم دمعت عیناه و قال الا
احد تک بحديث ابنى هذا بینا انا لیلہ راکعاً و
ساجداً اذ ذهب لى النوم من بعض حالاتی فرئیت کاتى
فى الجنة و کان رسول الله و علیاً و فاطمة و
الحسن و الحسین علیهم السلام قد زوجونى جاریة
من حور العین و اقعتهما و اعتسلت عند سدرة
المنتهی و دلیت و هاتف بهتيف لى لیهنک زید
لیهنک زید فاستقظت فاصبت جنابة فقممت و
تطهرت للصلاة و صلیت صلاة الفجر و فددق الباب
و قبل علی الباب رجل یطلبک فخرجت فاذا الرجل
معاً جاریة ملفوف کما علی بديهه محمرة نجمار
فقلت حاکتک قال اردت علی بن الحسین قلت انا
علی بن الحسین انا رسول مختار بن ابی عبید الثقفى
بقرؤک السلام و یقول وقعت هذه الجارية فى ناجتنا

فاشستر يتها السماء دینار اخری استعن بها علی
 دهرک ودفع الی لتاباً فادخلت الرجل و الجایة
 ماسمک قالت حورا فهو هالی دبت بها عرو سا
 فعلقت بهذا الغلام فسمیة زیداً وهو هذا و اشتری ما
 قلت لك.

(زید شہید، مطبوعہ نجف اشرف بحوالہ بطل رشید زید شہید ص: ۴۱)

سید ابن طاووس کی مندرجہ بالا عربی عبارت کے ہم معنی یہی روایت
 بحالانوار میں منقول ہے جسے ہم یہاں ترجمہ کے طور پر تحریر کر رہے ہیں:
 ابو حمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ: ”زمانہ حج میں حضرت امام زین العابدین علیہ
 السلام کی زیارت کیلئے حاضر خدمت ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں
 زانوں پر دو بچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پس جب میں آپ کے قریب پہنچا تو ان میں
 سے ایک بچہ اٹھا اور دروازے کے قریب گر پڑا، چوٹ لگی اور پیشانی سے خون
 جاری ہو گیا۔ امام عالی مقام فوراً اٹھے اور نہایت پیار سے اس بچے کو اٹھا کر اپنے
 کپڑے سے خون صاف کرنے لگے اور بچے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”میں
 تیرے لئے خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس لئے کہ تو کناسہ کوفہ میں سولی پر لٹکا یا جائیگا
 “میں نے کہا ”میں آپ پر قربان ایسا ہرگز نہ ہوگا“۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا ”
 کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو نبوت کیلئے منتخب فرمایا۔ اگر تو میرے بعد
 زندہ رہا تو دیکھے گا کہ یقیناً میرا یہ بچہ نواح کوفہ کے ایک گوشہ میں قتل کیا جائیگا، اس
 کو دفن کیا جائیگا مگر بعد از دفن اس کی قبر کو شگافتہ کر کے اس کے جسم کو نکالا جائیگا۔
 برہنہ لاش کو زمین پر کھینچا جائیگا اور پھر کناسہ کوفہ میں اس کو سولی پر لٹکایا جائے گا۔
 کچھ عرصہ بعد اس کے جسم کو سولی سے اتار کر جلایا جائیگا، جلے ہوئے جسم کو کوٹا
 جائے گا اور پھر اس کے جسم کی راکھ کو بیابان میں ہوا کی نذر کر دیا جائے گا“۔

ابوحزہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ مولیٰ! اس بچے کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میرا بیٹا زید ہے۔ اس کے بعد امام کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کچھ دیر گریہ فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا اے ابوحزہ! کیا میں تجھ سے اپنے بیٹے زید کی داستان بیان کروں؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمائیے۔ تب امّ نے بیان فرمایا کہ بیشک رات کے وقت جبکہ میں مشغول رکوع و سجود تھا مجھ پر یکا یک ایسی حالت طاری ہوئی کہ مجھے نیند آگئی اور میں نے اس حالت میں اپنے آپ کو بہشت میں پایا جہاں حضرت رسول خداؐ، حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ موجود ہیں۔ پس ان بزرگوں نے ایک کثیر حورالعین سے میری ترویج کر دی اور بعد کو میں نے صدرا لہنتیٰ کے قریب غسل کیا۔ جب میں وہاں سے واپس آیا تو میں نے ایک ہاتھ ٹہنی کی آواز سنی جس نے دو مرتبہ مجھے میرے فرزند زید کے متعلق تہنیت مبارکباد پیش کی۔ میں خواب سے بیدار ہوا اور میں نے فوراً نماز کیلئے طہارت کی نماز صبح پڑھی۔ ابھی کچھ دیر بھی نہ گزری تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دیکھا کہ دروازے پر ایک مرد ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جس نے اپنی آستینوں سے اپنے ہاتھوں کو لپیٹ رکھا تھا۔ اور چہرہ پر پردہ پڑا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ تیری کیا حاجت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ”میں علی بن الحسین سے ملنا چاہتا ہوں“۔ میں نے کہا ”میں ہی علی بن الحسین ہوں“ اس نے کہا ”میں مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کا ایلچی ہوں۔ اس نے آپ کو سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کثیر ہمارے اطراف میں اتفاق سے مل گئی۔ میں نے اس کو چھ ہزار دینار میں خریدا ہے اور مزید چھ ہزار دینار رسالہ خدمت پیش ہیں ان کو مصارف میں صرف فرمائیے“۔ اس کے بعد قاصد نے ایک خط دیا۔ پس اے ابوحزہ شمالی! میں کثیر کو معہ اس مرد کے گھر میں

لے آیا اور خط پڑھ کر اس کا جواب لکھا۔ اس کے بعد میں نے اس کنیز سے نام دریافت کیا۔ اس نے اپنا نام حوراء بتایا۔ میں نے اسے اپنی زوجیت میں لیا۔ جب بچہ تولد ہوا تو میں نے اس کا نام زید رکھا اور یہ وہی بچہ ہے۔ اے ابو حمزہ! بہت جلد ایسا ہوگا جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں تجھ سے بیان کیا ہے۔ ابو حمزہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم مجھے امام کے قول میں قطعاً شبہ پیدا نہیں ہوا بلکہ تھوڑا سا زمانہ گزرا تھا کہ زید کا بیعتہ وہی انجام ہوا جیسا کہ امام سے سنا تھا۔^۱

جناب معمر سے روایت منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

”اے عم مہترم! میں آپ کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں کہ آپ کتنا سہ میں سوئی پر چڑھائے جائیں گے“

(امالی ص: ۴۰۰، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۱۸۹)

علامہ باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

”مجھ سے تو میرے پدربزرگوار نے میرے جد نامدار سے یہ سن کر فرمایا کہ ان کی اولاد میں ایک فرزند ہوں گے جن کا نام زید ہوگا جو کوفہ میں قتل کئے جائیں گے اور کتنا سہ میں سوئی پر لٹکائے جائیں گے اور وہ اپنی قبر سے برآمد ہوں گے تو ان کی روح کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اہل آسمان ان سے خوش و مسرور ہوں گے اور انکی روح ہرے پرندے کے پوٹے میں رکھ دیجائے گی جو آزادی کے ساتھ جہاں چاہے گا جنت میں چلے پھرے گا۔“

(بحار الانوار ج: ۶ ص: ۱۸۹)

یہی روایت دقاق نے حضرت امام زین العابدینؑ سے نقل کی ہے جو

عیون اخبار الرضا ج: ۱ ص: ۲۵۰ میں درج ہے۔

جناب جابر جعفی نے امام محمد باقرؑ سے روایت بیان کی ہے کہ امام نے فرمایا:

۱۔ تفسیر فرات ص: ۷۱ مطبوعہ نجف، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۱۱، بطل رشید زید شہید ص: ۳۹

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسینؑ سے یوں مخاطب ہوئے کہ اے حسین! تمہاری نسل سے ایک فرزند پیدا ہوئے گا جنہیں زید کہا جائیگا وہ اور انکے ساتھی قیامت کے دن لوگوں سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے گذریں گے کہ انکے چہرے روشن اور نورانی ہوں گے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوئے۔“

(مسئد، ج ۱: ص ۳۳۰، بحار الانوار، ج ۶: ص ۱۹۲)

عون بن عبد اللہ جن تک چھراویوں کا سلسلہ پہنچتا ہے بیان کرتے ہیں کہ:

”میں جناب محمد بن حنفیہ کے پاس ان کے مکان کے صحن میں بیٹھا تھا کہ جناب زید بن امام حسن علیہ السلام ادھر سے گذرے۔ جن پر آپ نے ایک نظر ڈالی اور اس کے بعد کہا کہ امام حسینؑ کی اولاد میں ایک فرزند ہوئے گا جن کا نام بھی زید ہوگا وہ عراق میں سوئی پر چڑھائے جائیگا۔ ایسی حالت میں جو بھی ان کی شرمگاہ کو دیکھے اور ان کی مدد نہ کرے تو خداوند عالم اس کے چہرہ کو آتش جہنم میں اوندھا کر دیگا۔“

(امالی، شیخ صدوق، ص ۳۳۵، بحار الانوار، ج ۶: ص ۱۹۱)

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت زید شہیدؓ کی شہادت اور آپ کے ساتھ پیش آنے والے دیگر واقعات کی بابت بہت پہلے پوری تفصیل سے مطلع کر دیا گیا تھا اور آپ کے ساتھ ہو، ہو، ویسا ہی ہوا جیسا کہ معصومین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا تھا۔ آپ کا جہاد کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد حضرت زید شہیدؓ نے عملی قدم اٹھایا تھا۔ لہذا آپ کے جہاد پر اعتراض کرنے والوں اور جہاد نہ کرنے کا مشورہ دینے والوں کی کیفیت بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ حضرت امام حسینؑ کو مشورہ دینے والوں کی تھی۔

زید شہیدؑ اور دربارِ ہشام

اوقاف سے متعلق تنازعہ: اولادِ امام حسنؑ اور اولادِ امام حسینؑ کے مابین اوقاف سے متعلق ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس تنازعہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے اوقاف کی تولیت کے فرائض حضرت امام محمد باقرؑ کے سپرد تھے۔ اولادِ امام حسنؑ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ چونکہ وہ حضرت علیؑ کے بڑے فرزند حضرت امام حسنؑ کی اولاد میں سے ہیں لہذا اوقاف کی تولیت ان کا حق بنتا ہے۔ اسی گمان کے پیش نظر جعفر بن حسن بن امام حسنؑ (حسن ثنیٰ) نے والدیٰ مدینہ ابراہیم بن ہشام مخزومی کے رو برو اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے اس مقدمہ کی پیروی کیلئے اپنے چھوٹے بھائی حضرت زید شہیدؑ کو مقرر فرمایا۔ لہذا اس مقدمہ کی پیروی اولادِ امام حسنؑ کی جانب سے جناب جعفر بن حسن بن امام حسنؑ (حسن ثنیٰ) اور اولادِ امام حسینؑ کی طرف سے حضرت زید شہیدؑ کو رہے تھے۔

طبری کا بیان ہے کہ جویریہ بن اسماء کہتے ہیں کہ میں نے زید بن علیؑ اور جعفر بن حسن بن حسنؑ کی وہ مقدمہ بازی جو حضرت علیؑ کے اوقاف کے متعلق تھی دیکھی ہے۔ زید بن حسینؑ کی جانب سے اور جعفر بن الحسنؑ کی طرف سے مقدمہ لڑتے تھے۔ جعفر اور زید والی (گورنر) کے سامنے ایک دوسرے کے مقابلہ میں

حد سے آگے بڑھ جاتے تھے اور پھر اٹھ جاتے تھے اور جو گفتگو اُن میں ہو چکی ہوتی تھی اُس کا ایک حرف واپس نہیں لیتے تھے۔

جعفر بن حسن ثنی کے انتقال کے بعد انکے بھائی عبداللہ بن حسن ثنی مقدس کی پیروی کرنے لگے۔ اسی دوران ہشام بن عبدالملک نے ۱۱۴ھ میں ابراہیم کومدینہ کی گورنری سے ہٹا کر خالد بن عبدالملک بن حارث بن حکم کومدینہ کا والی مقرر کیا جو ۱۱۸ھ تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ والی مدینہ ابراہیم کے آخری عہد میں شروع ہوا۔ بعد میں خالد کے روبرو پیش ہونے لگا۔ خالد بنی ہاشم کی دشمنی میں شدید تھا۔ وہ اولاد حسن اور اولاد حسینؑ کو آپس میں لڑوا کر تماشہ دیکھا کرتا۔

ایک روز دورانِ بحث جناب عبداللہ نے حضرت زید شہیدؑ سے کہا ”تم ان اوقاف کو لینا چاہتے ہو حالانکہ تم ایک سندھی لونڈی کے بطن سے ہو“ مدائنی کا بیان ہے کہ جب عبداللہ نے زید کے متعلق یہ لفظ کہا تو زید نے جواب دیا: جی ہاں یہ صحیح ہے مگر میری ماں نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد کسی اور سے شادی نہیں کی اور چپ بیٹھی رہی، برخلاف دوسروں کے کہ ان سے صبر نہ ہو سکا۔ مگر پھر زید کو اپنے کہنے پر ندامت ہوئی اور اس بناء پر وہ اپنی پھوپھی سے شرماتے لگے اور ایک زمانہ تک ان کے سامنے نہیں گئے۔ مگر پھر خود انکی پھوپھی نے زید سے کہلا بھیجا کہ: اے میرے بھتیجے! میں اس بات کو جانتی ہوں کہ تم اپنی ماں کو ایسا ہی سمجھتے ہو جیسا کہ عبداللہ اپنی ماں کو سمجھتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ (مادر عبداللہ) نے زید سے کہلا بھیجا کہ اگر عبداللہ نے تمہاری ماں کو بُرا کہا ہے تو تم بھی انکی ماں کو بُرا کہو۔ انہوں نے عبداللہ سے پوچھا کہ تم نے زید کی ماں کو برے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ عبداللہ نے کہا جی ہاں۔ تب فاطمہ نے کہا ”بخدا تم نے بہت بُرا کیا۔ زید کی ماں غیر کفو سے آنے والی بیویوں میں بہترین بیوی تھیں“۔^۱

بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ نے کہا کہ اقطع ان تنا لہا و انت لامۃ سندیہ (تم اس کی خواہش کیسے کر سکتے ہو جبکہ تم ایک سندھی عورت کے بطن سے ہو)۔ اس عار دلانے پر بجائے خفا ہونے کے تضاحک زید (حضرت زید ہنس پڑے) اور اپنی سندھی ماں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ فواللہ لقد صبرت بعد وفات سیدھا فما تعبت بابہا اذا لم یصبر غیرہا یعنی میری ماں نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد صبر کیا اور کسی دوسرے آدمی سے شادی نہیں کی حالانکہ اس کے مقابلہ میں دوسری عورت نے تو صبر سے کام نہیں لیا۔

ابن اشیر نے زید شہیدؑ کے جہاد کے اسباب میں سے ایک سبب اس مقدمہ اوقاف میں خالد کے برتاؤ کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”ان کا مقدمہ حاکم مدینہ خالد بن عبدالملک کے روبرو تھا۔ وہ ان کو آپس میں لڑوا کر تماشا دیکھتا تھا۔ ایک دن خالد نے منادی کرادی کہ یہ دونوں فریقین اس کے سامنے حاضر ہوں۔ اور اگر میں ان دونوں کے مقدمہ کا فیصلہ نہ کر دوں تو میں اپنے باپ کا بیٹا نہیں۔ اور تمام لوگوں کو حاضر ہونے کی دعوت دی۔ صبح ہوتے ہی مسجد میں لوگ جمع ہو گئے۔ خالد نے ان دونوں کو بلایا اور کوشش کی کہ دونوں میں گالی گلوچ ہو جائے۔ لیکن زید اس کے ارادہ کو سمجھ گئے۔ عبداللہ نے بحث شروع کی۔ زید نے ان کو توروک دیا اور خالد سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو نے ہماری تذلیل و تحقیر کیلئے ہمیں اور لوگوں کو جمع کیا ہے۔ قسم بخدا یہ وہ امر ہے جسکی ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھی جرات نہ ہوئی۔ خالد نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ کیا ہے تم میں کوئی بہادر جو اس شخص کو ٹھیک کر دے۔ ایک انصاری اٹھ کھڑا ہوا اور جناب زید کو برا بھلا کہنے لگا۔ لیکن لوگوں نے بیچ بچاؤ کرادیا“۔

۱۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۵، ۲۔ اردو ترجمہ: تاریخ کمال حصہ دوم ص: ۴۴۰

اسی واقعہ کو طبری نے قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پھر خالد بن عبد الملک نے ان دونوں سے کہا کل صبح آپ تشریف لائیں اگر میں آپ کے درمیان تصفیہ نہ کر دوں تو میں عبد الملک کا بیٹا نہیں۔ اس خبر سے مدینہ میں کھلبلی مچ گئی۔ جتنے منہ اتنی باتیں، کوئی کہتا تھا زید نے ایسا کہا کوئی کہتا تھا عبد اللہ نے ایسا کہا۔ دوسرے دن خالد نے دربار منعقد کیا، تمام لوگ جمع ہوئے، ان میں سے بعض خوش ہونے والے تھے اور بعض غمگین، خالد نے دونوں صاحبوں کو سامنے بلایا، وہ چاہتا تھا کہ اس طرح ان کی جگہ ہنسائی ہو، عبد اللہ گفتگو کرنا چاہتے تھے کہ زید نے ان سے کہا ”اے ابو محمد! آپ جلدی نہ کیجئے، اگر زید اب کبھی خالد کے سامنے آپ سے محاصمت کرے تو اس کے تمام لوٹدی غلام آزاد ہیں۔“ پھر زید نے خالد کو مخاطب کر کے کہا ”تو نے رسول اللہ کی اولاد کو ایسی بات کیلئے اپنے سامنے بلایا ہے جس کے لئے ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی انہیں اپنے پاس نہیں بلاتے تھے۔“ خالد نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا ”کیا کوئی شخص یہاں ایسا نہیں جو اس بیوقوف کو جواب دے۔“

انصار میں سے ایک شخص نے جو عمرو بن حزم کی اولاد میں سے تھا کہا کہ ”اے ابی ترابؓ اور حسینؓ احمق (معد اللہ) کے بیٹے کیا تو والی کا اپنے اوپر کوئی حق نہیں سمجھتا اور کیا انکی اطاعت تیرے لئے ضروری نہیں ہے“ زید نے کہا ”اے قحطانی تو خاموش رہ، میں تجھ ایسے کو جواب نہیں دینا چاہتا“ اُس نے کہا آپ مجھ سے کیوں الگ ہتے ہیں۔ بخدا میں تم سے اچھا ہوں، میرا باپ تمہارے باپ سے اور میری ماں تمہاری ماں سے بہتر ہے۔ زید ہنسے اور کہنے لگے: اے گروہ قریش دین تو جا ہی چکا، کیا حسب بھی رخصت ہو گیا؟ یہ تو ہوا ہے کہ کسی قوم کا دین جا چکا ہے مگر ان کے حسب نہیں جاتے۔ تب عبد اللہ بن واقد بن عبد اللہ

بن عمرؓ بن الخطاب نے کہا ”اے قحطانی تو جھوٹا ہے، زید تجھ سے اپنی ذات، اپنے والدین اور اصل و نسل کے اعتبار سے افضل ہیں“ اسی طرح کی اور بھی بہت سی باتیں انہوں نے کہیں۔ اس قحطانی نے ان سے کہا ”ابن واقد تم اس معاملہ سے الگ رہو۔“ ابن واقد نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر زمین پر دے ماریں اور پھر کہنے لگے: افسوس بخدا ہم ایسی باتوں پر صبر نہیں کر سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔^۱

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کسی عدالت یا کسی منصف کے روبرو فریقین کو اس امر کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ذاتیات پر ریک حکم کریں؟ اور انصاف کرنے والا باختیار شخص اُن کے ایسے اقدامات سے محفوظ ہوتا رہے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ والی مدینہ مقدّمے کا فیصلہ کرنے میں مخلص نہ تھا بلکہ وہ اپنے اقدام سے فریقین کو مشتعل کر کے اُن کے جذبات کو برا بھلا سمجھنے کیا کرتا تھا۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ حکمران طبقہ کس کس طرح سے اولادِ امام حسنؓ اور اولادِ امام حسینؓ کی باہمی چپقلش ظاہر کر کے ان کی تحقیر و تذلیل کا اہتمام کرتا تھا اور خاندانِ رسول کے معززین کو خلقِ خدا کے روبرو ذلیل و رسوا کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔ حضرت زید شہیدؓ اور عبد اللہ بن حسنؓ ہی کا یہ ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی تاریخ میں اس سے پہلے اور بعد بھی اسی نوعیت کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں جن میں بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں اور ان کے عمال نے بنی ہاشم کے معززین کو بدنام کرنے کی ہر دور میں ہر ممکن کوششیں کیں۔

زید شہیدؓ ہشام کے دربار میں: مقدمہ اوقاف کے ضمن میں والی مدینہ خالد بن عبد الملک کے ناروا سلوک کی شکایت کرنے کی غرض سے حضرت

زید شہیدؓ کو بادشاہ وقت ہشام بن عبد الملک کے پاس دمشق جانا پڑا۔ اُس نے آپ کے ساتھ انتہائی حقارت آمیز برتاؤ کیا اور پھرے دربار میں آپ کی تذلیل و توہین کی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کے کنیز ہونے کا تعنہ دیا اور حضرت زید شہیدؓ کا جواب سننے کے بعد آپ کو دربار سے نکال دئے جانے کا حکم دیا اور آپ نکال دئے گئے۔ اس ضمن میں مورخین کے چند اقتباسات پیش ہیں:

طبری نے حضرت زید شہیدؓ سے ملاقات کرنے میں ہشام کے رویہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”زید، ہشام بن عبد الملک کے پاس آئے، ہشام کسی طرح ملاقات کا موقع نہیں دیتا تھا۔ زید مختلف قصص کے پیرایہ میں اجازت طلب کرتے، وہ ہر قصہ کے نیچے لکھ دیتا کہ جو تمہارے حاکم ہیں اُن کے پاس جاؤ، اس پر زید کہتے تھے اب میں خالد کے سامنے تو کبھی نہیں جاؤں گا، میں کچھ مانگنے نہیں آیا۔ بلکہ میں اپنے حق کیلئے مقدمہ پیش کرنے آیا ہوں۔ آخر کار بہت عرصہ کے انتظار کے بعد ہشام نے ان کو باریابی کا موقع دیا“۔^۱

ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی نے تحریر کیا ہے کہ: ”زید رصافہ میں ہشام سے ملنے آئے یہ اس کے سامنے پہنچے، دربار میں اپنے بیٹھنے کیلئے کوئی جگہ نظر نہ آئی مجبوراً پائیں میں بیٹھ گئے اور ہشام کو مخاطب کر کے کہا ”اے امیر المومنین صرف خدا کے خوف سے انسان عظمت پاتا ہے اور جو متقی نہیں ہے وہ بڑا بھی نہیں ہے“ ہشام نے کہا ”خاموش رہ تو اپنے دل میں خلافت کے حصول کی تدبیریں سوچ رہا ہے حالانکہ تو لوٹنی بچہ ہے“ زید نے کہا ”امیر المومنین اس کا جواب میرے پاس ہے، اگر آپ چاہیں تو دوں اور پسند نہ کریں تو خاموش رہوں“ ہشام نے کہا بیان کرو۔ زید نے کہا ”اعلیٰ مراتب کے حصول سے ماؤں نے کبھی کسی کو نہیں روکا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ماں

حضرت اہلق علیہ السلام کی ماں کی لونڈی تھیں، مگر یہ بات انکی نبوت میں حارج نہیں ہوئی۔ اللہ نے انھیں نبوت عطا فرمائی اور انھیں عرب کا مورث اعلیٰ بنایا اور انہی کی صلب سے خیر البشر حضور محمد رسول اللہ صلعم کو پیدا کیا۔ آپ مجھ سے جو فاطمہؓ اور علیؓ کا بیٹا ہے یہ بات کہتے ہیں!“ زید یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے چلے گئے:

سرد الخوف فازری بہ کذاک من یکرہ حرّ الجلاذ
ترجمہ: خوف کی وجہ سے اس پر یہ عیب لگایا گیا اور اس شخص کا جو سخت
اور پتھر پللی زمین کی تپش سے گھبرائے یہی حال ہوتا ہے۔

منخرق الخصین یشکوی الجوی تنکبہ اطراف مرو حداد
ترجمہ: ان کی حالت اس اونٹ کی ہے جسکے دونوں سم پھٹ گئے ہیں
اور وہ زخم کی تکلیف سے کراہ رہا ہے، اور نکلیے تیز سگریزے اس میں
چھہ رہے ہیں۔

قد کان فی الموت له راحة والموت ختم فی رقاب العباد
ترجمہ: اس کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ اب موت ہی میں اسے راحت
مل سکتی ہے اور موت تو سب کو آئے گی۔

ان یحدث اللہ له دول یترک اثار العدی کالرماد
ترجمہ: اگر اللہ نے اسے حکومت دیدی تو وہ دشمنوں کے آثار تک مٹا
کر رکھ دیگا۔

یہ رصافہ سے سیدھے کوفہ آئے اور قرأ و عمائد کوفہ کو لیکر خروج کیا۔
یوسف بن عمر اشقی نے ان کا مقابلہ کیا۔ جنگ ہوئی زیدیوں کو ہزیمت ہوئی مگر
خود زید ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ میدان و عا میں ثابت قدم رہے اور

نہایت بہادری اور بے جگری سے اپنے دشمنوں سے لڑے۔ اُس وقت وہ یہ شعر اپنے حسب حال پڑھ رہے تھے:

فذل الحيات وعز الوفلة . و كلاً اراه طعاماً وبيلا
فان كان لأبذمن واحد فيرى الى الموت سير اجميلا

ترجمہ: ذلت حیات اور عزت موت، میں دونوں کو غیر خوش آئند کھانا سمجھتا ہوں اور جب دونوں میں سے ایک لازمی ہے تو پھر اب موت ہی کی طرف خوشی سے چلنا چاہیے۔^۱

چونکہ حضرت زید شہیدؑ فرزندِ امام اور جلیل المرتبت عالم دین تھے لہذا آپ نے دلیل بھی نہایت معقول دی۔ یعنی جس طرح عرف عام میں بی بی حاجرہ کو کزینہ کہا گیا بالکل اسی طرح سے جناب حوراء کو بھی کزینہ کی حیثیت سے شہرت دی گئی اور اس سے متعلق ایک کہانی گھڑ کر روایت کی صورت میں بیان کی گئی۔ حالانکہ ان معظمہ کی عظمت سے متعلق اقوال آئمہ موجود ہیں۔

طبری نے ہشام کے دربار میں زید شہیدؑ کی تذلیل اور اس موقع پر ہونے والی گفتگو کی بابت خود حضرت زید شہیدؑ کی روایت کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ: ”میں نے ہشام کے روبرو کسی معاملہ پر قسم کھائی۔ ہشام نے کہا میں تمہیں سچا نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے کسی کا رتبہ اتنا نہیں بڑھایا کہ اسے یہ جرات ہو کہ وہ کوئی غلط بات اللہ کی نسبت سے بیان کرے اور نہ اس نے کسی کے درجہ کو اس قدر گھٹایا ہے کہ اگر وہ کوئی بات خدا کی نسبت سے بیان کرے تو اسے سچ نہ مانا جائے۔ ہشام نے مجھ سے کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت کے متمنی ہو، تم ایک لوٹڈی کے بطن سے ہو کر ایسی توقع کیونکر کر سکتے ہو؟ میں نے کہا امیر المومنین آپ کی بات کا ایک جواب بھی ہے ہشام نے کہا، کہو۔“

میں نے کہا ”نبی مبعوث سے زیادہ اللہ کے نزدیک کسی کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ نہیں، حضرت اسمعیل علیہ السلام ایک برگزیدہ نبی تھے اور ان کے پوتے محمد رسول اللہ صلعم جو بہترین نبی ہیں، حالانکہ حضرت اسمعیلؑ لوٹڈی کے بیٹے تھے اور ان کے بھائی، بیوی کے بطن سے تھے مگر اللہ نے حضرت اسمعیل کو ان کے بھائی پر ترجیح دی اور ان کی اولاد میں حضرت محمد رسول اللہ کو پیدا کیا جو خیر البشر ہیں اور رسول اللہ صلعم کے دادا کے متعلق کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ پوچھے کہ ان کی ماں کون تھیں۔“ ہشام نے انہیں نکل جانے کا حکم دیا۔ زید نے کہا میں جاتا ہوں مگر یاد رکھو اب تم صرف ایسی صورت میں مجھے دیکھو گے جو تمہیں ناگوار ہوگی۔!

حضرت زید شہیدؓ والی مدینہ خالد بن عبد الملک کے غیر مناسب رویہ کی شکایت کرنے کی غرض سے ہشام کے پاس دمشق گئے، مگر وہاں بجائے داد و دی کے ہشام نے خالد سے بھی زیادہ تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا جسے بیشتر علماء و مورخین نے بیان کیا ہے جن میں سے چند اقتباسات ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس موقع پر زید شہیدؓ کا دربار ہشام میں جانا ۱۱۳ھ کا واقعہ ہے۔ کیونکہ ہشام بن عبد الملک نے اپنے ماموں ابراہیم بن ہشام بن اسمعیل کو ۱۱۳ھ میں مدینہ کی گورنری سے معذول کر کے اس کی جگہ خالد بن عبد الملک بن حارث بن حکم کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا تھا، عبد اللہ بن حسن ثنی اور زید شہیدؓ کا تنازعہ ابراہیم بن ہشام کے دور ولایت میں شروع ہوا جو بعد میں خالد بن عبد الملک کے روبرو پیش ہوا تھا ہشام نے نہ صرف بھرے دربار میں آپ کی توہین و تذلیل کی بلکہ اپنے کارندوں کے ذریعہ آپ کو شام کی سرحد تک چھڑوا دیا۔ حضرت زید شہیدؓ وہاں سے مدینہ آگئے اور وہیں رہے حتیٰ کہ خالد القسری کے قضیہ میں طلبی پر آپ کو مدینہ ہی سے دمشق اور پھر کوفہ بھیجا گیا۔

کوفہ کے دو گورنر: حضرت زید شہیدؓ کے جہاد اور شہادت کے واقعات میں کوفہ کے دو گورنروں خالد بن عبداللہ القسری اور یوسف بن عمر النخعی کا اہم کردار تھا لہذا ہم ان دونوں کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں، ویسے ابن اشیر اور طبری وغیرہ نے انکی تضادات میں ڈوبی ہوئی زندگی کی بابت بہت کچھ لکھا ہے۔

(۱) خالد بن عبداللہ القسری: یہ ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک کوفہ کا گورنر رہا۔ اسکا تعلق ایک قلیل تعداد قبیلہ بنی بجیلہ سے تھا۔ اس کی ماں روم کی نصرانی عورت تھی، اُس نے مرتے دم تک اپنے آبائی مذہب کو ترک نہیں کیا تھا، ماں کی نسبت سے خالد کو لوگ 'ابن النصرانیہ' کہتے تھے۔ ہشام نے مسند اقدار پر بیٹھنے کے بعد ہی اسے کوفہ کا والی مقرر کیا تھا اور یہ مسلسل بیس سال اس عہدہ پر فائز رہا۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس کے زیر ولایت علاقہ پر غیر مسلموں کی حکمرانی تھی بقول ابن اشیر:

كان الا سلام ذليلا والحكم فيه لاهل الذمة ۱

یعنی اس کے زمانہ میں اہل اسلام ذلیل تھے اور حکومت اہل ذمہ (غیر مسلموں) کے ہاتھ میں تھی۔ خالد کی بابت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی شاعر نے یہ شعر کہے تھے کہ:

لیننی فی المؤذنین حیاتی انہم یصرون من فی السطح
نیثیرون او تشر الیہم بالہون کل دل ملیح

یعنی: کاش مؤذنوں کے ساتھ میری بھی زندگی گذرتی یہ لوگ

چھتوں پر رہنے والیوں کو دیکھتے ہیں پھر خود یہ مؤذن اشارے کرتے

ہیں یا پھر ناز و غمزہ والی ملیح عورت محبت کا پیغام مؤذنوں کو دیتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ان ہی اشعار کی بنیاد پر خالد نے ہر مؤذن پر الزام عائد کیا کہ وہ لوگوں کی بہو بیٹیوں کو جھانکتے ہیں لہذا اس نے مسجدوں کے مینارے منہدم کر دیئے۔ خالد کی بابت طبری نے لکھا ہے کہ ”یہ وہ شخص ہے جو مساجد کو منہدم کراتا ہے، گرجاؤں اور آتشکدوں کی تعمیر کراتا ہے، مجوسیوں کو مسلمانوں پر والی مقرر کرتا ہے، مسلمان عورتوں کا ذمیوں سے بیاہ کراتا ہے“۔^۱

خالد کی تضاد خیالی کی واقعات کو ابن اشیر نے تفصیلاً لکھا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے چند کو مختصر بیان کر رہے ہیں تاکہ اُس کے عقائد و نظریات کا اندازہ ہو سکے:

خاندان بنی امیہ کے ایک معزز شخص نے خالد سے کچھ امداد چاہی، جس کے نہ ملنے پر اُس نے یہ افواہ پھیلائی کہ ”لین دین کا تعلق تو خالد ہاشمیوں سے رکھتا ہے اور ہمارے لئے اُس کے پاس صرف علی کی صلواتیں رہ گئی ہیں“۔ جب اس اموی کی شکایت خالد تک پہنچی تو اُس نے بے ساختہ کہا ”لئن احب فلنا عثمان بشیئ“۔^۲ یعنی اگر اُس کا جی چاہے تو کچھ عثمان کو بھی سنا دوں۔ ابن اشیر کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ اپنے آقا ہشام بن عبدالملک سے عقیدت کے اظہار میں اس حد تک غلو کرتا تھا کہ العیاذ باللہ رسولؐ سے افضل بتا دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ”ان الخلیفة هشاماً افضل من الرسول“۔ خالد اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی خاطر برسرے منبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کیا کرتا تھا۔^۳ اس کی بابت جسٹس امیر علی کے بیان کا ترجمہ جناب سلطان مرزا دہلوی نے اس طرح کیا ہے کہ:

ترجمہ: ہشام کی ابتدائی خلافت سے حکومت عراق پر خالد متعین تھا اُس نے صوبے میں انصاف و طاقت کی صحیح حکومت چلائی۔ لیکن

۱ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۱۲، ۲ اکال ج ۵ ص ۵۲، ۳ اکال ج ۵ ص ۸۲.

چونکہ وہ بنو ہاشم پر اتنی سختی نہیں کرتا تھا جتنا کہ بنو امیہ چاہتے تھے۔ اسکے متعدد دشمن ہو گئے جنہوں نے اس کے خلاف ہشام کے کان بھرے۔ ایک تو یہ وجہ ہوئی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کی دولت پر ہشام کی لپٹائی ہوئی نظریں پڑنے لگیں۔ ۱۲۰ھ میں جناب امام جعفر کی امامت کے چھ سال بعد ہشام نے خالد کو عراق کی حکومت سے معزول کر کے اس کی جگہ یوسف بن عمر کو مقرر کر دیا۔ جس کی فطرت میں ظلم و مکر بھرے ہوئے تھے۔ خالد کی ساری جائیداد ضبط کر لی گئی اور اس کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ اسکے صرف دو اسباب تھے اول، خالد کا دولت مند ہونا۔ دوم، بنو ہاشم سے نرمی کرنا۔ اسکی حکومت میں کوئی قصور نہ تھا۔

(نورالمشرقیین من حیات الصادقین ص ۲۶۵)

الشرض خالد کی تضادات سے بھری زندگی کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ اس کے زوال کا باعث اسکی دولت کی کثرت تھی۔ اس نے اپنی جاگیر میں نہروں کا جال بچھا رکھا تھا جس کے سبب اس کی آمدنی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور اس نے اپنے پندرہ سالہ دور اقتدار میں دونوں ہاتھوں سے دولت بٹوری۔ یہی دولت اسکی جان کا عذاب بن گئی۔ یعنی خالد نے اپنی دولت کو بے تحاشہ بڑھا کر اپنی قبر خود کھودی۔ ہشام بن عبد الملک جیسا دولت کا عاشق، حریص و لالچی بادشاہ کیونکر برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے مقرر کردہ کسی گورنر کے پاس اتنی کثیر دولت ہو۔ ہشام کی اس فطرت کی بابت مسعودی کا بیان ہے کہ ”ہشام کے عہد میں لوگ اسکے روش پر چلنے لگے۔ جس کے پاس جو کچھ تھا اس کو دبانے کی فکر میں ڈوب گیا۔ حسن سلوک کے راستے مسدود ہو گئے اور مہمان نوازی کا سلسلہ ٹوٹ گیا“ ہشام کی طمع دولت کا عالم یہ تھا

کہ رعایہ اپنا غلہ اس وقت تک فروخت نہیں کر سکتی تھی جب تک کہ بادشاہ وقت ہشام بن عبد الملک کا تمام غلہ اچھے داموں نہ پک جائے۔

(۲) یوسف بن عمر نقعی: یوسف کی بابت مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بہت پستہ قد تھا لیکن ڈاڑھی لمبی تھی۔ اس کیلئے مشہور تھا کہ وہ نماز روزے کا بڑا پابند تھا۔ بقول مسعودی وہ دیر تک نمازیں پڑھتا مسجد میں زیادہ وقت گزارتا تھا۔ ہشام نے جب اسے عراق کا گورنر بنا کر بھیجا تو اہل کوفہ کو بہت خوشی ہوئی تھی کیونکہ ان کو ابن نصرانیہ سے نجات ملی۔ اسی لئے کوفہ کے شاعر یحییٰ بن نوفل نے یہ شعر کہا:

فلما اتانا یوسف الخیر اشرق لہ الارض حتی کل واد منور

یعنی: جب بھلائی والا یوسف آیا تو زمین چمک اٹھی گویا ہر وادی

جگمگا رہی ہے۔

لیکن بنی امیہ کا گورنر بہر حال بنی امیہ کا گورنر ہی تھا۔ وہ بھی سب زرد کا بھائی شغال ہی نکلا۔ چند دنوں کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ یوسف کو جنون ہے۔ اس کے نماز روزے کا سارا قصہ بھی جنون کے ظہور کی ایک شکل ہے۔ صدق ابن اللخنا اس کا تکیہ کلام تھا۔ سچ بھی اس کے نزدیک جھوٹ تھا اور جھوٹ بھی جھوٹ تھا۔ اس کے جنون کے بہت سے واقعات جو لوگوں میں مشہور تھے ان کی فہرست طویل ہے۔ نمونے کے لئے یہ چند مثالیں پیش ہیں جنہیں مولانا مناظر احسن گیلانی نے تحریر کیا ہے۔

”چار خانے بنے ہوئے کپڑے جلا ہوں سے بنواتا۔ بیچارہ جلا ہا بنا کر لاتا۔ اپنے سیکریٹری سے پوچھتا کیوں بے کیسا ہے؟ سیکریٹری کہتا کہ خانے کچھ چھوٹے ہیں تب جو لہے سے کہتا صدق ابن اللخنا سچ تو کہتا ہے ابے الخناء کے بچے، جولا ہا کہتا حضور اس فن سے میں زیادہ واقف ہوں، تب سیکریٹری

سے کہتا ہے تو کہتا ہے ابے الخناء کے بچے، بیکریٹری جو اب میں کہتا اس جلا ہے کو سال میں ایک دو تھان بنانے کی نوبت آتی ہوگی اور میرے ہاتھ سے سیکڑوں تھان سالانہ گذرتے ہیں یہ بیچارہ اس کی خوبیوں کو کیا جانے، تب جولا ہے سے یوسف کہتا ہے ابے الخناء کے بچے۔ الغرض یون ہی اس کی بھی تصدیق کرتا اور اس کی بھی، پھر اسے بھی جھٹلاتا اور اسے بھی۔ اسی طرح مزاج میں سختی اتنی تھی کہ فرمائش سے ذرہ برابر بھی کسی چیز میں نقص رہ جاتا تو بنانیوالوں پر سیکڑوں کوڑے پڑ جاتے۔

ایک دفعہ اپنی لونڈیوں کو بلا کر، اس وقت جب سفر میں جا رہا تھا، پوچھا کہ کون کون میرے ساتھ چلے گی، ایک بولی کہ سرکار میں جاؤں گی۔ بس بگڑ بیٹھتا اور فحش باتیں کہتا، حکم غلام کو دیتا کہ لگا اس کے سر پر کوڑے، دوسری یہ دیکھ کر کہتی کہ سرکار میں گھر ہی پر رہوں گی تب کہتا کہ مجھ سے چوتی ہے غلام! لگا سے کوڑے، اب تیسری سے پوچھتا کہ بتا تو کیا چاہتی ہے۔ دونوں کا حشر دیکھ کر کہتی کہ میں کیا بتاؤں، جو بات بھی کہوں گی اس کی سزا دیکھ چکی ہوں تب کہتا کہ کیوں ری میری بات میں سنج نکالتی ہے اور باتیں بناتی ہے، غلام! لگا سے بھی کوڑے۔“ ظاہر ہے کہ جنون کے سوا ان حرکات کی اور کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یوسف کپڑے سلوانے کیلئے درزی کو بلاتا۔ اگر درزی یوسف کے قد کی مناسبت سے کہدیتا کہ جو کپڑا دیا گیا ہے اس میں فاضل بچے گا، تو بگڑ جاتا اور فوراً کوڑے مارنے کا حکم دیتا۔ لیکن اگر جاننے والا درزی ہوتا تو کہتا کہ کپڑا سرکار کے بھاری بھر کم بدن کے لئے کافی نہیں ہو سکتا، تو خوشی سے پھول جاتا۔ اس ذریعہ سے درزی خوب کپڑا وصول کرتے تھے۔

یوسف کی ایسی ہی ظالمانہ حرکات کو دیکھ کر اہل کوفہ کو بڑی مایوسی ہوئی اور انہی حالات کے پیش نظر یحییٰ بن نوفل شاعر کو پھر لکھنا پڑا کہ:

ادناوا و الخليفة اذر مانا مع الاخلاص بالرجل الجديد
كاهل النار حين دعوا اغيوا جميعا بالحميم وبالصيد

یعنی خلیفہ نے گواخلاص سے نئے آدمی سے ہم لوگوں کو شرف فرمایا،
لیکن واقعہ یہ ہوا کہ جہنمی جب جہنم میں فریاد کریں گے اور مانگیں گے
تو ان کی فریاد سی گرم پانی اور پیپ سے کی جائے گی۔ یہی ہمارا
حال ہوا کہ فریاد تو سنی گئی لیکن یوسف کو بھیج کر گویا گرم پانی اور ریم
کے ذریعہ فریاد سی کی گئی ہے۔

جس امیر علی نے تحریر کیا ہے کہ:

In 120 A.H. Khalid was removed from the
vicerealty of Iraq, and his place was taken
by Yusuf (bin Omar), described as a hy
pocrite and a man of changeable temperament
and cruel propensities. He was a Modharite
and hated Khalid.

(A Short History of Saracens P: 155)

ترجمہ: خالد کو ۱۲۰ھ میں عراق کی ولایت سے معزول کر کے اس کی
جگہ یوسف بن عمر ثقفی کو مقرر کیا گیا، جو دینی ریا کاری و مکاری اور
متنیر رجحانات و بے رحم ذہنیت کا مالک مشہور تھا۔ وہ مضری تھا اور
خالد سے نفرت کرتا تھا۔

خالد کی معزولی و گرفتاری: طبری کا بیان ہے کہ ہشام نے خالد کو معزول
کر دینے کے ارادہ کو کسی شخص سے بیان نہیں کیا، بلکہ خود اپنے قلم سے یوسف
عامل یمن کو لکھا کہ تم تیس آدمیوں کے ساتھ عراق جاؤ اور خالد کو معزول کر کے
گرفتار کرو۔ لہذا یوسف نے اپنے بیٹے صلت کو یمن کا قائم مقام گورنر بنایا اور خود
کوفہ کو طرف روانہ ہوا۔ کوفہ کے بالکل قریب پہنچ کر اُس نے رات بسر کی۔

جب رات کے پہرہ دار سپاہی یوسف اور اُس کے ساتھیوں کے پاس سے

۱ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۲۹

گزرے اس وقت یوسف نماز پڑھ رہا تھا اس کے لباس سے عطر کی خوشبو مہک رہی تھی۔ گشت والے سپاہیوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم راو گیر ہیں۔ گشت والے خالد کے مالگداری افسر طارق کے پاس آئے جسکے گھر پر محفل نشاٹ گرم تھی۔ اور واقعہ کی تفصیل بیان کی اور کہا کہ ہم ان لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتے، ہمارا خیال ہے کہ ہم انہیں قتل کر ڈالیں، طارق نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ صبح ہوتے ہی وہ لوگ بنی ثقیف کے مکانوں میں چلے گئے۔ گشت والے سپاہیوں نے پھر طارق کو اطلاع دی۔ ادھر یوسف نے ایک ثقفی سے کہا کہ یہاں جتنے بھی مضری ہیں ان سب کو میرے پاس بلا دو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب فجر کی نماز کا وقت ہوا یوسف مسجد میں آیا اور مؤذن کو اقامت کا حکم دیا، مؤذن نے کہا ایام کو آجانے دیجئے۔ یوسف نے اسے ڈانٹ بتائی۔ نماز کے بعد اپنے آدمی بھیج کر خالد، طارق اور ان کے مصاحبین کو گرفتار کر لیا۔ یہ جمادی الآخر ۱۲۰ھ کا واقعہ ہے۔

خالد کو گرفتار کرنے کے بعد یوسف نے اہل کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ”امیر المؤمنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ابن النصرانیہ کے تمام عمال کو گرفتار کر کے امیر المؤمنین کو ان کی جانب سے مطمئن کر دوں۔ میں اس حکم کی پوری تعمیل کروں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ کروں گا۔ اے عراقیو! جو تم میں منافق ہیں انہیں تلوار سے قتل کروں گا اور تمہارے فاسقوں بد معاشوں کو عذاب دے کر ہلاک کروں گا“ اتنا کہہ کر یوسف منبر سے اتر آیا اور واسط چلا گیا جہاں اس کے سامنے خالد کو پیش کیا گیا۔

خالد القسری کا بہتان: جب ہشام کو والی کوفہ خالد بن عبد اللہ القسری کی اس دولت کا پتہ چلا جو اُس نے اپنے پندرہ سالہ دور اقتدار میں جمع کی تھی تو

ہشام کو طمع دامن گیر ہوئی لہذا اس نے فوراً اپنے والی یمن یوسف بن عمر ثقفی کو خفیہ خط کے ذریعہ مطلع کیا کہ وہ کوفہ جائے، خالد القسری کو معذول کر کے قید کر لے اور اس کی دولت کا سراغ لگائے۔ ہشام نے یہ حکم جمادی الاول ۱۲۰ھ کے آخری ایام میں دیا تھا اور جمادی الآخر میں یوسف نے خالد کو اسکے عہدے سے معذول کر کے گرفتار کیا تھا۔ جس کے بعد ہشام کی ہدایت کے مطابق خالد کی دولت کا سراغ لگانا شروع کر دیا۔

خالد کی پوشیدہ دولت کا پتہ لگانے کیلئے یوسف نے خالد کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا اور اسے شکنجہ میں جکڑ کر اس پر بے انتہا مظالم کئے۔ تب ایک روز خالد نے بتایا کہ اسکی کثیر دولت مدینہ میں زید بن علی بن حسین، محمد بن عمرو بن علی بن ابریطال، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمن بن عوف الزہری اور ایوب بن سلمہ بن عبداللہ بن الولید بن مغیرہ مخزومی کے پاس بطور امانت جمع ہے۔ یوسف نے پوری تفصیل سے ہشام کو مطلع کیا۔ طبری نے اس بہتان کو خالد کے بیٹے یزید سے منسوب کر کے سارا واقعہ بیان کیا ہے۔

یزید شہیدؓ کی طبعی: مورخین نے بیان کیا ہے کہ یہ خبر ملتے ہی ہشام نے فوراً والی مدینہ کو اس کی بابت مطلع کیا اور لکھا کہ جن افراد کے نام خالد نے لئے ہیں ان سب کو میرے پاس بھیج دو۔ لہذا حاکم مدینہ محمد بن ہشام بن اسمعیل نے ان حضرات کو طلب کیا اور ہشام کے خط کی بابت بتایا۔ حضرت زید شہیدؓ نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ ”کہاں خالد اور کہاں اس کا مال“ والی مدینہ نے یہ سن کر کہا کہ ”آپ سچ کہتے ہیں مگر میں مجبور ہوں، بادشاہ کا حکم ہے لہذا آپ سب کو دمشق جانا ہوگا۔“ پھر حاکم مدینہ نے اپنے آدمیوں کے ہمراہ ان سب کو ہشام کے پاس

بھیج دیا۔ دمشق پہنچے تو ہشام نے پہلے خود پوچھ گچھ کی طبری نے لکھا ہے کہ ”بیان سننے اور کافی جرح و سوال کے بعد، ہشام کو حالانکہ اطمینان بھی ہو گیا۔ خود اس نے اعتراف کیا کہ انصما عندی اصدق من ابن النصرانیہ یعنی نصرانیہ کے بیٹے (خالد) سے آپ لوگ میرے نزدیک زیادہ سچے ہیں“^۱۔ لیکن پھر بھی ان لوگوں کو یوسف کے پاس کو فہ بھیجنے کا حکم دیدیا۔

طبری نے ابو عبیدہ کا بیان اس طرح لکھا ہے کہ ”مگر ابو عبیدہ یہ کہتے ہیں کہ یوسف نے جو الزام زید پر لگایا اس کے متعلق زید کے بیان انکاری کو ہشام نے توجیح تسلیم کر لیا۔ پھر بھی سب لوگوں کو یوسف کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ان سب ہی لوگوں نے میرے پاس حلف اٹھ لیا ہے جسے میں نے سچ تسلیم کر لیا ہے اور میں نے انہیں ادائیگی رقم سے بری کر دیا مگر پھر بھی میں صرف اس غرض سے انہیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں کہ تم خالد کا ان سے مواجہہ کر دو تاکہ یہ اسے جھٹلا دیں۔ ہشام نے ان صاحبوں کو کچھ رقم بھی عطا کی۔“

چونکہ ہشام خود بادشاہ وقت تھا لہذا اسکے مطمئن ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کو بری الذمہ قرار دیکر واپس مدینہ بھیج دیا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بقول ابن اثیر ”اس کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ ان حضرات کو مدینہ واپس کر دیتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مال کی محبت میں اسے وسوسہ ہوا کہ شاید برسر زمین خالد کے روبرو ہونے کے بعد کوئی ایسی بات معلوم ہو جس سے مال کا پتہ چلے، اس نے ان دونوں کو حکم دیا کہ آپ دونوں یوسف (گورنر کو فہ) کے پاس جائیے، تاکہ وہ خالد سے آپ کے سامنے معاملہ دریافت کرے اور منہ پر اس کے دعوے کو جھٹلائیے“^۲۔

ابن اثیر کے اس مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ہشام نے خالد کے نامزد کردہ پانچ افراد میں سے صرف دو کو دمشق سے کوفہ بھیجا۔ اور بعد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو افراد حضرت زید شہیدؓ اور داؤد بن علی بن عبد اللہ بن عباس تھے۔ بہر حال واقعات و حالات اس امر کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ حضرت زید شہیدؓ دو بار ہشام کے دربار میں گئے۔ پہلی بار وائے مدینہ کی شکایت کی غرض سے خود اپنی مرضی سے گئے جبکہ دوسری بار ہشام کی طلبی پر جبراً جانا پڑا۔ مورخین نے ان دونوں واقعات کو اس طرح گڈمڈ کر کے بیان کیا ہے کہ حقیقت حال واضح نہی ہوتی اور یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو نہیں بلکہ ایک ہی واقعہ ہے۔

پہلے واقعہ کی بابت عام طور پر مورخین نے بیان کیا ہے کہ ہشام نے آپ کی تذلیل کی اور دربار سے نکل جانے کا حکم دیا اور اپنے اہلکاروں کے ذریعے شام کی سرحد پر چھڑوا دیا۔ تب آپ مدینہ جانے کے بجائے کوفہ چلے گئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے خروج کیا۔ یہ صورت حال حقیقت کے قطعی منافی ہے کیونکہ اس واقعہ اور خروج کے درمیان تقریباً آٹھ سال کا عرصہ حائل ہے۔ اور کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے آٹھ سال کوفہ میں قیام فرمایا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ شام کی سرحد سے مدینہ تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا اور جب ۱۲ھ میں ہشام نے طلب کیا تو آپ مدینہ ہی سے بھیجے گئے۔ جسکے بعد ہشام نے آپ کو اپنے سپاہیوں کے ہمراہ کوفہ بھیج دیا۔

شاہان بنی امیہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اہل بیت رسولؐ کا کوئی فرد کوفہ نہ پہنچ پائے اور اگر کوئی وہاں پہنچتا بھی تو اس کی باضابطہ طور پر سخت نگرانی کی جاتی

تھی کتنی عجیب بات ہے کہ بنی امیہ ہی کا ایک بادشاہ مال و دولت کے عشق میں ایسا اندھا ہوا کہ اس نے خود ہی باصرار حضرت زید شہیدؓ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے، داؤد بن علیؓ کو ان کی مرضی کے خلاف جبراً کوفہ پہنچا دیا۔

خالد کی دعوے سے دستبرداری: طبری کا بیان ہے کہ جب زید بن علیؓ حاکم کوفہ کے پاس آئے تو یوسف نے ان سے کہا کہ خالد اس بات کا مدعی ہے کہ اُس نے کوئی رقم آپ کے پاس امانت رکھوائی تھی۔ زید نے کہا بھلا وہ کیونکر میرے پاس کوئی امانت رکھواتا، وہ تو برسرِ منبر میرے آباؤ اجداد کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ یوسف نے خالد کو طلب کیا۔ خالد ایک ٹاٹ کا لبادہ پہنے حاضر کیا گیا۔ یوسف نے اُس سے کہا دیکھ یہ زید ہیں جنکے متعلق تو نے دعویٰ کیا تھا کہ تو نے اپنی کوئی رقم ان کے پاس امانت رکھوائی تھی، یہ اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ خالد نے دونوں کے چہروں کو غور سے دیکھا اور یوسف کو مخاطب کر کے کہا ”کیا تو چاہتا ہے کہ تو نے میرے معاملہ میں جو گناہ اپنے سر لیا ہے اُس کے ساتھ اس ماہِ الحجّت واقعہ کا گناہ بھی جمع کرے۔ میں انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو برسرِ منبر سب و شتم کرتا رہا ہوں۔ میں کیونکر کوئی رقم ان کے پاس امانت رکھواتا“۔ یوسف نے یہ جواب سن کر خالد کو گالیاں دیں اور حکم دیا کہ اسے واپس لیجاؤ۔

اسی ضمن میں طبری نے ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”جب خالد اپنے دعوے کی کوئی دلیل پیش نہ کر سکا تو تمام لوگوں نے دریافت کیا کہ بتاؤ تم نے کیوں یہ جھوٹا دعویٰ کیا۔ خالد نے کہا چونکہ مجھ پر شدید سختیاں کی جا رہی تھیں اس بنا پر میں نے ایسا دعویٰ اس امید میں کیا کہ آپ لوگوں کے یہاں آنے سے پہلے شاید اللہ تعالیٰ میرے مصائب میں کچھ کمی کر دے۔“

اس ضمن میں ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ ”جب خالد اور حضرت زید کی دو بدو گفتگو ہوئی تو خالد نے اعلان کیا کہ میں نے ان حضرات کے پاس

کوئی مال نہیں رکھوایا۔ حضرت زید نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے ہمارا نام کیوں لیا؟ خالد نے جواب دیا کہ آپ کے آنے سے مجھے توقع ہے کہ شاید نجات کی کوئی راہ نکل آئے۔“

اس واقعہ کی بابت ابن اشیر نے لکھا ہے کہ: خالد کو دیکھ کر حضرت زید نے فرمایا کہ ”بھلا یہ ہمارے پاس مال کیوں جمع کرانے لگا، صبح و شام برسرِ ممبر میرے جدا مجد حضرت علی کو گالیاں سناتا ہے“ پھر خالد سے پوچھا کہ آخر تجھے یہ کیا سوچھی، اس نے جواب دیا: شدد علی العذاب فادعیت ذلک و املت ان یاتی اللہ بفرج قبل قدمکم۔ یعنی میری سزا کی سختیاں بہت شدید ہوگئی، اس لئے میں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ آپ لوگوں کے پاس مال میں نے جمع کرایا ہے، غرض میری یہ تھی کہ شاید خدا اسی کو میری مصیبت کے ازالہ کا سبب بنا دے یعنی آپ لوگوں کی تشریف آوری سے میری مشکل حل ہو جائے۔

زید شہیدؓ زیرِ حراست: خالد کا اپنے دعوے سے دستبردار ہو جانے کے بعد قانونی و اخلاقی طور پر ان حضرات کو مدینہ واپس بھیج دینا چاہئے تھا لیکن یوسف بن عمر نے حضرت زید شہیدؓ اور داؤد بن علی کو تقریباً پانچ ماہ کوفہ میں زیرِ حراست وزیرِ نگرانی رکھا۔ چونکہ ہشام بن عبدالملک خود خاندانِ بنی ہاشم سے کینہ رکھتا تھا جس کا اظہار وہ معزز بن بنی ہاشم کی تذلیل و تحقیر کر کے کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کے گورنروں اور اعلیٰ حکام کا اپنے عہدوں پر فائز رہنے کیلئے ضروری تھا کہ وہ بادشاہ وقت کے نقشِ قدم پر چلیں۔ لہذا صویوں کے والی اور اعلیٰ عہدیداران بھی اشراف بنی ہاشم کی توہین و تذلیل میں کمی نہیں چھوڑتے تھے اور سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود بادشاہ وقت اُن سے کوئی باز پرس نہیں کرتا تھا۔ جیسا کہ جسٹس امیر علی کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے:

Hisham did not, however, interfere with Yusuf's persecution of the Hashimides, who were subjected to cruel ill-treatment. Zaid, the grandson of Hussain, who went to Hisham for redress, was driven from his presence with ignominy.

(A Short History of Saracens P : 155)

ترجمہ: بنی ہاشم کے ساتھ یوسف کے ظالمانہ سلوک کے معاملہ میں ہشام کوئی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ اس نے خود بھی حضرت امام حسینؑ کے پوتے زید کی تذلیل کی جب وہ والی مدینہ کی شکایت لیکر اس کے پاس گئے تھے۔ اور انھیں بے عزت کر کے دربار سے نکال دیا۔

مگر جب ہشام کو اہل کوفہ کی سرگرمیوں اور حضرت زید شہیدؓ سے اُنکی ملاقاتوں کا علم ہوا تو اس نے یوسف کو لکھا کہ زید کو کوفہ سے نکال دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اہل کوفہ انکے گرویدہ ہو کر خروج پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ تب یوسف نے آپ کو مدینہ جانے کا حکم دیا۔

جیسا کہ علامہ سیوط ابن جوی نے لکھا ہے کہ:

”واقعی کہتا ہے ہشام بن عبد الملک کو یہ خبر پہنچی کہ زید کوفہ میں مقیم ہیں تو اس نے یوسف بن عمر کو لکھا کہ زید کو مدینہ کی طرف بھیج دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اہل کوفہ اسے خروج پر آمادہ نہ کر دیں کیونکہ زید کی زبان میں مٹھاس ہے اور ساتھ ساتھ وہ رسول اللہؐ سے اپنا قرب بھی بتاتے رہتے ہیں۔ پس یوسف بن عمر نے کسی شخص کو زید کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ آپ مدینہ کی طرف چلے جائیں۔“

(تذکرۃ الخو اس ص: ۳۹۲)

زید شہیدؓ کی کوفہ سے مراجعت: یوسف بن عمر کی پانچ ماہ حراست و نگرانی سے رہائی کے بعد جب حضرت زید شہیدؓ کوفہ سے مدینہ کیلئے روانہ ہوئے

اور مقامِ قادسیہ پہنچے تو عمائدین کوفہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ ”آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں، آپ کے ساتھ کوفہ کے ایک لاکھ جوانمرد تلوار سے موجود ہیں جو آپ کے لئے صبح جنگ میں اپنی جانیں قربان کر دیں گے اور آپ کے مقابل شامیوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے بلکہ ہمارے قبائل مدحج، ہمدان، تمیم یا بکر میں سے تنہا ایک بھی ان کا مقابلہ کرے تو اللہ کے حکم سے وہ ان کیلئے بالکل کافی ہے۔ اس لئے ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ واپس نہ جائیں۔“

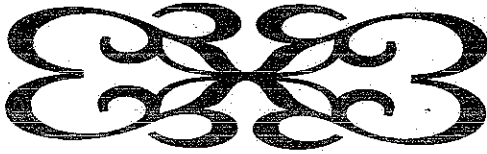
داؤد بن علی جو آپ کے ہمسفر تھے انہوں نے زید شہیدؓ سے کہا ”اے ابن عم! یہ آپ کو دھوکہ دے کر آپ کی جان کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔ کیا انہوں نے ان حضرات کا ساتھ نہیں چھوڑا جو آپ کے مقابلہ میں ان کے نزدیک زیادہ معتبر تھے۔ آپ کے دادا حضرت علیؓ کا واقعہ موجود ہے کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ ان کے بعد امام حسنؓ ہیں جنکے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی مگر پھر انہی پر یہ لوگ چڑھ دوڑے، ان کی ردا ان کے دوش سے اتار لی، ان کے خیمہ و خرگاہ کو لوٹ لیا، انہیں مجروح کر دیا۔ کیا

یہ وہی لوگ نہیں ہیں جنہوں نے آپ کے دادا حضرت امام حسینؓ کو مدینہ سے بلوایا اور ان کا ساتھ دینے اور حمایت کرنے کیلئے سخت سے سخت قسمیں کھائیں مگر پھر بھی ان لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ کر انہیں دشمن کے حوالے کر دیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں شہید ہی کر کے چھوڑا۔ آپ ہرگز ہرگز ان کی درخواست کو قبول نہ کریں اور ان کے ہمراہ کوفہ واپس نہ جائیں۔“

داؤد کے جواب میں عمائدین کوفہ نے کہا کہ یہ رشک و حسد میں ایسا کہتے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ آپ غالب نہ ہوں کیونکہ داؤد سمجھتے کہ وہ اور ان کا

خاندان خلافت کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہے۔ اسی بناء پر یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ مگر داؤد نے پھر بھی یہی کہا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر آپ ان کے ہمراہ واپس چلے گئے تو ان سے زیادہ آپ کے حق میں کوئی سخت دل و ظالم نہ ہوگا، اور آپ ہی اپنے معاملات کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ داؤد تو مدینہ کی طرف چلے گئے اور حضرت زید شہیدؓ واپس کو فہ آ گئے۔

لیے مضمون تاریخ طبری، اردو ترجمہ ج: ۶، اکال، ابن اثیر ج: ۵، بحار الانوار ص: ۶۳۳۵ ج: ۶ سے ماخوذ ہے۔



کوفہ اور اہل کوفہ

کوفہ میں زید شہیدؑ کا مدت قیام: حضرت زید شہیدؑ کے کوفہ میں قیام کی مدت کے بابت مورخین کی دورائے پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے یہ کہ آپ نے کوفہ میں پانچ ماہ قیام کیا۔ دوسری رائے کی مطابق آپ نے سترہ ماہ کوفہ میں گزارے۔ پہلی رائے کے حامی مورخین کے پیش نظر وہ مدت رہی جس میں یوسف بن عمر نے آپ کو زیر حراست رکھا تھا اور جس کے بعد ہشام کی ہدایت پر آپ کو کوفہ سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور آپ نے کوفہ سے مدینہ کے لئے مراجعت فرمائی تھی مگر عمائدین کوفہ کے اصرار پر آپ قادیہ سے واپس کوفہ آگئے تھے۔ مورخین کی دوسری رائے کے مطابق سترہ ماہ آپ نے کوفہ میں قیام فرمایا۔ یہ سترہ ماہ وہ کل مدت ہے جو آپ کو ہشام کے کوفہ بھیجے جانے اور آپ کی شہادت کے درمیان تھی۔ جس میں پانچ ماہ آپ کی حراست کی مدت بھی شامل ہے۔ اور یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ ہشام نے جمادی الاول ۱۲۰ھ میں خالد کو معزول کرنے کا حکم نامہ یوسف کو بھیجا۔ یوسف بن عمر نے اس کی تعمیل کی۔ بقول طبری یوسف جمادی الآخر میں کوفہ پہنچا اور خالد کو گرفتار کر کے اس کی دولت کی تحقیقات شروع کر دی۔ اسی دوران خالد نے حضرت زید شہیدؑ پر امانت رکھوانے کا الزام عائد کیا تھا جبکہ آپ کی شہادت ۲ صفر ۱۲۲ھ کو ہوئی۔ اس اعتبار سے خالد کی معزولی اور زید شہیدؑ کی شہادت کی درمیانی مدت اسی ماہ بنتی ہے۔

اب اگر یوسف کا ہشام کو مطلع کرنا، ہشام کا ان حضرات کو طلب کرنا، ان کا مدینہ سے شام پہنچنا، اور پھر شام سے کوفہ آنا، اس تمام کارروائی کے لئے دو ماہ کی مدت تسلیم کر لی جائے تو مورخین کی دوسری رائے درست قرار پاتی ہے۔ یعنی کوفہ میں حضرت زید شہیدؓ کی کل مدت قیام سترہ ماہ تھی۔ اور اگر اس حساب کو درست مان لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ ماہ شعبان ۱۲۰ھ میں کوفہ پہنچے تھے۔ اس قیام کے دوران اپنی تحریک کے سلسلہ میں آپ نے دو ماہ بصرہ میں گزارے تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے کوفہ میں کل پندرہ ماہ قیام فرمایا۔

کوفہ و اہل کوفہ: کوفہ قدیم ترین آبادیوں میں سے ایک ہے۔ قبل از اسلام کوفہ شہر نعمان بن منذر کے خاندان کا پایہ تخت تھا۔ عہد اسلامی میں اس شہر کو از سر نو تعمیر و آباد کرایا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مدائن کے بعد جب عربوں نے سرزمین عراق میں قدم جمائے تو انہیں ایک مستقل فوجی چھاؤنی کی ضرورت پیش آئی۔ لہذا سعد بن ابی وقاص نے خلیفہ وقت حضرت عمرؓ بن خطاب سے اجازت حاصل کر کے حزیفہ نامی ایک شخص کو جو ایسے ہی کاموں کے لئے مخصوص تھا، مقرر کیا۔ اس نے ایک قطع زمین منتخب کیا چونکہ وہ زمین ریتیلی اور کنکریلی تھی اس لئے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اُس وقت وہ مقام دریائے فرات سے تقریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر تھا۔ سرسبز و شاداب علاقہ ہونے کے باعث اہل عرب اس کو ”حد العذرا“ یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ اس شہر کی بنیاد ۱۱۷ھ میں رکھی گئی اور حضرت عمرؓ کی تصریح کے مطابق چالیس ہزار افراد کی رہائش کے لئے مکانات تعمیر کئے گئے۔ آباد کاری کا انتظام ہیان بن مالک کے سپرد کیا گیا۔ اس شہر میں ہر قبیلے کی جدا جدا آبادیاں تھیں۔ درمیان میں ایک نہایت وسیع و کشادہ جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ اس شہر میں جن قبائل کو آباد کیا گیا ان میں بنو سلیم، بنو ثقیف،

بنو ہمدان، بنو بکیلہ، بنو اسد، بنو تغلب، بنو کندہ، بنو تمیم، بنو عامر، بنو محارب، بنو جدیش، بنو اخلاط، بنو مدحج، بنو ہوازن اور بنو بجالہ قابل ذکر ہیں۔ ۶۴ھ کی مردم شماری کے مطابق پچاس ہزار گھر صرف قبیلہ ربيع و مضر کے تھے اور چونسٹھ ہزار گھر دیگر قبائل کے آباد تھے۔ نیز اہل یمن کے چھ ہزار گھران کے علاوہ تھے۔ جامع مسجد کے علاوہ ہر قبیلے کیلئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ شہر کوفہ حضرت عمرؓ کے عہد حکومت ہی میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ آپ اس کو ”راس الاسلام“ کہا کرتے تھے۔ عام طور پر علماء و مورخین نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اہل کوفہ شیعیانِ علیؑ تھے حالانکہ خود حضرت عمرؓ کوفہ والوں کو ان الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تھے کہ: **يَا اهل الكوفة انتم راس العرب و جمعتمها و سہمی الذی ارمی بہ۔ یعنی اے اہل کوفہ! تم عرب کے راس اور کھیس ہو اور میرا وہ تیر ہو جس سے میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتا ہوں۔**

ان تاریخی بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کوفہ کی بنیاد ڈالنے والے حضرت عمرؓ تھے۔ آپ نے اس شہر کوفہ کی ضرورتوں کے تحت تعمیر و آباد کرایا تھا۔ اور آپ نے وہاں انھیں قبائل کو آباد کیا تھا جن پر آپ کو پورا اعتماد تھا۔

کیا اہل کوفہ شیعیانِ علیؑ تھے؟ چونکہ علماء و مورخین کا اصرار ہے کہ اہل کوفہ شیعیانِ علیؑ تھے اور یہ باور کرانے کی ہر دور میں کوششیں کی جاتی رہی ہیں کہ یہی وہ شیعیانِ علیؑ ہیں جنہوں نے ہمیشہ اہل بیت رسول کے ساتھ بد عہدی کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوفہ میں شیعیانِ علیؑ اور مجاہد اہل بیت کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی۔ لیکن بنی امیہ کے مظالم کے باعث ان کی تعداد کم ہوتی گئی حتیٰ کہ واقعہ کربلا کے وقت کوفہ کے وہ باشندے جنہیں شیعیانِ علیؑ کہا جاسکتا تھا ان کی حالت اور تعداد کے بارے میں مورخ ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں القادوق ص: ۳۹۱، طبقات ابن سعد ج ۶ ص: ۲۰۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو طبری، بلاذری اور تعظیم البلدان۔

لکھا ہے کہ ”معاویہ کے زمانہ حکومت میں اہل کوفہ کو بڑی بڑی مصیبتوں سے دو چار ہونا پڑا کیونکہ وہاں کا گورنر زیاد بن سمیہ تھا اس نے شیعیان علی کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا، ان کو قتل کیا، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے، ان کی آنکھوں میں سلایاں پھروائیں اور ان کو جلاوطن کر دیا یہاں تک کہ ان میں کا کوئی مشہور شخص کوفہ میں باقی نہیں رہا“ اس کے باوجود جو بچ گئے تھے انہوں نے نصرت امام کے لئے پوری کوشش کی، یہاں تک کہ یزیدی فوج کی نگاہوں سے بچتے بچاتے امام عالی مقام تک پہنچ گئے اور فرزند رسول پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

دوسری بات یہ کہ حضرت زید شہیدؑ کے حامیوں اور بیعت کرنے والوں میں صرف کوفہ کے شیعان علی ہی نہ تھے بلکہ دیگر مقامات کے لوگ بھی تھے جن میں شیعہ، سنی، معتزلی وغیرہ کی کوئی تمیز نہ تھی، سب ہی شامل تھے۔

شیعہ و شیعیت : لغت میں شیعہ کے معنی تابعدار، مددگار، گروہ اور دوست کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس شخص یا جماعت کو شیعہ کہتے ہیں جو جناب امیر علیہ السلام کو دوست رکھے اور آپ کو صحابہ سے مقدم سمجھے۔ (فتح الباری)۔ علامہ ابن اثیر تحریر فرماتے ہیں کہ غلب هذا الا سم علی من یزعم انه یتولیٰ علیا و اہلبینہ علیہ و علیہ السلام حتی صار لہم اسما خاصا۔ یعنی شیعہ انہیں لوگوں کو کہتے ہیں جو حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیتؑ کو رسولؑ کے نامزد کردہ اوصیا کے قائل ہوں اور یہ اسی طبقہ کا مخصوص نام ہے۔ صاحب کشاف اصطلاحات الفنون میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”یہ ایک بڑا فرقہ ہے جو شیعہ علی کے نام سے مشہور ہے ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؑ کے بعد جناب امیر علیہ السلام بہ نص جلی و خفی خلیفہ ہیں اور ان کے بعد یہ منصب انہیں کی (مضموم) اولاد میں تاقیامت رہے گا۔“

لغت کی وسعت کے اعتبار سے لفظ شیعہ اپنے متعلق کی نسبت سے ممدوح و مذموم ہوا کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی قوم حزب اللہ ہے تو وہ شیعۃ الرحمن کہلائے گی، جو کہ ممدوح ہے اور اگر کوئی قوم ابلیس رجیم کی تابعدار ہے تو وہ شیعۃ الشیطان کہلائے گی، جو کہ مذموم ہے۔

شیعت کے آغاز کے سلسلہ میں دو ادوار ہیں، ایک امم سابقہ کا دور، دوسرا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور۔ قرآن کریم جو بہترین تاریخ بھی ہے اُس میں لفظ شیعہ کا اشارہ ممدوحیت کے عنوان سے پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورہ القصص آیت: ۱۵ میں حضرت موسیٰ کے واقعات میں ارشاد ہوا ”(ایک تو) ان کا شیعہ اور دوسرا ان کا دشمن تھا، جو ان کا شیعہ تھا اُس نے اُسی شخص پر جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا (غلبہ حاصل کرنے کیلئے) موسیٰ سے مدد مانگی۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں یہ بھی ارشاد ہے کہ و ان من شیعته لا براہیم قال علیٰ دینیہ مجاہد اور قوادہ کا بیان ہے کہ جناب ابراہیمؑ جناب نوحؑ کے دین پر تھے اس لئے ان کو شیعۃ نوحؑ کہا گیا ہے۔^۱ اس طرح آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے اہل حق کے لئے لفظ شیعہ کا رواج قرآن حکیم سے ثابت ہے۔ عہد رسالت تا ب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شیعوں کے وجود اور آنحضرتؐ کے شیعوں کے فضائل و مناقب کتب احادیث میں مرقوم ہیں۔ ان میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ انصاری قال کنا عند النبیؐ فا قبل
علیؑ فقال النبیؐ والذی نفسی بیدہ ان ہذا و شیعته
لہم الفائزون یوم القیامۃ۔

یعنی جابر بن عبد اللہ انصاری سے منقول ہے کہ میں نبی کریم کے
پاس موجود تھا کہ ناگاہ حضرت علی ابن ابی طالب شریف لائے تو

سرکار ہادی عالم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یقیناً علی اور اُس کے شیعہ ہی بروز قیامت کامیاب و کامران ہیں۔

دوسری حدیث میں اللہ کے حبیب نے ارشاد فرمایا کہ:

عن ابن عباس قال لما نزلت ان الذين آمنوا و عملوا الصالحات او لنك هم خير البريه . قال رسول الله لعلي هوانت و شيعتك يوم القيامة راضين مرضين .
یعنی: ابن عباس سے منقول ہے کہ جب آیت ان الذين آمنوا و عملوا الصالحات او لنك هم خير البريه . قال رسول الله لعلي هوانت و شيعتك يوم القيامة راضين مرضين . ہوئی تو جناب سرور کائنات نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ تم اور تمہارے شیعہ قیامت میں خدا سے راضی ہو گئے اور خدا اُن سے راضی ہوگا۔

تیسری حدیث میں رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ:

عن علي قال قال رسول الله الم تسمع قول الله ان الذين آمنوا و عملوا الصالحات او لنك هم خير البريه . انت و شيعتك و موعدى و موعدكم الحوض ، اذا جئت الالم للحساب تدعون عن المحجلين۔

یعنی: حضرت علی ابن ابی طالب سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے آیت ان الذين آمنوا و عملوا الصالحات او لنك هم خير البريه . انت و شيعتك و موعدى و موعدكم الحوض ، اذا جئت الالم للحساب تدعون عن المحجلين سے مراد تم اور تمہارے شیعہ ہیں جن کی وعدہ گاہ حوض کوثر ہے جبکہ تمام اہل حساب کے لئے لائی جائیں گی۔ اُس وقت تم ضرا محجلین کے نام سے بلائے جاؤ گے۔

مورخین کے متعدد بیانات میں سے صرف ایک بیان بطور نمونہ پیش

ہے۔ جناب ابو جاتم رازی اپنی کتاب ”کتاب الزنیۃ“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

لہذا یہ تینوں احادیث فقیر درمنثور ج: ۶ ص: ۳۷۹ سے منقول ہیں۔

ان اول اسم ظہرفی الاسلام علیٰ عہد رسول اللہ
 ہوا الشیعة و كان هذا لقب اربعة من الصحابة و هم
 ابو ذر و سلمان الفارسی و المقداد بن الاسود و عمار
 بن یاسر الیٰ آن ، آن ، ادان . الصفین و اشہر بین
 موالی علیٰ و اشہر من كان من اتباع معاویة با لسنی
 یعنی پہلا نام جو اسلام میں بچہ رسالتآب ظاہر ہوا وہ شیعہ ہے اور
 یہ نام صحابہ میں چار اشخاص ابو ذرؓ، سلمان فارسیؓ، مقداد اسودؓ و عمار
 یاسرؓ کا لقب تھا یہاں تک کہ جنگ صفین کا موقع آیا اس وقت یہ نام
 دوستانہ ان علیؑ میں شہرت پکڑ گیا اور پیروان معاویہ سنی کے نام سے
 مشہور ہوئے۔“

پس ثابت ہوا کہ شیعہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو نصب خلیفہ نبی کو مشل
 نبی منجانب اللہ واجب جانتے ہیں۔ اور آیات قرآنی کی روشنی سے روز روشن کی
 طرح یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت نورؑ کے عہد تک شیعوں کی تاریخ کا سلسلہ
 ملتا ہے۔ نیز صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم مثل ابو ذر غفاری، سلمان فارسی، مقداد اسود،
 عمار یاسر اور ابو ایوب انصاری وغیرہ ہم شیعہ مسلمان تھے۔

کوفہ میں زید شہیدؑ کے معتقدین: باشندگان کوفہ کے عوام کا تو ذکر
 ہی کیا عمائدین، معززین اور اہل علم و تقویٰ، جن کی کوفہ میں اچھی خاصی تعداد
 موجود تھی، فکری و نظریاتی اعتبار سے مختلف طبقات میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں
 ایک طبقہ جو نہایت جوشیلہ تھا اور جس کے سرگروہ منصور بن المعتمر تھے انہوں نے تو
 حضرت زید شہیدؑ کی طرف سے اعلانیہ لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی۔ لکھا
 ہے کہ: كان منصور بن المعتمر يدور على الناس ياخذ البيعة
 لزید بن علیؑ یعنی منصور بن معتمر گشت کر کر کے لوگوں سے حضرت زید بن
 علیؑ کے لئے بیعت لیتے تھے۔

دوسرا طبقہ ان دور اندیش افراد کا تھا جنکے پیش نظر اہل کوفہ کی گذشتہ تاریخ تھی یعنی حضرت علی، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے ساتھ ان کی بدعہدی و بے وفائی۔ اس طبقہ کے سربراہ مشہور محدث سلمہ بن کہیل تھے۔ انہوں نے حضرت زید شہیدؓ سے تفصیلی گفتگو کی اور تاریخی واقعات کو یاد دلا کر آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ اپنے ارادے سے باز آجائیں۔ چونکہ جناب سلمہ بن کہیل جہاد کی کامیابی و ناکامی کے نتائج کو سامنے رکھ کر بات کر رہے تھے جبکہ حضرت زید شہیدؓ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد اپنے دادا حضرت امام حسینؑ کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ اس موقع پر آپ کی زبان مبارک پر جو اشعار تھے ان کا ایک مصرع یہ تھا: انسی امر نساموت ان لم اقتل یعنی میں ایک شخص ہوں، بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہو سکا۔

مورخین کا بیان ہے کہ سلمہ بن کہیل کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ آپ اپنے ارادہ پر مستقل ہیں تو عرض کی کہ مجھے کوفہ سے چلے جانے کی اجازت دیجئے، شاید کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو مجھ سے دیکھا نہ جاسکے۔ اس کے بعد جناب سلمہ کوفہ سے نکل کر یمامہ چلے گئے۔ لیکن جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے: ”سلمہ بن کہیل کا ۲۲ھ میں انتقال اسی زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں حضرت زید بن علی کوفہ میں شہید ہوئے“۔ اور اس طرح حضرت زید شہیدؓ کی وہ بات پوری ہوئی کہ ”میں ایک شخص ہوں، بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہو سکا“۔

تیسرا طبقہ ان مخلصین کا تھا جو ایک طرف تو کوفہ والوں کی تاریخی بے وفائیوں کو دیکھتے ہوئے کھل کر جہاد میں شرکت سے گریز کر رہے تھے لیکن دوسری طرف بنی امیہ کے بے انتہا مظالم کے پیش نظر اس موقعہ غنیمت کے ضائع ہو جانے پر آمادہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اس طبقہ کے سرخیل محدث جلیل امام نبیل

الاعمش تھے۔ تاریخوں میں ان کا قول نقل ہے کہ ایک طرف وہ کہتے تھے کہ:
والله ليخذلنه والله لسلمنه كما فعلوا بجدّه وعمه یعنی خدا کی قسم
یہ لوگ زید کو چھوڑ دیں گے،

دشمنوں کے سپرد کر دیں گے جیسے ان کے دادا کے ساتھ کیا۔ لیکن
دوسری طرف یہ بھی فرماتے تھے کہ: واللہ لو لا ضارۃ لی لخرجت معہ
یعنی خدا کی قسم اگر (آنکھ میں) میرے ہرج نہ ہوتا تو ان کے ساتھ میں بھی نکل
کھڑا ہوتا۔ کچھ یہی حال کوفہ کے دوسرے امام جناب سفیان ثوری کا تھا یعنی وہ
حضرت زید کیساتھ جنگ میں شریک بھی نہیں تھے لیکن یہ بھی فرماتے ہیں جیسا کہ
ابوعوانہ کی روایت سے ظاہر ہے کہ: اذا ذکر زید بن علی یقول بذل
مہجته لربہ وقام بالحق لخالقه دالحق بالشہداء المرزوقین
من آباءہ یعنی جب سفیان ثوری حضرت زید کا ذکر کرتے تو کہتے اپنی جان
اللہ کی راہ میں نثار کر دی اور اپنے خالق کی مرضی کی پابندی میں حق کو لے کر
کھڑے ہوئے اور اپنے اُن گزشتہ آباؤ اجداد میں شریک ہو گئے جنہیں خدا نے
شہادت روزی کی تھی۔ مخلصین کے اسی طبقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ بھی نظر آتے
ہیں جو حضرت زید شہیدؓ کے جہاد میں شریک تو نہیں ہوئے لیکن پوشیدہ طور پر آپ
کی مالی معاونت کرتے اور لوگوں کو زید شہیدؓ کی مدد کرنے پر راغب کرتے تھے۔
گو کہ جناب زید شہیدؓ نے اپنے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر اپنے نمائندے کے
ذریعہ آپ کو باقاعدہ دعوت بھی دی تھی۔

امام ابوحنیفہؒ کو دعوتِ جہاد: حضرت زید شہیدؓ نے اپنے کوفہ میں قیام
کے دوران جہاد کی جو تحریک شروع کی تھی اسکی دعوت باقاعدہ طور پر حضرت امام
ابوحنیفہؒ کو بھی دی۔ آپ نے فضیل بن زبیر کو اپنا پیلی بنا کر امام ابوحنیفہؒ کے پاس

بھیجا اور بیعت کی دعوت دی جیسا کہ موفق میں لکھا ہے کہ ارسل اعلیٰ ابی حنیفہ یدعوہ الی نفسہ یعنی: حضرت زید نے فضیل کو ابوحنیفہ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اپنی ذات کی طرف امام ابوحنیفہ کو دعوت دینا چاہتے تھے (یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرو)۔

خود فضیل بن زبیر کا بھی بیان ہے کہ کنت رسول زید بن علی الی ابی حنیفہ یعنی: میں امام ابوحنیفہ کے پاس حضرت زید کا قاصد بن کر گیا۔ فضیل نے مزید کہا کہ امام نے مجھ سے سوال کیا کہ فقہا (مراد طبقہ اہل علم) میں سے حضرت زید کے پاس کن کن لوگوں کی آمد و رفت ہے، فضیل نے چند ممتاز ہستیوں کے نام بتائے۔ نہیں معلوم امام نے فضیل سے یہ سوال کیوں کیا، غالباً وہ حضرت زیدؓ کے حامیوں کی طاقت کا اندازہ کرنا چاہتے ہوں گے۔ بہر حال یہ امر مصدقہ ہے کہ شہیدؓ کی جانب سے امام کو دعوت دی گئی۔

اس کے باوجود امام ابوحنیفہؒ نے زید شہیدؓ کے جہاد میں شرکت نہیں کی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے کچھ عذر پیش کیا اور کہا بسط عذری عندہ یعنی حضرت زید کے سامنے میرے عذر کو بیان کرنا۔ لیکن وہ عذر کیا تھا موفق نے ایک دوسری روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ "اعتلذ بمرض یعتبرہ فی الایام" حتیٰ تخلف عنہ یعنی آپ نے اپنی ایک بیماری کا عذر کیا، جس کا دورہ وقتاً فوقتاً پڑ جاتا تھا اسی وجہ سے حضرت زید کا ساتھ نہ دے سکے۔ اس کے علاوہ بھی لکھنے والوں نے دیگر متعدد وجوہات بیان کی ہیں گو کہ آپ نے جہاد میں شرکت نہیں کی مگر جہاد کیلئے حضرت زیدؓ کی مال سے مدد فرمائی بقول مولانا مناظر احسن گیلانی آپ نے دس دس ہزار کی دس تھیلیاں گھر سے لا کر فضیل بن زبیر کے حوالے کیں اور فرمایا اعینہ بما لی فتیقوی بہ

علی من خالفہ یعنی میں حضرت کی خدمت اس مال سے کرتا ہوں، حضرت سے عرض کرنا کہ اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے بھی فائدہ حاصل کریں۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ کان ابو حنیفہ یفتی سرّاً لوجوب نصرۃ زید و حمل المال الیہ ۱ یعنی امام ابو حنیفہ پوشیدہ طور پر حضرت زید کی امداد کے فرض ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور ان کے پاس پوشیدہ طور پر مالی امداد بھی بھیجتے تھے۔ گویا حج بدل کی طرز پر امام صاحب نے ”جہادِ بدل“ کا طریقہ اختیار فرمایا۔

لکھنے والوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے زید شہیدؒ کے ایلچی سے کہا کہ: لو علمت ان الناس لا یخذلو نہ و یقومون معہ قیام صدق اکت اتبعہ و اجاہد معہ من خالفہ یعنی اگر میں جانتا کہ لوگ آپ کو وقت پر چھوڑ نہ دیں گے اور واقعی راست بازی اور سچے عزم کے ساتھ ان کی رفاقت میں کھڑے ہوں گے تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرتا۔

امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ: اس دعوت کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا: خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یوم بدر یعنی حضرت زید کا اس وقت اٹھ کھڑے ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدر میں تشریف بری کے مشابہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح آنحضرتؐ کا قریش کے مقابلہ میں صف آرا ہو جانا ایک غیر مشتبہ فیصلہ تھا بالکل اسی طرح اس وقت حکومتِ بنی امیہ کے خلاف حضرت زید کا اٹھ کھڑے ہونا اور حکومت کو الٹ دینے کی کوشش کرنا ایمان و اسلام کے لئے ضروری ہے، گو کہ اس وقت کفار کے بجائے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ گویا

امامؑ نے حضرت زیدؓ کے جہاد کی شرعی حیثیت واضح فرمائی۔ اور اپنے مسلک کا اظہار ایک خاص قسم کی تعبیر کے ذریعہ فرمایا ہے۔
تقریباً یہی کچھ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، آپ تحریر فرمایا ہے کہ:

”اس خروج میں امام ابوحنیفہ کی پوری ہمدردی ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے زید کو مالی مدد بھی دی اور لوگوں کو ان کا ساتھ دینے کی تلقین بھی کی (المحاصر ج: ۱ ص: ۸۱) انہوں نے ان کے خروج کو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے تشبیہ دی (الہکلی ج: ۱ ص: ۲۶۰) جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک جس طرح اُس وقت آنحضرت کا حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا اسی طرح اس خروج میں زید بن علی کا بھی حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا لیکن جب زید کا پیغام ان کے نام آیا کہ آپ میرا ساتھ دیں تو انہوں نے قاصد سے کہا کہ ”اگر میں یہ جانتا کہ لوگ ان کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور سچے دل سے ان کی حمایت میں کھڑے ہونگے تو میں ضرور ان کے ساتھ ہوتا اور جہاد کرتا کیونکہ وہ امام برحق ہیں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسی طرح ان سے بے وفائی کریں گے جس طرح ان کے دادا (سیدنا حسینؑ) سے کر چکے ہیں۔ البتہ میں روپے سے ان کی مدد ضرور کروں گا۔“ (خلافت و ملوکیت ص: ۲۶۷)

مختصر یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت زید شہیدؓ کی نہ صرف مالی مدد کی بلکہ آپ نے اپنے اقوال اور فتوے کے ذریعہ لوگوں کو زید شہیدؓ کے جہاد میں شرکت کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے تحریک بھی چلائی۔ مگر آپ نے بذات خود اس جہاد بالسیف میں شرکت نہیں فرمائی۔ آپ کی اس عدم شرکت کی بابت علماء و مورخین نے بہت سے دلائل و تاویلات پیش کی ہیں۔

۱۔ ماخوذ از امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۵۰ تا ۱۵۲۔

جہاد اور شہادت

جہادِ زید شہیدؓ کے اسباب: حضرت زید شہید علیہ الرحمہ کے جہاد کی بابت متعدد مورخین و مولفین قدیم و جدید نے تفصیلاً و اجمالاً اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر پیش کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے جہاد بالسیف کا سب سے اہم اور بنیادی سبب امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی تھا۔ تعمیراتِ زمانہ کے باعث مملکتِ اسلامیہ کے مسلمان حکمرانوں نے اسلامی اقدار کو پامال کر کے عجمی و رومی شہنشاہیت کے ظالمانہ و جابرانہ طریقوں کو اپنالیا تھا۔ وہ اپنے اقدار کو قائم رکھنے کی خاطر مسلمانوں پر بدترین مظالم ڈھانے کو اپنا جائز حق تصور کرنے لگے تھے۔ اور اسلامی معاشرے میں سیاسی وجوہ کی بناء پر اس قسم کے ظلم و ستم ڈھانے والے حکمرانوں کو تقویت اس لئے پہنچی کہ عوام و خواص نے یہ کہہ کر کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ من جانب اللہ ہوتا ہے اپنے طور پر اعتقادِ جبر کو قبول کر لیا اور مر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ہدایت کو پس پشت ڈال دیا۔ جیسا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

”اس دور کے تعمیرات میں سے ایک اور اہم تعمیر یہ تھا کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی۔ حالانکہ اسلام نے اسے مسلمانوں کا صرف حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا“
(خلافت و حکومت ص: ۱۶۳)

حکمرانوں کی ان سفاکانہ کارروائیوں کو مولوی شبلی صاحب نے اختلاف امت کا سبب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سبب اسباب فراہم تھے، لیکن ابتداء پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی۔ بنی امیہ کے زمانہ میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا، طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی لیکن جب بھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تو طرفداران حکومت یہ کہہ کر اس کو چپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دم نہیں مارنا چاہئے آمنّا بِالْقَدْرِ خَیْرٌ وَ شَرٌّ“

(علم الکلام ج ۱ ص ۱۷۰)

اگر ہم مورخین کے بیانات کا بغور جائزہ لیں تو تقریباً سب ہی نے چند اہم واقعات کو جہاد کا سبب قرار دیا ہے۔ ذیل میں ہم ایسے ہی چند بیانات نذر قارئین کر رہے ہیں اس کے بعد ان بیانات کی روشنی میں تجزیہ پیش کریں گے۔

علامہ سیب ابن جوزی کا بیان ہے کہ:

”مورخین نے آپ کے خروج کی وجہ و سبب میں اختلاف کیا ہے۔ پہلے ابن سعد نے واقعی سے ذکر کیا ہے کہ زید بن علی، ہشام کے پاس تشریف لے گئے۔ پس اس کے سامنے اپنے قرض کثیر اور حوائج کا ذکر کیا تو اس نے ان میں سے کسی چیز کو پورا نہیں کیا۔ اور ہشام نے ان سے سخت کلامی کی۔ راوی کہتا ہے آپ ہشام کے دربار سے نکلے اور کہا کہ کوئی شخص زندگی کو نہیں چاہتا مگر یہ کہ وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ پھر زید کوفہ کی طرف گئے اور وہاں کا عامل ہشام کی طرف سے یوسف بن عمر تھا“ (تذکرۃ الخوارج ص ۳۹۲)

جناب آغا محمد سلطان مرزا دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”حکمران طبقہ کے وکیل مولوی شبلی نے اولاً و علیٰ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ”انہوں نے بار بار حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے خلفاء کے خلاف

خروج کیا لہذا خلفاء ان کو قتل و قید کرنے پر مجبور تھے“ درآں حالیکہ صورت حال بالکل برعکس تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب حکمران طے کا علویین کو قتل کرنے کا جی چاہتا تھا تو بہانے کی تلاش ہوتی تھی اور وہ بہانہ اس طرح پیدا کیا جاتا تھا کہ علویین پر بے انتہا ظلم اور سختیاں شروع کر دی جاتی تھیں۔ انکی تذلیل و توہین کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ظالم سے مقابلہ پر تل جاتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہم قتل ہو گئے اور پھر قتل ہو جاتے تھے۔ وہ تنگ آمد جنگ آمد کے اصول پر عمل کرتے تھے۔ ظالم حکمران ان کے قتل کا بہانہ ڈھونڈتے تھے اور ظلم کر کے اس کو پاتے تھے۔ اور اولاد علی عزت کی موت کا بہانہ تلاش کرتی تھی اور اسے میدان جنگ میں پاتی تھی۔“

(نور المشرقیین من حیات الصادقین ص ۲۷۶)

روضۃ السالکین میں مرقوم ہے کہ:

”سب خروج زید روئے سرتافتن از اطاعت بنی مروان این بود کہ برائے شکایت از خالد بن عبد الملک بن حرث بن الحکم امیر مدینہ بسوئے ہشام بن عبد الملک را گرفت و ہشام اور رخصت حضور یمند او زید مطالب خویش برد برانگاشت و ہشام در اسفل مکتوب او می نوشت بزین خویش باز گردوزید فرمود سو گند بخدا ہرگز سوئے این الحرث باز نہ شوم“

ترجمہ: جناب زید کے خروج کا اور بنی مروان کی اطاعت سے رخ پھرانے کا سبب یہ تھا کہ جناب زید، خالد بن عبد اللہ بن عبد الملک بن حرث بن الحکم امیر مدینہ کی شکایت کیلئے ہشام بن عبد الملک کے پاس تشریف لے گئے۔ لیکن ہشام نے آپ کو حاضر ہونے کی اجازت نہ دی۔ تب جناب شہید نے اپنے مقاصد تحریر کئے لیکن ہشام نے اسی مکتوب کے آخر میں یہ تحریر کر دیا کہ اپنی زمین یعنی

مدینہ کو واپس چلے جاؤ۔ جناب زید فرما رہے تھے کہ خدا کی قسم میں ہرگز ابن الحمرث کی جانب واپس نہ جاؤں گا۔

(بطل رشید زید شہید ص: ۱۳۳)

جسٹس امیر علی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

The decedents of Ali II, the son of Hussain, led a still more retired life, devoting themselves to literary and philosophical pursuits sanding wholly aloof from the agitation in which thir kinsmen of the family of Abbas were engaged. Zaid and his son had been driven by cruelty to take up arms against Hisham and Walid II, and had lost their lives. The Banu Hasan and the Banu Hussain lived in Medina, where they maintained themselves with the income of the little property that was left to them, supplemented by the proceeds of commerce or the more uncertain profits of the lecture-room. But in spite of their comparative lack of means, they were held in the highest esteem by their fellow citizens.

(History of Saracens P. 219)

ترجمہ: حضرت امام حسین کی فرزند علی ثانی (زین العابدین) کی اولاد گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو ترویج علم و قلفہ کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ اور ان تمام احتجاجی سرگرمیوں سے علیحدگی اختیار کی ہوئی تھی جن میں ان کے قریبی عزیز بنو عباس کے لوگ مصروف تھے۔ جناب زید اور ان کے فرزند بچے ظالمانہ برتاؤ کے باعث ہشام اور ولید ثانی کے مقابل شمشیر بکف میدان میں نکل آئے اور اپنی جائیں قربان کر دیں۔ اولاد حسن اور

اولاد حسینؑ مدینہ میں اس نہایت قلیل آمدنی پر گزر بسر کر رہے تھے جو موروثی جائیداد، ضمنی تجارت یا درس و تدریس کے عوض غیر یقینی طور پر حاصل ہوتی تھی۔ لیکن مقابلتاً ان محدود ذرائع آمدنی کے باوجود اُن کو معاشرے میں اعلیٰ ترین مقام حاصل تھا۔

شیخ محمد عباس قمی نے مسعودی کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ:

”سب خروج زید آن شد کہ در رصافہ (کہ از اراضی قسمرین است) بر ہشام داخل شد و چون وارد مجلس او شد جائی از برای خود نیافت کہ بنشیند و ہم از برای او جائی نکشودند لا جرم در پائیں مجلس بنشست و روی ہشام کرد و فرمود: لیس احدی کبیر عن تقوی اللہ ولا یصغر دون تقوی اللہ وانا اوصیک بتقوی اللہ فاتقہ ہشام گفت ساکت باش، الام لک توئی آنگس کہ بخیاں خلافت افتادہ ای و حال آنکہ تو فرزند کثیری میباشی۔ زید گفت از برای حرف تو جوانی است اگر بخوانی یگویم و اگر نہ ساکت باشم، گفت بگو، فرمود: ان الامہات لا یقعدن بالرجال عن الغایات پستی رتبہ مادران موجب پستی تدر فرزندان نمی شود و این باز نمیدارد ایشان را از ترقی و رسیدن بپایان، آنگاہ فرمود مادر اسمعیل کثیری بود از برای مادر اسحاق و با آنکہ مادرش کثیر بود حق تعالیٰ اورا مبعوث بہوت فرمود و قرار داد اورا پدر عرب و بیرون آورد از صلب او پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تو مرا بمادر طعنہ میزنی و حال آنکہ من فرزند علی و قاطعہ صلوات اللہ علیہا میباشم پس بپاخواست و خواند“

(منہجی الامال ج ۲ ص: ۵۷)

ترجمہ: زید شہید کے خروج کا سبب یہ تھا کہ آپ رصافہ (سرزمین قسمرین) میں ہشام کے پاس گئے۔ جب آپ دربار میں پہنچے تو بیٹھنے کیلئے مناسب جگہ نظر نہ آئی، چار و ناچار ایک جگہ بیٹھ گئے اور ہشام کو مخاطب کر کے فرمایا ”خدا کے بندوں کے درمیان نہ تو کوئی

اتنا بڑا ہے کہ جس کو تقویٰ کی وصیت نہ کی جاسکے اور نہ کوئی اتنا چھوٹا ہے جو تقویٰ کی وصیت نہ کر سکے۔ ہشام نے کہا ”خاموش رہ، تو وہی تو ہے جو اپنے دل میں خلافت کی خواہش رکھتا ہے، حالانکہ تو کثیر کے بطن سے ہے۔“ زید نے جواب دیا ”تیرے ان الفاظ کا جواب میرے پاس ہے، اگر تو کہے تو بیان کروں ورنہ خاموش رہوں“ ہشام نے کہا بیان کر۔ تب آپ نے فرمایا ”مائیں کبھی اولاد کی ترقی میں رکاوٹ نہیں بنتیں، یعنی ماؤں کے رتبہ کی پستی فرزندان کی پستی قدر کا موجب نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ اُن کی ترقی میں رکاوٹ بنتیں ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ”حضرت اٹحقؑ کی ماں کے مقابلہ میں حضرت اسمعیلؑ کی ماں کثیر تھیں اس کے باوجود حق تعالیٰ نے جناب اسمعیلؑ کو نبوت عطا فرمائی اور اُن کو عربوں کا باپ قرار دیا اور اُن کے صلب سے نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تولد فرمایا، اس کے باوجود تو مجھے ماں کا تعنہ دیتا ہے حالانکہ میں علیؑ و فاطمہؑ کا فرزند ہوں“ پس آپ نے کھڑے ہو کر چند اشعار کہے۔

اس واقعہ سے متعلق مسعودی کا تفصیلی بیان ہم گذشتہ صفحات میں تحریر کر آئے ہیں۔ علامہ باقر مجلسی نے بھی اس واقعہ کو مسعودی سے ہی لیا ہے۔

قاضی نور اللہ سوشتری علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ:

”زید ابن علی مدعی خلافت نہیں تھے بلکہ یقین کامل رکھتے تھے کہ ان کے زمانہ میں خلافت کے حقیقی وارث و مستحق امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ آپ کے خروج کا مقصد صرف یہ تھا کہ دشمنان اہلبیت و قاتلان امام حسین علیہ السلام سے خون کا بدلہ لیا جائے۔ آپ ہر طور سے اپنے حصول مقصد کیلئے افراد کو جمع کرنا چاہتے تھے تاکہ اپنے دشمنوں کو دفع کر سکیں، چنانچہ ہر اس شخص نے جو بنی امیہ کے

فتق و جور سے تنگ آچکا تھا جس میں ”سنی و معتزلی“ کی قید نہ تھی۔
اس سلسلہ میں آپ کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔“

(جالس المؤمنین ص: ۳۴۷)

ابوالفرج الاصفہانی کا بیان ہے کہ:

”حضرت زید شہید سے جب سبب خروج دریافت کیا گیا تو
آپ نے ارشاد فرمایا کہ الامر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے
خروج کیا ہے“ (مقاتل الطالبین ص:)

ناخ التوارخ میں درج ہے کہ:

”زید ابن علی برائے امر بالمعروف و نہی عن المنکر خروج نمود نہ بر
سبیل مخالفت با برادرزادہ اش جعفر ابن محمد۔“

ترجمہ: زید بن علی نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے خروج کیا نہ
کہ اپنے بھتیجے جعفر ابن محمد کی مخالفت کے طور پر۔

طبری نے حضرت زید شہیدؓ کے سبب جہاد اور واقعہ شہادت سے متعلق

درج ذیل چند روایتیں بیان کی ہیں، طبری کا پہلا بیان ہے کہ:

”زید بن علی، محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب اور داؤد بن علی بن
عبداللہ بن عباس، خالد بن عبداللہ کے پاس جو اس وقت عراق کا
والی تھا آئے۔ خالد نے ان کو بہت سارے پتے دیئے دیئے۔ یہ لوگ مدینہ
واپس آ گئے۔ جب یوسف بن عمر خالد کا جانشین ہوا تو اُس نے
ہشام کو ان اصحاب کے نام اور وہ رقم لکھدی جو خالد نے انھیں دی
تھی۔ نیز اپنے خط میں اسکا بھی تذکرہ کیا کہ خالد نے زید بن علی
سے مدینہ میں ایک زمین دس ہزار دینار میں خریدی تھی، مگر پھر انھیں
واپس دیدی۔ ہشام نے اپنے عامل مدینہ کو حکم بھیجا کہ ان لوگوں کو
میرے پاس بھیج دو۔ جب یہ ہشام کے پاس آئے تو ہشام نے ان
سے دریافت کیا، ان لوگوں نے اُس روپیہ کا تو اقرار کیا جو بطور صلہ

کے خالد نے انھیں دیا تھا، باقی اور تمام باتوں سے انکار کر دیا۔
ہشام نے زید سے زمین کے متعلق دریافت کیا، زید نے انکار کیا
اور حلف اٹھایا۔ ہشام نے اُن کے بیان کو صحیح تسلیم کیا۔“
(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۶۳)

طبری کا دوسرا بیان اس طرح ہے:

”یزید بن خالد القسری نے دعویٰ کیا کہ ہمارا روپیہ زید بن علی، محمد
بن عمرو بن علیؓ بن ابی طالب، داؤد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن
عبد المطلب، ابراہیم بن سعد بن عبد الرحمن بن عوف الزہری اور
ایوب بن سلمہ بن عبد اللہ بن الولید بن المغیرہ المخزومی کے پاس جمع
ہے۔ یوسف بن عمر نے ان لوگوں کے بارے میں ہشام کو لکھا۔“
(ایضاً)

طبری کا تیسرا بیان عطاء بن مسلم الخثعمی کی روایت کے حوالے سے اس

طرح ہے کہ:

”یزید بن علی نے خواب دیکھا تھا کہ عراق میں انھوں نے آگ
مشتعل کی ہے پھر اسے بجھا دیا اور پھر وہ مر گئے۔ اس خواب نے
انھیں خوف زدہ کر دیا۔ انھوں نے اپنے بیٹے یحییٰ سے بیان کیا کہ
میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔
پھر وہ خواب بیان کیا اس کے بعد ہشام کا خط ان کی طلبی کیلئے آیا۔
جب یہ ہشام کے پاس آئے تو ہشام نے انھیں حکم دیا کہ آپ اپنے
حاکم یوسف کے پاس جائیں۔ انھوں نے ہشام سے کہا کہ میں
آپ کو اللہ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ آپ مجھے اُس کے پاس نہ بھیجیں
کیونکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر آپ نے مجھے اُس کے پاس بھیج دیا تو
میں اور آپ پھر کبھی زندہ اس دنیا میں ایک جا جمع نہ ہوں گے۔ مگر
ہشام نے کہا آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اُس کی تعمیل کیجئے، چنانچہ زید
یوسف کے پاس آئے۔“
(طبری ج ۶ ص ۲۶۶)

طبری کا چوتھا بیان اس مضمون کا ہے:

”جب یوسف بن عمر نے خالد بن عبداللہ پر سختی کی تو اُس نے دعویٰ پیش کیا کہ میں نے زید بن علی، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس اور قریش کے دو اور شخصوں کے پاس جن میں ایک مخزومی اور دوسرا حنّی تھا ایک بڑی رقم بطور امانت رکھائی ہے۔ اسکے متعلق یوسف نے ہشام کو لکھا اور ہشام نے اپنے ماموں ابراہیم بن ہشام کو جو مدینہ کے عامل تھے لکھا اور حکم دیا کہ ان لوگوں کو میرے پاس بھیج دو۔ ابراہیم بن ہشام نے زید اور داؤد سے بلا کر اس معاملہ میں دریافت کیا اور کہا کہ خالد نے ایسا بیان کیا ہے۔ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ اُس نے کوئی رقم ہمارے پاس امانت نہیں رکھوائی۔ ابراہیم نے کہا میں تو آپ کو بالکل سچا سمجھتا ہوں مگر آپ کو معلوم ہے کہ امیر المؤمنین کا حکم آیا ہے اور اس کی تعمیل ضروری ہے۔ ابراہیم نے ان دونوں کو شام بھیج دیا۔ وہاں جا کر انھوں نے نہایت سخت قسم کھا کر کہا کہ خالد نے ہمارے پاس کوئی امانت نہیں رکھوائی۔ داؤد نے یہ بھی کہا کہ میں عراق میں اسکے پاس گیا تھا اور اس نے ہدیہ مجھے ایک لاکھ درہم دلائے تھے۔ ہشام نے کہا میں امین انصرانیہ کے مقابلہ میں آپ دونوں کو بالکل سچا سمجھتا ہوں آپ یوسف کے پاس جائیے تاکہ وہ آپ کا اس سے مواجہہ کرادے اور آپ اس کے منہ پر اسے جھٹلا دیں۔“ (تاریخ طبری ج: ۶ ص: ۲۶۶)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ:

”۳۸ھ میں جب ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ القسری کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے اس کے خلاف تحقیقات کروائی تو اس سلسلہ میں گواہی کے لئے حضرت زید کو بھی مدینہ سے کوفہ بلا یا گیا“ (خلافت و ولایت ص: ۲۶۶)

ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

”جب برسرِ اقتدار طبقے کی طرف سے آپ کی دل آزاری اور ذہنی اذیت کے متعدد حادثات رونما ہوئے تو آپ کو نہ صرف یہ کہ آواز بلند کرنی پڑی بلکہ بذاتِ خود معرکہ شمشیر و سنا تک آنا پڑا۔ آپ آخری باریہ بکھر دربار دمشق سے نکلے مَا أَحَبَّ الْحَيَاةَ أَحَدًا لِأَذَلِّ یعنی جس شخص نے بھی دنیا کی زندگی دوست رکھی وہ ضرور ذلیل ہو اور عراق کا رخ کیا، جہاں پہلے کبھی درس دیا کرتے تھے اور اب محافظِ اقدار دین بن کر رونما ہوئے تھے۔ اس موقع پر عراق میں چالیس ہزار تابعین نے آپ کی حمایت کا وعدہ کیا لیکن مجاہدوں کی شیرانہ فطرت کے طریقہ کار اور استبداد یوں کے روباہی حیلوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ دربار کی فتنہ پرداز یوں، وعدہ و وعید کی امید و بیم اور دولت کی ہوا و ہوس نے آپ کے تابعین کی جمیعت کو توڑنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ روزگارِ آرزو آپ کے اعوان و انصار کی تعداد چالیس ہزار سے گھٹ کر محض تین سو رہ گئی۔ پھر بھی آپ کے استقلال مزاج میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقصد جلیل لیکر اٹھے تھے اور اسی پر آخری دم تک قائم رہے۔ آپ نے حق کی حمایت میں باطل کے خلاف جہاد کیا اور نہایت پامردی کے ساتھ تین شب و روز حکومت کے لشکر جبار کا مقابلہ کیا۔ (موصوف نے قاضی نور اللہ شوشتری کے اشعار لکھے)

فَلَمَّا تَرَدَّى بِالْحَمَائِلِ وَأَنْتَهَى يَصُوبُ اطْرَافِ الْفَيْسَى الدَّوَائِلِ

جس وقت تلوار لیکر صرف اعدائے گھس جاتے تھے تو بہادریوں کے اوسانِ خطا ہو جاتے تھے

تَبَيْتَ إِلَّا غَدَاءً إِنَّ مَنَا نَهْ يُطِيلُ حَيْنًا لَأَمَّهَاتِنَا لَنُوَكِّلِ

اور جب نیزہ لے کر حملہ آور ہوتے تھے تو مائیں اس طرح روتیں جیسے انکا جوان لڑکا مر گیا ہو

(جالس المؤمنین ص: ۳۴۷)

مختصر یہ کہ تین شب و روز کے مجاہدے کے بعد ایسے وقت پر آپ کی پیشانی پر ایک تیر لگا کہ جب تاریکی شب کے باعث جنگ بند ہو رہی تھی فوراً ہی آپ کے زُفہاء آپ کو میدان جنگ سے اٹھا کر لے گئے اور معالج کی فکر کی۔ عین اُس وقت جب کہ جراح آپ کی پیشانی سے تیر نکال رہا تھا آپ نے اپنی جان، جاں آفریں کو سپرد کی۔ شہادت کے بعد آپ کے احباب نے آپ کو دفن کر دیا تھا لیکن سفاک حاکموں کے جذبات انتقام محض آپ کی شہادت کی خبر سے مطمئن نہیں ہو سکے۔ آخر قبر کھود کر میت کو باہر نکالا اور اُس کا سر قلم کر کے بادشاہ وقت یعنی ہشام بن عبدالملک کے پاس بطور تحفہ بھیج دیا۔ نعرش کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا اُسے کناسہ کے مقام پر سولی پر چڑھا دیا۔ (سادات باہرہ تاریخ کے مدوخترو میں ص ۱۷۰)

علامہ باقر مجلسی نے ”الخراج والخراج“ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

”حسن بن راشد سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں جناب زید کا ذکر برائی سے کیا، تو امام علیہ السلام نے فرمایا، ایسا نہ کرو۔ خدا میرے پیچھے پر جم فرمائے وہ ایک بار میرے پیر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں ظلم اور خدا کی نافرمانی کے خلاف خروج کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کام میں تمہارے قتل کئے جانے اور کوفہ کے باہر صولی پر لٹکا دیئے جانے کا خوف ہے۔ کیا تم اس کو پسند کرو گے؟ انھوں نے کہا کہ بیشک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اللہ کے لئے کروں گا، اس لئے مجھے جو کچھ تکالیف پہنچیں گی برداشت کروں گا۔“

(الخراج والخراج ص ۱۹۶ بحوالہ حصار الانوار ج ۲ ص ۲۱۵)

جناب محمد عباس قمر زیدی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

”مگر خاندان پر مظالم کی داستان سننے والے کان اور بزرگوں کی
 غمگین زندگی دیکھنے والی آنکھیں اور خود اپنے دور میں جاری و ساری
 مظالم و بندشیں حضرت زید کی زندگی میں ٹھٹھن اور ظلم کے خلاف
 جذبہٴ جہاد پیدا کرنے کا سبب بنتی چلی گئیں، مگر ان بزرگوں کا وجود
 اس جذبہ کے آزادانہ اظہار میں سدراہ بنتا رہا۔ اور انتہائی مجبوری و
 بے چارگی کے عالم میں حضرت زید اپنی زندگی کے ایام بسر کرتے
 تھے۔۔۔۔۔۔ اپنے جد امام حسین علیہ السلام کے خون کے
 انتقام کا جذبہ قلب میں موجزن رہا لیکن نامساعد حالات نے اس کا
 موقع نہ دیا کہ اس جذبہ کی تسکین ہو سکے۔ ادھر اس زمانہ میں بنی
 امیہ کا آفتاب جبر و تشدد نصف النہار پر پہنچا، اسلامی رسوم منادیے
 گئے، احکام قرآنی و تعلیمات رسولؐ سلاطین وقت کی خواہشوں اور
 بدعتوں کا شکار ہو گئے۔ خون آشام ششیروں کی ہیبت سے دنیائے
 اسلام لرزہ بر اندام ہو گئی،۔۔۔۔۔۔ مگر اہلیت کی انتہائی خاموشی و
 احتیاط آمیز زندگی کے باوجود سلاطین وقت ان کے علم و زہد و تقویٰ
 اور کمالات روحانیت کی بنا پر ڈرتے رہے گہراتے رہے طرح
 طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے۔۔۔۔۔۔ حضرت زید شہید بنی امیہ
 کے رویہ سے تنگ آچکے تھے اور مناسب سمجھتے تھے کہ ایسے زمانہ میں
 امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بقا کے لئے جدوجہد کرنا امر عظیم ہے“
 (بطل رشید زید شہید ص ۱۱۱)

مورخین کے مندرجہ بالا بیانات سے جو بات واضح طور پر سامنے آتی
 ہے وہ یہ ہے کہ اولاد علیؑ و فاطمہؑ خصوصاً امام علی زین العابدینؑ اور آپ کی اولاد
 انتہائی قلیل آمدنی پر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ سیاسی ہنگامہ آرائیوں اور
 ملکی سیاست سے کنارہ کش رہتے تھے اور دین کی تبلیغ، علم کی ترویج اور معاشرے
 کی اصلاح پر بھرپور توجہ دیتے تھے جس کے باعث عوام و خواص میں عزت و

احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ اہل بیت رسول کے ساتھ مسلم اُمہ کے انہی جذبات عقیدت و احترام کے سبب حکمرانوں کی آتش حسد اور بھڑکتی رہتی تھی۔ لہذا حکمران طبقہ ہمیشہ اُن سے خائف رہتا تھا اور ہر ہر موقع پر اُن کی تذلیل و تحقیر کر کے اپنی آتش حسد میں کمی اور اہل بیت رسول کی عزت نفس کو مجروح کرتا رہتا تھا۔ حاکم وقت اور اسکے صوبائی والیوں کا تحقیر آمیز رویہ اور ظلم و جبر میں گھرے ہوئے افراد کی پکار ہی حضرت زید شہیدؓ کے جہاد بالسیف کا سبب بنی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ قتل کر دئے جائیں گے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے میدانِ جدال و قتال کی راہ پر گامزن ہوئے۔

مندرجہ بالا بیانات میں سے دو بیان قابلِ توجہ ہیں۔ اول واقدی کا بیان جسے سبطان جوزی نے تحریر کیا کہ حضرت زید شہیدؓ قرض کثیر اور حوائج کیلئے امداد حاصل کرنے کی غرض سے ہشام کے پاس گئے۔ دوم طبری کا بیان کہ جب ہشام آپ کو یوسف بن عمر کے پاس کوفہ بھیج رہا تھا تو آپ نے اسے اللہک واسطہ دیکر کہا کہ آپ کو وہاں نہ بھیجے۔ پہلے بیان کی بابت غور طلب بات یہ کہ کیا حضرت زید شہیدؓ اور اموی حکمرانوں کے تعلقات کبھی بھی ایسے رہے کہ آپ اُن سے مدد طلب کرتے۔ حضرت زید شہیدؓ ہی کیا بنی ہاشم اور بنی امیہ کے تعلقات کی تفصیل تاریخ کی جملہ کتب میں مرقوم ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا واقدی کا بیان حقیقت پر مبنی ہے؟ دوسرے طبری کے بیان میں حضرت زید شہیدؓ نے یوسف کے پاس کوفہ جانے میں جو تعامل برتا اس کی وجہ اسی بیان میں موجود ہے۔ چونکہ یوسف دشمنانِ اہل بیت رسول میں سے تھا اسلئے آپ نے جو خدشہ ظاہر کیا وہ درست ثابت ہوا یعنی ”میں اور آپ پھر کبھی زندہ اس دنیا میں ایک جگہ جمع نہ ہونگے“۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر: علماء و مورخین کے مندرجہ بالا بیانات اور حالات و واقعات کی روشنی میں جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت زید شہیدؓ کے جہاد کا اہم ترین سبب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ترویج تھا تو اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس امر کی اسلام میں کیا اہمیت ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”تم لوگوں میں ایک جماعت تو لازماً ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، اچھائی کا حکم دے، برائی سے روکے۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں“ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴) امر بالمعروف ونہی عن المنکر وہ مقدس ترین فریضہ ہے جس کیلئے اللہ جل شانہ نے ہر قوم میں اپنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے جو لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے اور اس کے اجر کی خوشخبری سناتے، برائی سے روکتے اور برے کاموں کے انجام سے ڈراتے تھے۔

سلسلہ انبیاء کے آخر میں اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی فریضہ کی ادائیگی کیلئے دنیا میں بھیجا۔ یہی وہ سب سے اہم کام تھا جسکو اللہ کے رسولؐ اپنی پوری زندگی میں ہر پل اور ہر لمحے انجام دیتے رہے۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا انسانی معاشرے کی فلاح کیلئے اتنا

ضروری اور اہم عمل ہے کہ اگر مسلمان اس کی ادائیگی سے روگردانی کریں گے تو اللہ کے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے جیسا کہ اللہ کے حبیبؐ کا ارشاد ہے ”اگر تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل کریگا اور تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی“۔ لہذا مسلم امہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم کرے اور اللہ کے قوانین نافذ کرے، اگر وہ اپنا یہ فرض ادا نہیں کرتے تو اللہ کے باغی و نافرمان اس کی زمین پر قابض ہو جائیں گے ظلم و نا انصافی کا بازار گرم کریں گے، اس کے بندوں کو اپنا غلام بنائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کریں گے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، بیشک اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔“ (سورۃ التوبہ آیت: ۷۱)

زید شہیدؓ کی تحریک: حضرت زید شہید علیہ الرحمہ تاریخ آل محمد کی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے واقعہ کربلا کے بعد اعلیٰ کلمہ حق اور تردید حکومتِ ظلم و جور میں اپنی جان کی پروا کئے بغیر سر کی بازی لگادی۔ اُس نازک وقت میں کون مقابلہ کی جرات کر سکتا تھا جب کہ ہر طرف جان و مال، عزت و آبرہ کو بچانے اور حکمرانوں کے ظلم و جور سے خوفزدہ مسلمان سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود حاکمان وقت کے سامنے مجبور ہو گئے تھے، خاندان رسالت کا ایک فرد طاغوتی قوت کا مقابلہ کرنے کیلئے میدانِ عمل میں نکل آیا۔ یہ وہ دور تھا جس میں بادشاہان وقت کے چشم و ابرو کے اشاروں اور ان کی تلواروں کی بازو کو تاریخ کا نام دے دیا گیا تھا، ایسے پر آشوب دور میں حضرت زید شہیدؓ کا یہ اقدام تاریخ اسلام پر احسانِ عظیم ہے۔ جناب زیدؓ نے تاریخ کے لکھنے والوں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ بادشاہان وقت کی تلوار کو تاریخ قرار دیتے ہیں تو پھر انہیں اُس گردن کو بھی تاریخ سمجھنا پڑے گا جو اس تلوار کی زد میں آئی تھی۔

حضرت زید شہیدؓ کی انقلابی تحریک کے پیچھے وہی محرکات کار فرما تھے جو واقعہ کربلا کے پیچھے تھے۔ آپ کی یہ تحریک درحقیقت واقعہ کربلا ہی کا تسلسل تھی۔

اگر فقہ اسلام مظلوم کے در ثاء کو انتقام کا جائز حق دینے کے لیے تیار ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ حسین علیہ السلام کی نسل کے ایک جری و بہادر کو حسین مظلوم کے قاتلوں سے انتقام لینے پر مورد اعتراض قرار دیا جائے۔ اور اگر بنظر غائر حضرت زید شہیدؓ کی تحریک کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات با آسانی معلوم ہو سکتی ہے کہ سیاسی اعتبار سے اس وقت کی اسلامی حکومت جن مہلک اور ذلیل گمراہیوں میں مبتلا ہو چکی تھی اس کا واحد حل یہی تھا کہ اس کے خلاف جہاد بالسیف کے ذریعہ ایک خونیں انقلاب برپا کیا جائے۔ حضرت زید شہیدؓ کی تحریک نے تاریخ اسلام پر نہایت گہرے اثرات مرتب کئے جن کے نتائج بہت جلد ملت اسلامیہ کے سامنے آگئے اور بنی امیہ کی ظلم و استبداد اور ہیبت و جلال میں ڈوبی ہوئی حکومت چند سالوں میں صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔

عقلاً و دانشوروں نے اپنے مسلسل تجربات و مشاہدات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دنیا کی ہر تحریک خواہ سیاسی ہو یا مذہبی، علاقائی ہو یا ملکی، قومی ہو یا بین الاقوامی، اسی وقت قائم و دائم رہ سکتی ہے اور ترقی کے مدارج طے کر سکتی ہے جب اسکی آبیاری قربانی کے خون سے کی جائے۔ یعنی ہر تحریک کی کامیابی کا دار و مدار قربانی پر منحصر ہوتا ہے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ نے دین اسلام کی تبلیغ و استحکام کیلئے تسلسل سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور تقریباً ہر نبی نے اپنی قوت و استطاعت کے مطابق مصائب برداشت کئے اور قربانیاں پیش کیں۔ خاص طور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے انتہا مظالم برداشت کئے جن کی بابت آپ نے خود ارشاد فرمایا ”مجھے وہ تکالیف پہنچانی گئیں ہیں جو کسی نبی کو نہیں پہنچیں“۔ آپ نے اپنی بے مثال

قریبانیوں اور مسلسل جدوجہد سے اسلام کی بنیادوں کو ایسا استحکام بخشا کہ اللہ جل جلالہ نے اسے قیام قیامت تک قائم و دائم رکھے گا۔

آپ کی بیعت: القسری کی تحقیقات کے سلسلہ میں زید شہیدؓ کی کوفہ میں آمد کے بعد ہی سے اہل کوفہ سرگرم ہو گئے تھے مگر یوسف بن عمر کی نگرانی کے باعث محتاط تھے۔ لیکن پانچ ماہ کی اسیری کے بعد جب آپ مدینہ کیلئے روانہ ہوئے، اور جب اہل کوفہ خدا اور رسول کا واسطہ دیکر آپ کو قادیسہ یا بروایت دیگر ثعلبیہ سے کوفہ واپس لے آئے جس کے بعد ہی سے اہل کوفہ کی آپ کے پاس آمد و رفت کا سلسلہ بڑھ گیا۔ اہل کوفہ کی اس کیفیت کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس طرح بیان کیا ہے:

”۲۰ھ ۳۸ء میں جب ہشام بن عبد الملک نے خالد بن عبد اللہ القسری کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے اس کے خلاف تحقیقات کرائی تو اس سلسلے میں گواہی کیلئے حضرت زید کو بھی مدینے سے کوفہ بلا یا گیا۔ ایک مدت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ خاندان علیؑ کا ایک ممتاز فرد کوفہ آیا تھا۔ یہ شہر شیعان علیؑ کا گڑھ تھا۔ اس لئے ان کے آنے سے یک لخت علوی تحریک میں جان پڑ گئی اور لوگ کثرت سے ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ ویسے بھی عراق کے باشندے ساہا سال سے بنی امیہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے تنگ آ چکے تھے اور اٹھنے کیلئے سہارا چاہتے تھے۔ علوی خاندان کی ایک صالح، عالم، فقیہ شخصیت کا میسر آ جانا انہیں غنیمت محسوس ہوا۔ ان لوگوں نے زید کو یقین دلایا کہ کوفہ میں ایک لاکھ آدمی آپ کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہیں اور ۱۵ ہزار آدمیوں نے بیعت کر کے باقاعدہ اپنے نام بھی اٹکے رجسٹر میں درج کرا دیئے۔ اس اثنا میں کہ خروج کی یہ تیاریاں اندر ہی اندر ہو رہی تھیں، اموی گورنر کو ان کی اطلاع پہنچ

گئی۔ زید نے یہ دیکھ کر کہ حکومت خردار ہو گئی ہے، صفر ۲۲ھ
۲۰ء میں قبل از وقت خروج کر دیا۔ جب تصادم کا موقع آیا تو کوفہ
کے شیعیان علیٰ ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جنگ کے وقت صرف ۲۱۸
آدمی ان کے ساتھ تھے۔ دوران جنگ میں اچانک ایک تیر سے وہ
گھائل ہوئے اور ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔“

(اجصاص ج: ۱ ص: ۸۱ بحوالہ خلافت و طوکت ص: ۲۶۶)

الغرض حکومت کے خردار ہو جانے کے باعث یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں
آپ کی گرفتاری عمل میں نہ آجائے لہذا حضرت زید شہیدؓ نے روپوشی اختیار کی۔
اسی دوران بیعت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور کچھ ہی مدت میں آپ کی بیعت
کرنے والوں کی تعداد پندرہ ہزار سے تجاوز کر گئی جن کے نام باقاعدہ طور پر
دیوان میں لکھے گئے ابتدا میں جن عمائدین نے بیعت کی ان میں سلمہ بن کہیل،
مصیر بن خزیمہ العنسی، معاویہ بن اسحاق الانصاری، جتہ بن اخلص الکندی خاص
طور پر قابل ذکر ہیں۔ کوفہ میں اپنے اس قیام کے دوران زید شہیدؓ بصرہ بھی
تشریف لے گئے جہاں آپ نے دو ماہ قیام فرمایا پھر کوفہ آ گئے۔ بصرہ سے واپسی
کے بعد آپ نے اپنی بیعت کیلئے اہل موصل اور اہل سواد کے پاس قاصد بھیجے۔

عام طور سے یہ مشہور ہے کہ زید شہیدؓ کے طرفداروں میں صرف
شیعیان اہل کوفہ ہی تھے۔ یہ تاثر قطعی غلط ہے کیونکہ مورخین نے بیعت کرنے
والوں کی جتنی تعداد بیان کی ہے اتنی تو کوفہ میں شیعیان علیٰ کی کل آبادی بھی نہیں
تھی کیونکہ امویوں کے جور و ظلم سے تنگ آ کر بحالت مجبوری ولاچاری حامیان
اہل بیت آوارہ وطن ہو گئے تھے۔ آپ کی بیعت کرنے والوں میں اہل کوفہ کے
علاوہ اہل مدائن، بصرہ، واسط، موصل، خراسان، رے اور جرجان کے لوگ بھی
تھے اور ان میں شیعہ، سنی، معتزلی وغیرہ کی کوئی تمیز نہ تھی سب ہی شامل تھے۔

شرائط بیعت: حضرت زید شہیدؓ جب اپنے طرفداروں سے بیعت لیتے تو کہتے تھے کہ ”میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ظالموں سے جہاد، کمزوروں کی مدافعت، محرومین کو عطاء حق، سرکاری مالگذاری کی علی المسویہ تقسیم، مظالم کا رد، کروڑ گیری کی موقوفی، اہلیت کی امداد کی طرف ان لوگوں کے خلاف جو ہمارے مخالف ہیں اور جنہوں نے ہمارے حقوق کو دیدہ و دانستہ بھلا دیا ہے، دعوت دینا ہوں۔ کیا تم ان شرائط پر بیعت کرتے ہو؟“ اگر وہ اقرار کر لیتا تو اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور پھر کہتے ”اب تم پر اللہ کا عہد و میثاق اور رسول اللہ کی ذمہ داری ہے کہ تم میری بیعت کو پورا کرو گے، میرے دشمن سے لڑو گے، ظاہر و باطن میرے خیر خواہ رہو گے۔“ اگر وہ ان باتوں کا بھی اقرار کر لیتا تو پھر اپنے ہاتھ کو اُس کے ہاتھ سے مس کرتے اور کہتے ”اے خداوند تو گواہ رہ۔“ اسی طرح چند ماہ بیعت کا سلسلہ جاری رہا اور چالیس ہزار افراد نے آپ کی بیعت کی۔

زید شہیدؓ کی تلاش: ادھر بیعت کا سلسلہ جاری تھا اور جنگ کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں، ادھر سرکاری مخبر اپنا کام کر رہے تھے۔ زید شہیدؓ کے طرفداروں کی صفوں میں شامل ہو کر ہر بات اور ہر عمل کی خبریں والی کوفہ کو پہنچا رہے تھے۔ ایک مخبر سلیمان بن سراقیہ البارقی نے یوسف بن عمر کو ساری کیفیت سے مطلع کیا اور بتایا کہ زید بن علیؓ اہل کوفہ کے حامی اور طبعہ نامی اشخاص کے پاس آتے رہتے ہیں اور اب انھیں کے پاس مقیم ہیں۔ یہ خبر پا کر یوسف نے ان دونوں کے گھروں کی تلاشی کیلئے ایک فوجی دستہ بھیجا مگر وہاں جناب زیدؓ تو نہیں ملے البتہ حکومتی کارندے ان دونوں افراد کو گرفتار کر کے لے گئے اور یوسف کے سامنے پیش کیا۔ یوسف نے ان سے پوچھ کچھ کی جسکے نتیجے میں اسے حضرت

زید شہیدؓ کی تمام سرگرمیوں اور آپ کے ارادے کا مفصل حال معلوم ہو گیا۔ جسکے بعد یوسف نے اپنے جاسوسوں کو حضرت زید شہیدؓ کی تلاش میں لگا دیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یوسف بن عمر نے اپنے ایک خراسانی غلام کو جو گنگو میں لکنت کرتا تھا پانچ ہزار درہم دیئے اور حکم دیا کہ وہ کسی شیعہ سے دوستی کرے اور ظاہر کرے کہ وہ خراسان سے اہل بیت کیلئے بہت سامان لے کر آیا ہے تاکہ انھیں تقویت حاصل ہو، اس غلام نے شیعوں سے میل جول بڑھایا اور انہیں بتایا کہ اُس کے پاس کچھ رقم ہے، جسے وہ حضرت زید شہیدؓ کو دینا چاہتا ہے۔ آخر کار شیعہ اُسے زید شہیدؓ کے پاس لے گئے، وہ غلام اُن سے ملکر چلا آیا اور یوسف کو اُن کی قیام گاہ کا پتہ بتا دیا۔ یوسف نے آپ کی گرفتاری کیلئے رسالہ بھیجا، جسے دیکھتے ہی زید شہیدؓ کے طرفداروں نے اپنا شعار پکارا۔

جہاد سے راہ فرار کا حیلہ: جب زید شہیدؓ کے طرفداروں کو معلوم ہوا کہ حضرت زیدؓ کی سرگرمیوں کا یوسف بن عمر کو علم ہو گیا ہے اور اس نے اپنے جاسوس لگا دیئے ہیں تو اُن میں کی ایک جماعت کے لوگ جو وعدے کے جھوٹے اور ہمت کے پیٹے تھے، مختلف حیلے بھانوں سے ادھر ادھر چھپنے لگے۔ ایسے ہی لوگوں کی ایک اور جماعت جو ہوشیار اور چالاک تھی اس نے فرار کی یہ راہ نکالی کہ وہ حضرت زید شہیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت زید شہیدؓ نے جواب دیا کہ ”اللہ اُن پر اپنا رحم کرے اور انھیں مغفرت دے، میں نے اپنے کسی خاندان والے کو اُن سے اپنی برات کا اظہار کرتے نہیں سنا اور نہ کوئی شخص ان کے متعلق کبھی بُرے الفاظ استعمال کرتا ہے“ ان لوگوں نے کہا ”آپ اہل بیت کے خون کا بدلہ لینے کے اسی لئے طالب ہوئے ہیں کہ یہ دونوں آپ کی

حکومت کے درمیان کود پڑے اور آپ کے ہاتھوں سے اُسے نکال لیا۔“ حضرت زید شہیدؓ نے فرمایا کہ ”اس معاملہ میں سخت سے سخت بات جو میں کہہ سکتا ہوں وہ صرف اتنی ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد اُن کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہم تھے مگر قوم نے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی اور ہمیں اس سے ہٹا دیا۔ مگر اس بنا پر وہ ہمارے نزدیک کفر کے درجہ تک نہیں پہنچے۔ یہ دونوں حضرات امیر المؤمنین ہوئے تو انہوں نے لوگوں میں انصاف کیا، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ پر کاربند رہے۔“

اُن لوگوں نے کہا کہ ”اُن حضرات نے آپ کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا تو ان لوگوں نے بھی نہیں کیا۔ پھر آپ ہمیں کیوں ایسے لوگوں سے لڑنے کی دعوت دیتے ہیں جنہوں نے آپ پر ظلم نہیں کیا۔“ زید شہیدؓ نے جواب میں فرمایا ”نہیں یہ بات نہیں ہے، یہ لوگ اُن جیسے نہیں ہیں، یہ ظالم ہیں نہ صرف میرے لئے بلکہ آپ لوگوں کے لئے اور خود اپنے لئے۔ میں آپ کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی طرف بلاتا ہوں تاکہ احیاء سنت ہو اور بدعت مٹائی جائیں۔ اگر آپ نے میری دعوت کو قبول کیا تو خود آپ کو اس کا فائدہ پہنچے گا اور اگر انکار کر دیا تو میں آپ پر حاکم تو ہوں نہیں۔“ یہ سن کر وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور بیعت توڑ دی۔

طبری نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اُن لوگوں میں سے بعض لوگ حضرت زید شہیدؓ سے گفتگو کرنے سے پہلے حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس آئے تھے اور کہنے لگے کہ ”زید بن علیؑ ہم میں آکر بیعت لے رہے ہیں، آپ کی کیا رائے ہے ہم ان کی بیعت کریں یا نہ کریں، جعفر صادقؑ نے کہا ہاں ضرور کرو، کیونکہ بخدا وہی ہم میں سب سے افضل و بہترین شخص ہے اور ہمارے سردار ہیں۔ اسکے بعد

یہ لوگ زید کے پاس آئے مگر انہوں نے اس بات کو ظاہر نہیں کیا کہ جعفر نے ہمیں ایسا حکم دیا ہے۔

اہل کوفہ کی مسجدِ اعظم میں محصوری: صورتحال کے پیش نظر حضرت زید شہیدؓ کے لئے ضروری ہو گیا کہ آپ جہاد کے وقت کا تعین کریں لہذا آپ نے اپنے طرفداروں کو بتایا کہ وہ یکم صفر ۱۲ھ کو جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ یوسف بن عمر کے مجروں نے یہ خبر یوسف کو پہنچائی، جو اس وقت حیرہ کے مقام پر تھا۔ اہل کوفہ کا سردار حکم بن صلت تھا اور عمرو بن عبدالرحمن شہر کو توال تھا جو قبیلہ بنی ثقیف میں رہتا تھا، اس کے ہمراہ عبید اللہ بن عباس الکندی اپنے شامی لشکر کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ یوسف کو جب حضرت زید شہیدؓ کی تیاریوں کی خبر پہنچی تو اس نے حکم بھیجا کہ تمام اہل کوفہ کو مسجدِ اعظم میں اکٹھا کر کے محصور کر لو۔ لہذا شہر کو توال نے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے اعلان کر دیا کہ امیر کا حکم ہے کہ تمام لوگ مسجدِ اعظم میں جمع ہو جائیں۔ جو شخص اپنے گھر میں پایا جائے گا اس کے تمام حقوق ضبط ہو جائیں گے۔ حضرت زید شہیدؓ کے مقرر کردہ وقت جہاد سے قبل تمام اہل کوفہ کو مسجدِ اعظم میں محصور کر لیا گیا۔

طرفداران زید کا پہلا شہید: سرکاری کارندوں نے حضرت زیدؓ کی تلاش میں معاویہ بن اسحاق بن زید بن حارثہ الانصاری کے گھر کی تلاشی لی مگر زید شہیدؓ وہاں نہیں ملے۔ پھر آپ نے معاویہ انصاری ہی کے مکان سے مقررہ وقت سے قبل جہاد کا آغاز کیا۔ اس رات نیت ہی شدید سردی تھی، ان لوگوں نے مشعلیں تیار کر کے روشن کیں اور ندا دینے لگے ”اے منصور ارادہ فرمائیے۔“ جب ایک مشعل جل کر ختم ہو جاتی تو دوسری روشن کر لیتے تھے اسی طرح رات بسر کی۔

صبح ہوئی تو حضرت زید شہیدؓ نے قاسم النعمی الحضرمی اور ایک دوسرے شخص کو بھیجا کہ وہ اپنا شعار لوگوں میں پکاریں۔ جب یہ دونوں عبدالمعین کے میدان میں پہنچے تو جعفر بن عباس الکندی سے ان کی مڈ بھٹڑ ہو گئی، انہوں نے جعفر پر حملہ کر دیا، قاسم کا ساتھی مارا گیا اور قاسم النعمی کو زخمی حالت میں شامی فوجی میدان سے اٹھا کر لے گئے اور حکم بن صلت کے سامنے پیش کیا۔ حکم نے گفتگو کی مگر قاسم نے اسکی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ حکم نے انکے قتل کا حکم دیا اور قاسم النعمی قصر کے دروازے پر قتل کر دئے گئے۔ اس طرح جہاد حضرت زید شہیدؓ کے سب سے پہلے شہید یہی قاسم النعمی اور انکے ساتھی تھے

کوفہ کی ناکہ بندی: حکم بن صلت نے راستوں پر پہرے بٹھا دیئے گلیوں اور بازاروں کی ناکہ بندی کر دی اور مسجد کے دروازے بھی بند کر دیئے۔ کوفہ میں فوج کے چار دستے تعینات تھے ان میں ایک دستہ اہل مدینہ کا تھا جس کا سردار ابراہیم بن عبداللہ بن جریر الجبلی تھا، دوسرا دستہ بنی مذحج اور اسد کا تھا جس کا سربراہ عمرو بن ابی بدر العبدی تھا، تیسرا دستہ بنی ربیعہ کا تھا جس کی قیادت منذر بن محمد بن اشعث الکندی کر رہا تھا اور چوتھا دستہ بنی تمیم و ہمدان کا تھا جس کا سردار محمد بن مالک الہمدانی تھا۔ ان کے علاوہ جب حکم بن صلت نے اپنی جنگی تیاریوں سے یوسف کو مطلع کیا تو یوسف نے حالات معلوم کرنے کیلئے پچاس سواروں کا ایک دستہ جعفر بن عباس الکندی کی سربراہی میں کوفہ روانہ کیا۔ وہ کوفہ پہنچا اور جہانہ سالم السلولی تک آیا۔ زید شہیدؓ کے ہمراہیوں کے حالات معلوم کئے اور پھر یوسف کو جا کر خبر دی۔ صبح کو یوسف حیرہ کے قریب ایک ٹیلے پر آ کر ٹھہرا، قریش اور دوسرے معزز لوگ اسکے ساتھ تھے۔ یوسف نے ریان بن مسلمۃ الاراشی کو دو ہزار فوج کے ساتھ کہ جس کے ہمراہ تین سو قیقانی تیر اندازوں کا پیدل دستہ تھا آگے بڑھایا۔

دوسری جانب حضرت زید شہیدؓ کے طرفداروں کی تعداد گھٹ کر صرف دو سو اٹھارہ رہ گئی تھی۔ کچھ حکومت کی سختیوں کو دیکھ کر روپوش ہو گئے، کچھ نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی بابت سوالات کو جواز بنا کر راہ فرار اختیار کی اور کچھ کو مسجد اعظم میں محصور کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت زید شہیدؓ نے اپنے مختصر جانشاروں کے ہمراہ کثیر شامی فوج کا نہایت بے جگری و بہادری سے مقابلہ کیا۔

نصر بن خزیمہ کا شامی فوج پر حملہ: حضرت زید شہیدؓ نے اپنے طرفداروں کو بلانے کیلئے ساتھ والوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنا شعار پکاریں۔ نصر بن خزیمہ یہ ندا سن کر زید شہیدؓ کی طرف چلے گئے اثنائے راہ میں عمرو بن عبدالرحمن جو حکم بن صلت کی فوج خاصہ کا سردار تھا اپنے چہنئی سواروں کے دستہ کے ساتھ، زبیر بن ابی حکیمہ کے مکان کے قریب اُس راستہ پر جو بنی عدی کی مسجد کی طرف نکلتا ہے حزام ہوا۔ نصر اور اس کے ہمراہیوں نے سرکاری فوج پر حملہ کر دیا۔ عمرو بن عبدالرحمن مارا گیا اور اس کے ساتھی پسا ہو گئے۔

زید شہیدؓ کا شامی سپاہ پر حملہ: حضرت زید شہیدؓ جب جباہہ سالم سے بڑھتے ہوئے جباہہ صاندین پر پہنچے تو وہاں پانچ سو شامی فوجیوں کا دستہ سامنے آ گیا، زید شہیدؓ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست دی۔ یہاں سے زید شہیدؓ گناسہ کی طرف گئے وہاں شامی فوج پہلے سے متعین تھی، زید شہیدؓ نے ان پر حملہ کیا اور انہیں پسا کر دیا۔ پھر وہاں سے بڑھ کر قبرستان پر نمودار ہوئے، یوسف بن عمر مع اپنے ہمراہیوں کے اُس وقت تک ٹیلے پر کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا، دو سو آدمیوں کی زرہ بند پیدل فوج اس کے ساتھ تھی۔ طبری کا بیان ہے کہ ”بخدا اگر زید اُس کا رُخ کرتے تو اُسے قتل کر ڈالتے“۔ زید شہیدؓ وہاں سے داہنی جانب خالد بن عبداللہ کے مصلے کی سمت

مڑے اور کوفہ میں داخل ہو گئے، ریان بن سلمہ شامی فوج کے ہمراہ کوفہ میں زید شہیدؓ کے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔

جس وقت زید شہیدؓ کناسہ کی طرف مڑے تھے اُس وقت آپ کے ساتھیوں کی ایک جماعت مخنف بن سلیم کے قبرستان کی طرف چلی گئی تھی، وہاں سے وہ کندہ کے قبرستان کی طرف جانے کی بات کر رہے تھے کہ شامی فوج آگئی، وہ لوگ ایک تنگ گلی میں گھس گئے، اُن میں کا ایک شخص پیچھے رہ گیا، وہ مسجد میں چلا گیا، دو رکعت نماز پڑھی پھر باہر آ کر شامیوں سے مقابلہ کیا، شامیوں نے اسے زمین پر گرا دیا اور تلواریں مارنے لگے اور اس کے سر پر فلا دی گرز سے ضرب لگائی، زیدی سپاہ نے شامیوں پر حملہ کر کے انہیں وہاں سے بھگا دیا مگر وہ شخص شہید ہو چکا تھا۔ شامیوں نے زیدی مجاہدین کو گھیرنے کی کوشش کی، سب بچ کر نکل گئے مگر ایک شخص جماعت سے پھڑک کر عبداللہ بن عوف کے مکان میں جا گھسا، شامی بھی مکان میں داخل ہوئے اور اسے گرفتار کر کے یوسف کے پاس لائے، یوسف نے اسے قتل کر دیا۔ اُس روز کوفہ میں ہی جنگ ہوتی رہی۔

عبید اللہ بن عباس کا حملہ و پساپی: نصر بن خزیمہ نے حضرت زید شہیدؓ سے کہا کہ تمام لوگ مسجد اعظم میں حضور ہیں، آپ ہمیں لیکر وہاں چلئے، دوسری طرف عبید اللہ بن عباس الکندی کو زیدی سپاہ کی پیش قدمی کا علم ہوا تو وہ شامیوں کو لیکر مقابلہ کیلئے بڑھا۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص کے دروازہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا، جب عبید اللہ نے حملہ کا ارادہ کیا تو اُس کی فوج کا علمبردار سلیمان جو اُسی کا آزاد غلام تھا، اس موقع پر رُکا تو اُس نے اُسے ڈانٹا کہ اے خبیثہ کے بیٹے حملہ کر، اُس نے حملہ کیا اور آگے ہی بڑھتا گیا یہاں تک کہ اس کا علم خون سے رنگین ہو گیا۔ سلیمان کے قتل کے بعد عبید اللہ تہا جنگ کیلئے سامنے آیا۔ واصل غلہ فروش

اُس کے مقابلہ کے لئے نکلا، دونوں تلواریں چلاتے رہے، پھر واصل نے احوال سے کہا تم اس کا مقابلہ کرو میں تو ایک نوعمر غلہ فروش ہوں۔ عبید اللہ نے اس پر کہا اللہ میرے ہاتھ قطع کر دے اگر میں تجھے زندہ چھوڑوں، عبید اللہ نے اُس پر تلوار کا وار کیا مگر بیکار گیا۔ عبید اللہ اور اس کے ہمراہی عمرو بن حرث کے مکان تک پسپا ہو گئے۔

عبید اللہ کی پسپائی کے بعد زید شہیدؓ اور ان کے ہمراہی باب الفیل تک بڑھ آئے۔ انہوں نے دروازوں کے اوپر سے اپنے علم مسجد اعظم میں داخل کر کے محصورین سے پکار پکار کر کہنے لگے ”اے مسجد والو ہمارے پاس آ جاؤ“ نصر بن خزیمہ نے بھی انہیں پکار کر کہا کہ ”اے کوفہ والو اذلت سے نکل کر عزت میں آؤ، ہمیں یہاں دین و دنیا دونوں حاصل ہو گئے کیونکہ موجودہ حکومت میں نہ دنیا کا تمہیں فائدہ ہے اور نہ دین کا“ یہ سن کر شامی فوجی بلندی پر چڑھ گئے اور مسجد پر سے طرفداران زید پر سنگ باری کرنے لگے۔ اُس روز کوفہ کے باشندوں کی ایک بڑی جماعت کوفہ کے اطراف میں تھی۔ ریان بن سلمہ مغرب کے وقت حیرہ کی طرف پلٹا، زید بن علیؓ بھی اپنے طرفداروں اور کچھ کوفیوں کے ہمراہ جو اُن سے آ ملے تھے پلٹے اور سرکاری جھنڈا رخا نہ پر آ جے۔ ریان بن سلمہ نے یہاں آ کر ان کا مقابلہ کیا اس مقام پر نہایت شدید معرکہ جہاد و قتال ہوا، بہت سے شامی مقتول و مجروح ہوئے۔ زید کے ہمراہیوں نے اُس مقام سے مسجد تک شامیوں کا تعاقب کیا۔ یہ بدھ کا دن تھا شام کے وقت شامی فوجی مایوسانہ خیالات لئے ہوئے واپس ہوئے۔

عباس بن سعید اور زید شہیدؓ کی جنگ: دوسرے دن جمعرات کی صبح کو یوسف بن عمر نے ریان بن سلمہ کو بلوایا مگر معلوم ہوا کہ وہ اس وقت حاضر نہیں

ہے۔ پھر یوسف نے اپنی فوج خاصہ کے سردار عباس بن سعید المرزنی کو بلا لیا اور اسے زید شہیدؓ کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس نے بھنڈا رخانہ پہنچ کر زید شہیدؓ کا مقابلہ کیا، وہاں ایک نجار کی بہت سی لکڑیاں پڑی ہوئی تھیں کہ جن سے راستہ بہت تنگ ہو گیا تھا، زید اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلہ کیلئے بڑھے، آپ کے دونوں پہلوؤں پر نصر بن خزیمہ العنسی اور معاویہ بن اسحاق الانصاری تھے۔ جب عباس نے انہیں دیکھا تو چونکہ اُس کے ہمراہ پیدل فوج نہ تھی اس لئے اُس نے اپنے دستہ کو پیادہ ہو جانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کے اکثر فوجی گھوڑوں سے اتر پڑے اور نہایت خوں ریز معرکہ شروع ہوا۔

نصر بن خزیمہؓ کی شہادت: اہل شام میں بنی عباس کا ایک شخص نائل بن فروہ نامی تھا، اس نے یوسف بن عمر سے کہا کہ اگر میں نے نصر بن خزیمہؓ کو دیکھ پایا تو یا میں اُسے قتل کر دوں گا یا وہ مجھے قتل کر ڈالے گا۔ یوسف نے اُسے ایک تلوار دی، یہ تلوار جس چیز پر پڑتی اُسے قطع کر دیتی، جب حریفوں کا مقابلہ ہوا تو نائل بن فروہ نے نصر بن خزیمہؓ کو دیکھا، یہ اس کی طرف بڑھا اور نصر پر تلوار کا وار کیا اُنکی ران کٹ گئی مگر نصر نے بھی ایک ہی ضرب میں اُس کا کام تمام کر دیا، اور وہ خود بھی شہید ہو گئے۔

اس معرکہ میں نہایت شدید جنگ ہوتی رہی، آخر کار زید شہیدؓ نے شامی فوج کو شکست دیکر بھگا دیا، اس معرکہ میں شامیوں کے ستر آدمی قتل ہوئے، شامی جب پسپا ہوئے اُن کی بہت بڑی درگت بن چکی تھی۔ عباس بن سعید نے اپنے سپاہیوں کو سوار ہونے کا حکم دیا اور یہ سب لوگ سوار ہو کر چلے گئے۔

سر شام یوسف بن عمر نے پھر انہیں تیار کر کے مقابلہ کے لئے بھیجا، جب دونوں حریف مقابل آگئے تو زید شہیدؓ نے اپنے مجاہدوں کو لیکر مقابلہ کیا اور

شامیوں کو شکست دیکروہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا اور اُن کا تعقب کیا حتیٰ کہ وہ سنجہ کی طرف بھاگ گئے۔ پھر آپ نے سنجہ میں آکر اُن پر حملہ کیا اور وہاں سے انہیں بنی سلیم کی طرف دھکیل دیا، یہاں بھی زید شہیدؓ نے اپنے رسالے اور پیدل سپاہ کے ساتھ اُن کا تعقب جاری رکھا، شامی مستاقہ کی راہ ہولے مگر زید شہیدؓ بارق اور رواں کے درمیان اُن کے مقابل آئے، ایک بار پھر یہاں طرفین میں نہایت شدید جنگ ہوئی۔

زید شہیدؓ کی جماعت پر تیر بارانی: اُس روز زید شہیدؓ کا علمبردار جناب عباس بن عبدالمطلب کے حلیف قبیلہ بنی سعد بن زید کے عبدالصمد بن ابی مالک بن مسروح تھے، مسروح کی شادی حضرت عباسؓ کی صاحبزادی صفیہ سے ہوئی تھی، شامی فوج کا کوئی رسالہ دار زیدی سپاہ کے مقابلہ میں ہرتانہ تھا، عباس نے یوسف کو حالات سے مطلع کیا اور کہلا بھیجا کہ تیر انداز بھیج دینے جائیں۔ یوسف نے سلیمان بن کیسان الکلسی کو قیقانی اور نجاری قادر اندازوں کے ساتھ عباس کی مدد کیلئے بھیج دیا جنہوں نے زیدی فوج پر تیر بارانی شروع کر دی، سنجہ پہنچ کر زید شہیدؓ نے چاہا کہ زیادہ خطرہ میں اپنی جمعیت کو نہ ڈالیں اور وہاں سے پلٹ جائیں مگر خود آپ کے ساتھی جذبہ جوش جہاد کے باعث آگے بڑھتے گئے۔ بہر حال جہاد کے آخری ایام میں آپ کے چند ارشادات مورخین نے رقم کئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ:

”شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اپنے دین کو حد کمال تک

پہنچانے کا اس وقت موقع عطا فرمایا“

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ:

”جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت شرمندہ تھا

کہ اُن کی امت کو معروف کا حکم میں نے کیوں نہیں دیا اور مگر سے

کیوں نہیں روکا“

اسی کے قریب قریب دوسری روایت ان الفاظ میں ہے کہ
 ”خدا کی قسم مجھے یہ چیز سخت ناگوار تھی کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 سے ملاقات کروں اور اس حال میں ملاقات کروں کہ انکی امت کو
 نہ معروف کا میں حکم دیئے ہوتا اور نہ منکر سے منع کئے ہوتا“

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ:

”خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو جب
 میں نے درست کر لیا تو اسکے بعد مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہے کہ
 میرے لئے آگ جلائی جائے اور مجھے اس میں جھونک دیا جائے“
 (مقدمہ الروض الضمیر)

حضرت زید بن علیؓ کی شہادت: معاویہ بن اہلق الانصاری زید شہیدؓ
 کے ہمراہ نہایت شجاعت و جوانمردی کا مظاہرہ کر رہے تھے اور خوب ہی داؤد
 مردانگی حاصل کر رہے تھے حتیٰ کہ اسی معرکہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت زید شہیدؓ
 اپنے جانثاروں کے ساتھ میدان کارزار میں جھے رہے یہاں تک کہ ہر طرف رات
 کی تاریکی چھا گئی۔ اسی تاریکی میں اچانک ایک تیر آپ کی پیشانی کے بائیں
 جانب لگا اور دماغ تک پیوست ہو گیا، آپ کے ساتھی آپ کو لیکر واپس ہوئے،
 شامیوں کو یہی خیال رہا کہ رات ہو جانے کے سبب زید شہیدؓ اپنے ساتھیوں کو لیکر
 واپس پلٹ گئے ہیں۔

سلمہ بن ثابت کا بیان: سلمہ بن ثابت اللیشی جو خود اس معرکہ میں زید
 شہیدؓ کے ہمراہ تھے اور اُس روز وہ اور معاویہ بن اہلق کے ایک غلام سب کے بعد
 میدان جنگ سے واپس ہوئے تھے، اُن کا بیان ہے کہ میں اور میرا ساتھی زید
 کے زخم کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے، ہمیں معلوم ہوا کہ وہ گھوڑے
 سے اُتار کر ان بن کریمہ (جو کسی عرب کا آزاد غلام تھا) کے مکان واقع واک

کی سڑک پر ارجب اور شا کر کے مکانات میں سے کسی مکان میں لا کر اتارے گئے ہیں، میں آپ کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ خدا مجھے آپ پر سے قربان کر دے اور لوگ جا کر ایک طبیب کو لے آئے اس کا نام شقیر تھا اور وہ بنی رواں کا آزاد غلام تھا، اُس نے آپ کی پیشانی سے تیر کھینچ لیا، میں اس وقت انہیں دیکھ رہا تھا، تیر کھینچتے ہی زیدؓ کی آواز بلند ہوئی اور فوراً ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ .

مورخین نے عام طور پر یہی بیان کیا ہے کہ آپ کی شہادت بروز جمعہ ہوئی۔ جبکہ واقعات جنگ کا بغور مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمعرات کی جنگ میں شام کی تاریکی چھا جانے کے بعد آپ کی پیشانی پر تیر لگا جس کے سبب آپ کی شہادت ہوئی اور اسی رات آپ کی تدفین کی گئی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی شہادت یوم جمعہ نہیں بلکہ شب جمعہ میں ہوئی تھی۔

زید شہیدؓ کی تدفین: حضرت زید شہیدؓ کے طرفداروں میں باہم مشورہ ہونے لگا کہ آپ کی میت کو کہاں دفن کریں تاکہ آپ کا جسد مبارک دشمنوں کی دست برد سے محفوظ رہے، بعضوں نے کہا کہ زرہ پہننا کر پانی میں ڈال دیں، دوسروں نے کہا کہ آپ کا سر کا ٹکڑا مقتولین میں رکھ دیں، آپ کے فرزند یحییٰ بن زید شہید نے کہا میں اسے گوارا نہیں کروں گا، کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آپ کو عباسیہ لے چلیں اور وہاں دفن کریں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے مشورہ دیا کہ اُس گڑھے میں جہاں سے مٹی لی جاتی ہے میت دفن کر دی جائے، اس رائے کو سب نے پسند کیا، لہذا ہم نے وہاں دو گڑھوں کے درمیان قبر کھودی، اس زمانہ میں گڑھوں میں پانی بہت تھا، بڑی مشکل سے قبر کھود کر آپ کی میت کو سپرد خاک کر دیا اور قبر پر پانی بہا دیا۔

جسٹس امیر علی کا بیان ہے کہ:

Zaid was killed, and his body was surreptitiously buried by his followers. but the vindictive Ommeyades discovered the grave; the body was exhumed and impaled on a cross; after a time it was taken down and burnt, and the ashes thrown into the Euphrates_ an act of insensate barbarism which brought on the Ommeyades fearful and ruthless reprisals. (History of the saracens P:155)

ترجمہ: زید قتل کر دیئے گئے، اُن کے ساتھ والوں نے اُن کی لاش کو پوشیدہ طور پر دفن کر دیا، لیکن کینڈورا مویوں نے اُن کی قبر کا کھوج لگایا، قبر کھود کر آپ کی لاش کو نکال لیا اور سوئی پر لٹکا دیا۔ ایک مدت کے بعد آپ کی لاش کو اُتار کر جلادیا اور راکھ کو فرات کے کنارے ہوا میں اُڑا دیا۔ اس طرح خوفزدہ بے رحم مویوں نے بدلہ لینے کی خاطر کھلی بربریت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زید شہیدؓ کی لاش کو نہر یعقوب میں پانی

روک کر اس کی تہ میں دفن کیا گیا تھا۔
 یحییٰ بن زید کی کوفہ سے روانگی: راوی کا بیان ہے کہ تدفین کے بعد جب وہاں سے پلٹ کر ہم جبائے السبع آئے، ہمارے ساتھ حضرت زید شہیدؓ کے صاحبزادے جناب یحییٰ بھی تھے، یہاں سے تمام لوگ ہم سے علیحدہ ہو کر چلے گئے اور میں صرف دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ رہ گیا، میں نے جناب یحییٰ سے کہا اب صبح ہوا چاہتی ہے، آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں، اُن کے ہمراہ ابوالصیار العبیدی بھی تھے۔ جناب یحییٰ نے کہا میں نہر میں جانا چاہتا ہوں۔ نہر میں سے میں یہ سمجھا کہ آپ فرات کے کنارے کنارے جانا اور دشمنوں سے لڑنا

چاہتے ہیں، اس خیال سے میں نے اُن سے کہا تو پھر آپ اس جگہ سے نہ ہٹیں اور یہیں دشمن کا آخری دم تک مقابلہ کریں یا پھر جو اللہ کرے، اس کے جواب میں اُنہوں نے کہا کہ میں کربلا کے دریاؤں کو جانا چاہتا ہوں، یہ سنتے ہی میں نے کہا پھر صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جائیے۔

جناب یحییٰ ایک مختصر جماعت کے ساتھ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے، جب یہ جماعت کوفہ سے نکل گئی تو اذانِ صبح کی آواز سنائی دی، بخیلہ میں نمازِ صبح پڑھی اور پھر نینوا کی طرف چل پڑے۔ یحییٰ نے کہا کہ میں بشر بن عبد الملک بن بشر کے آزاد غلام سابق کے پاس جانا چاہتا ہوں، یہ جماعت تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگی۔ جب نینوا پہنچے تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ سابق کے مکان پر پہنچ کر آپ کے ساتھی اپنی اپنی منزلوں کی سمت چلے گئے۔

زید شہیدؓ اور ساتھیوں کے سروں کی قیمت: یوسف نے شامیوں کو بھیجا کہ اہل کوفہ کے مکانات میں زخمیوں کو تلاش کریں یہ لوگ عورتوں کو صحن میں نکال دیتے اور زخمیوں کی تلاش میں سارے گھر کو چھان ڈالتے تھے۔ یوسف نے یہ بھی منادی کر دی تھی کہ جو کوئی ایک سر لیکر آئیگا اُسے پانچ سو درہم انعام دیا جائیگا۔ نصر بن خزیمہ کا سر لیکر آنے والے محمد بن عماد کو یوسف ثقفی نے ایک ہزار درہم دلوائے۔ جبکہ معاویہ بن اہلق کا سر لانے والے سے یوسف نے پوچھا کیا تو نے ہی اسے قتل کیا ہے اس نے جواب دیا میں نے قتل نہیں کیا بلکہ میں نے اسے دیکھ کر ہچھان لیا تھا، یوسف نے اسے سات سو درہم دینے کا حکم دیا۔ چونکہ اس نے خود قتل نہیں کیا تھا اس لئے اسے پورے ہزار نہیں ملے۔

مدفن کی نشاندہی: زید شہیدؓ کے مدفن کا پتہ لگانے کی بابت مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ مثلاً ایک روایت یہ ہے کہ یحییٰ نامی آپ کے ایک سندھی غلام نے جو

تدفین میں شریک تھا اس نے بر بنائے خوف قبر کا پتہ بتا دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب یوسف بن عمر کو حضرت زید کی شہادت کی اطلاع ملی تو اُس نے اعلان کرایا کہ جو کوئی حضرت زید کے مدفن کا پتہ بتائے گا اسکو انعام دیا جائے گا۔ لہذا جس طبیب نے آپ کا تیر نکالا تھا اور جو عبد الحمید رو اسی کا مملوک تھا اس نے آپ کے مدفن کی نشاندہی کی تھی۔

اس ضمن میں مسعودی کا بیان ہے کہ ”پردہ شب دونوں فریقوں میں حاجب بنا زید زخموں سے چور پلٹے ان کی پیشانی میں ایک تیر پیوست تھا۔ بہت تلاش کے بعد کسی گاؤں سے ایک حجام لایا گیا۔ زید یوں نے اُس سے اخفائے راز کا عہد لیا، اس نے تیر نکالا اور ادھر اُن کی روح جسدِ غضری سے نکل گئی۔ ایک راج بہے میں ان کو دفن کر کے اس پر مٹی اور بانس وغیرہ ڈال کر قبر کو پانی میں غرق کر دیا تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ اُس حجام نے جو اُن کے دفن میں موجود تھا اور جس نے اس مقام کو اچھی طرح دھیان میں رکھا تھا صبح ہوتے ہی خود جا کر یوسف بن عمر کو سارے واقعہ کی اطلاع کی اور ان کی قبر بتادی۔ یوسف نے زید کی لاش نکلائی، سر کاٹ کر ہشام بن عبد الملک کے پاس بھیج دیا۔ ہشام نے یوسف کو حکم دیا کہ زید کے جسد کو بحالتِ عریاں سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ یوسف نے حسب حکم بجا آوری کی۔ اسی کے متعلق بنی امیہ کے کسی شاعر نے آل ابی طالب اور اُن کے شیعوں کو خطاب کر کے ایک طویل قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے کہ:

صلبنا لکم زید اعلیٰ جذع نخلة ولم أر مہد یا علی الجذع یصلب

ترجمہ: ہم نے کجور کے تنے پر تمہاری عبرت کے لئے زید کو سُولی پر

لٹکا دیا اور میں نے کبھی کسی مہدی کو اس طرح درخت کے تنے پر

سُولی دیا جاتا ہوا نہیں دیکھا۔

اس لکڑی کے نیچے (جس پر زید شہیدؓ کے جسد کو آویزاں کیا گیا تھا) حکومت نے اور ستون کھڑے کرا دیئے تھے، اس واقعہ کے بہت عرصہ بعد ہشام نے یوسف کو حکم دیا کہ زید کے لاشہ کو جلا کر اس کی خاک سپرد باد کردی جائے۔^۱

حضرت زید شہیدؓ کے مدفن کی نشاندہی کے ضمن میں ایک روایت جو زیادہ قوی ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت حضرت زید شہیدؓ کے ساتھی آپ کی لاش کو دفن کر رہے تھے ایک دھوبی جو وہاں موجود تھا، دیکھ رہا تھا۔ سرکاری عہدیداروں نے جب اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے سارا ماجرہ بتا دیا۔ زید شہیدؓ کا مدفن بتانے کے لئے اسے کچھ رقم بطور انعام بھی دی گئی۔

بہر حال جب یوسف بن عمر کو آپ کے مدفن کا پتہ چل گیا تو اس نے اپنے پولس افسر خراش بن حوشب بن یزید الشیبانی کو قبر سے لاش نکالنے کا حکم دیا۔ لاش برآمد کی گئی اور قصر دار الامارہ کے دروازہ پر لائی گئی۔ بقول ابوحنیف یوسف کے حکم سے حکم بن صلت نے آپ کا سر قلم کیا۔ اس کے بعد یوسف نے حکم دیا کہ حضرت زید شہیدؓ اور آپ کے دیگر رفقاء کی لاشوں کو کناسہ کے بازار میں سولی پر لٹکا دیا جائے۔ لہذا حضرت زید شہیدؓ کے ساتھ نصر بن خزیمہ، معاویہ بن اہلق اور زیاد الہندی کی لاشوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور اس ڈر سے کہ کوئی لاش کو اتار نہ لے اُسکے پاس پہرہ مقرر کر دیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حکم بن صلت نے لاش نکالنے کیلئے اپنے بیٹے اور عباس بن سعید المزنی کو بھیجا۔ عباس نے یوسف بن عمر کو خوشخبری دینے کیلئے اس کے پاس ایک قاصد کو زید شہیدؓ کا سر دیکر حجاج بن قاسم بن محمد کے ہمراہ بھیجا۔ جب یوسف کے پاس یہ قاصد پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ زید بن علی، نصر بن خزیمہ، معاویہ بن اہلق اور زیاد الہندی کی لاشوں کو کناسہ میں سولی پر لٹکا دیا جائے۔ ابن

طباطبایا کا بیان ہے کہ:

”جنگ تو پوری بے جگری کے ساتھ کی لیکن ایک تیر ماتھے پر آ کر لگا اور بیوسط ہو گیا۔ ایک آہن گر کر بولا کر تیر نکلوا یا مگر تیر کے ساتھ ساتھ جان بھی نکل گئی اُن کے ساتھیوں نے اُنہیں نہر کے اندر دفن کر کے اس پر پانی رواں کر دیا، انہیں خطرہ تھا کہ کہیں ان کی لاش کو مثلہ نہ کر دیا جائے۔ جب امیر کوفہ یوسف بن عمر غالب آچکا تو اُس نے زید کی قبر کھدوا کر لاش نکالی اور ایک عرصہ تک کیلئے اسے سولی پر آویزاں کر دیا۔ اس کے بعد جلا کر رکھ دیا نئے فرات میں بہادی۔ خدا اُن (زید شہیدؓ) سے راضی ہو اور اُن پر سلام بھیجے اور ان ظالموں پر لعنت بھیجے جنہوں نے ان کا حق غصب کیا اور وہ دنیا سے مظلوم شہید ہو کر گئے۔“ (انقری ص ۱۶۱)

تاریخ ابن اللوردی میں ہے کہ یوسف بن عمر ثقفی نے زید شہید کا دھڑ سولی پر چڑھا دیا اور سر ہشام کے پاس بھیج دیا۔ اور تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ جب زید شہید کا برہنہ جسم دار پر چڑھایا گیا تو ٹکڑی نے جالا لگا کر اُن کی شرمگاہ کو چھپا دیا۔ ۱

ایک روایت یہ ہے کہ ہشام نے حضرت زید شہیدؓ کا سرد مشق کے دروازہ پر نصب کرادیا اور پھر اس سر کو مدینہ بھجوادیا۔ ہشام کے مرنے تک حضرت زید شہیدؓ کی لاش کناسہ میں سولی پر لٹکی رہی۔ اُس کے مرنے کے بعد ولید نے اُسے اُترا کر جلوا دیا۔ حضرت زید شہیدؓ کے سر اقدس کی بابت قمر زیدی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

”عیسیٰ ابن سواد بیان کرتا ہے کہ میں اس وقت مدینہ میں موجود تھا جب سر زید ابن علی وہاں پہنچا۔ حاکم مدینہ نے اس کو مسجد کے آخر کے دروازہ پر نصب کرایا اور منادی سے ندا کرادی کہ جو باغ مرد مسجد میں نہ آئے گا اس کا خون حلال سمجھا جائیگا چنانچہ کثیر جمع مسجد میں آ گیا،

اور سات دن تک یہی طریقہ رہا کہ حاکم مدینہ مسجد میں آتا، جمع جمع ہوتا اور حاکم کے حکم سے خطباء و رؤسائے مدینہ حضرت علیؓ و حضرت امام حسینؓ اور جناب زیدؓ پر اور ان کے شیعوں پر لعنت بھیجتے۔ اکثر شعراء اس ذیل میں اپنا کلام پیش کرتے تھے جس میں اہل بیت کو برا کہا جاتا تھا۔

پھر کچھ عرصہ بعد سر اقدس مصر بھیج دیا گیا اور جامع مسجد پر نصب کر دیا گیا اس کو اہل مصر نے چرا لیا اور پوشیدہ طور سے مسجد محرس الحصى میں دفن کر دیا گیا لیکن شریف محمد ابن اسعد الخوانی نے کتاب جواہر اللمکون میں بیان کیا ہے کہ سر مطہر زید ابن علی ابن طولون و برکتہ الفیل کی جامع مسجد کے راستہ میں دفن کیا گیا اور یہیں وہ مسجد ہے جس کو مسجد محرس الحصى کہتے ہیں۔ دیگر روایات بھی یہی بتاتی ہیں کہ سر اقدس مصر ہی میں دفن ہے۔ (زید شہیدؓ نکل رشید ص: ۱۷۷)

زید شہیدؓ کا سر مدینہ میں ۱۲۳ھ تک سو لی پراٹھا رہا۔ ایک انصاری نے اُس کے سامنے چند اشعار پڑھے جن میں زید شہیدؓ کی مذمت کی تھی۔ لوگوں نے اسے لعنت کی تو اُس نے کہا امیر مجھ سے ناراض ہیں اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے میں نے یہ شعر کہے۔ پھر زید کے طرفداروں میں سے کسی شاعر نے اُس کا جواب دیا۔

اہل کوفہ سے یوسف کا خطاب: حضرت زید شہیدؓ کی شہادت کے بعد یوسف بن عمر کوفہ آیا اور اہل کوفہ کو جمع کر کے اُس نے یہ تقریر کی کہ ”اے اس ناپاک شہر کے باشندو! تمہیں تمہاری توہین و تذلیل کی میں خوشخبری دیتا ہوں، ہم تمہارے مناصب اور روزیے اب نہیں دیں گے، میں نے تو یہ ارادہ کیا ہے کہ تمہارے شہروں اور مکانات کو برباد کر دوں، تمہارے مال و متاع کو لوٹ لوں۔ میں نے امیر المؤمنین سے تمہارے بارے میں پوچھا ہے اگر مجھے اجازت مل گئی تو

میں تمہارے تمام جنگ جو مردوں کو قتل کر ڈالوں گا اور تمہارے بیوی بچوں کو لوٹدی غلام بنا لوں گا۔“

جسدِ شہید کی مدتِ سولی: حضرت زید شہیدؓ کے جسدِ خاکی کو کتنی مدت تک سولی پر آویزاں رکھا گیا اس ضمن میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے کسی نے یہ مدت ایک سے دو سال اس لئے بتائی ہے کہ ان کے نزدیک خود ہشام نے آپ کے جسم کو شعلوں کی نذر کرنے کا حکم دیا تھا۔ بعض نے تین اور چار سال جبکہ بعض نے پانچ سے چھ سال لکھی ہے۔ لیکن تحقیق کرنے والوں کا بیان ہے کہ آپ کی لاش ۱۲۵ھ تک سولی پر آویزاں رہی اور جب جناب یحییٰ بن زید شہید نے خراسان میں علمِ جہاد بلند کیا تب حاکم وقت ولید بن یزید بن عبدالملک نے والی عراق یوسف بن عمر کو حکم بھیجا کہ زید بن علی کی لاش کو جلا کر اُس کی راکھ کو دریائے فرات کے کنارے ہوا میں اڑا دو۔ لہذا حکم کی تعمیل ہوئی اور اس طرح یہ مدت تقریباً تین سال ہوتی ہے۔

بہر حال جو بھی مدت تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ابتداء ہی میں آپ کی ستر پوشی کا ایسا بندوبست فرمایا کہ اس طویل مدت میں کسی نے بھی آپ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ جیسا کہ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ کانت العنکبوت علی عورۃ فتسترھا۔ یعنی: مکڑی نے جالاتان دیا اور پرندوں نے گھوسلہ بنا لیا۔ اس واقع کی بابت بہت سی روایتیں کتب میں منقول ہیں۔

حضرت زید شہیدؓ کے جہادِ بالسیف کے واقعات کو طبری نے تفصیل سے لکھا ہے اور بعد کے لکھنے والوں نے طبری سے ہی لیا ہے۔ ہم نے بھی ان واقعات کی ترتیب میں تاریخِ طبری سے ہی استفادہ کیا ہے۔ مندرجہ بالا مضمون میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت زید شہیدؓ کی تحریک کے دوران اہل کوفہ نے

جوق در جوق آپ کی بیعت کی یہاں تک کہ یہ تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی۔ آپ کے طرفداروں کی کثرت اور جنگ سے پہلے کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ کو کامیابی نہ ہو۔ لیکن حکومتِ وقت نے اپنے کارندوں کے ذریعہ آپ کے طرفداروں میں بدگمانی اور خوف و ہراس پھیلا یا جس کے باعث وعدہ کے جھوٹے اور ہمت کے پیٹے مختلف چیلے بہانوں سے فرار کی راہ ڈھونڈنے لگے۔ اسی طرح کم ہمتوں کے ایک گروہ نے جنگ سے کچھ دن پہلے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بابت ایک ایٹو کھڑا کر کے راہ فرار اختیار کی۔ بقیہ اہل کوفہ کو حکمرانوں نے مسجدِ اعظم میں بلا کر محصور کر لیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے وقت آپ کے جانثاروں کی کم سے کم تعداد سو اٹھارہ اور زیادہ سے زیادہ تین سو رہ گئی۔ اس کے باوجود حضرت زید شہیدؓ نے اپنے ان مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ کثیر شامی فوجیوں کا مقابلہ کیا اور تین دن تک ایسی زبردست جنگ کی کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے اور جو تاریخ میں یادگار ہے۔ آپ کی شہادت کے بعد امویوں نے جس درندگی کا مظاہرہ کیا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔

زید شہیدؓ کا مقبرہ: بنی امیہ کے حکمرانوں نے جناب زید شہیدؓ کا نام و نشان مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کے باوجود حضرت زید شہیدؓ رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ آج بھی نہ صرف موجود ہے بلکہ زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے روضہ مبارک کے مقام کی بابت جناب قمر زیدی صاحب نے علامہ سید مہدی قزوینی قدس سرہ کی کتاب 'فلک النجاة' کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ "یشیک آج جس مقام پر جناب زیدؓ کا مشہور و معروف روضہ مبارک ہے یہی وہ مقام ہے جہاں آپ کو سولی دی گئی تھی اور جہاں جسم اقدس کو شعلوں کی نذر کیا گیا تھا۔ علامہ محترم کی وسعتِ علمی اور تحقیق و تدقیق مسلم الثبوت ہے اس لئے ہر فرد کو وثوق

کامل ہے کہ یہی وہ مقام ہے اور یہی کناسہ کا بازار تھا۔ جملہ علماء و محققین نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ ناحیہ ذی الکفل کے مشرقی قریہ کو ہی کناسہ کہا جاتا تھا یہ جگہ خلیلہ کے قریب ہے اور اس کو عباسیہ بھی کہا جاتا ہے اور اس میں قطعاً شک نہیں کیا جاسکتا کہ زمانہ قدیم میں خلیلہ ہی کو فہ کا وہ دروازہ تھا جہاں سے شام و مدائن و کربلا کو راستہ جاتا ہے۔

اسی ضمن میں موصوف نے اپنا نوٹ بھی تحریر فرمایا ہے، آپ لکھتے ہیں کہ ”آج کل جو زائرین زیارات مقامات مقدسہ سے مشرف ہونے لئے سرزمین عراق پر پہنچتے ہیں ان کو دورہ کی زیارتیں بھی کرائی جاتی ہیں۔ چنانچہ کربلا سے حلقہ جاتے ہوئے اور ناحیہ ذی الکفل کو عبور کرتے ہوئے جو راستہ کو فہ پہنچتا ہے اس کے پاس حضرت زید شہیدؓ کا مرقہ مقدس و روضہ اطہر موجود ہے۔ گذشتہ زمانے میں یہ راستہ ذرا دشوار گزار تھا مگر عبدالکریم قاسم کے زمانے میں حکومت عراق نے اس راستہ پر پختہ سڑک بنادی ہے اس لئے اب پہنچنا قطعاً مشکل نہیں ہے“^۱ یعنی کو فہ اور حلقہ کے درمیان ایک بستی ہے جو آپ کے نام کی نسبت سے مقام زید کہلاتی ہے۔ یہیں پر آپ کا شاندار مقبرہ ہے اور مقبرہ میں ایک ضریح بھی رکھی گئی ہے۔

خرائج عقیدت: علامہ محمد ابو زہرہ مصری نے حضرت زید شہیدؓ کی شان میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا اُسے ڈاکٹر سید صفدر حسین نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

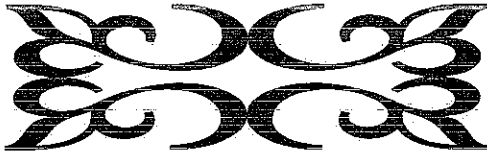
اس دنیا میں حق و صداقت کے طرفدار بلا خوف جان و متاع اور عزت و ناموس اپنے ضمیر کی آواز پر چل کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں اور طاعنوتی طاقتیں اپنی سیہ کاریوں سے اپنا نامہ اعمال داغدار بناتی رہتی ہیں۔ خوش نصیب

۱۔ بطل رشید زید شہید ص: ۱۷۹

وہ لوگ! جو راجح میں قربان ہو کر زندہ جاوید ہو جاتے ہیں اور شہادت کا درجہ رفیع پا کر دُنیا اور آخرت میں اپنا مقام بنا لیتے ہیں۔ جناب زید بھی اُن شہیدوں میں سے ہیں جنہیں اہل بصیرت آج بھی اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ”تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ زیدؓ بہت بڑے عالم تھے۔ اُن کا علم بہت وسیع اور معرفت بے پایاں تھی۔ وہ عراق و حجاز کے تمام فقہاء کے نظریات و خیالات کے عالم تھے۔ علماء زیدؓ کی قدر و منزلت پر جتنا متفق ہیں اتنا کسی عالم پر نہیں ہیں۔ اہل سنت و شیعہ، مرجیہ، معتزلہ سب کے سب بالاتفاق اُن کی امامت علمی کے قائل ہیں اور فقہ میں اُن کو حُجّت مانتے ہیں۔ ظلم و سرکشی کے خلاف زیدؓ کی برہمی کو علماء نے اہل علم و زہد کی برہمی قرار دیا ہے۔ بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ جناب زیدؓ کے انصار و رفقاء زیادہ تر فقہاء اور قاریان قرآن تھے۔ امام ابوحنیفہؒ دُورس تک زیدؓ کی شاگردی میں رہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے زیدؓ کو دیکھا، اُن سے بڑھ کر اُس زمانے میں فقیہ اور اُن سے بڑھ کر فوراً جواب دینے والا، واضح بات کہنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا۔ وہ عدیم النظر تھے۔ اُن کے متعلق امام ابوحنیفہؒ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ لوگ زیدؓ کے ساتھ غداری نہ کریں گے اور نہ اس طرح ساتھ چھوڑیں گے جس طرح اُن کے جد امجد کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تو یقیناً میں ان کی ہمراہی میں جہاد کرتا، کیونکہ وہ امام برحق تھے، میں نے اپنے مال سے اُن کی پوری مدد کی اور دس ہزار درہم اُن کے پاس بھیجے، اور ساتھ نہ دینے کی معذرت کی۔ اس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ زیدؓ کا خروج، فقہاء و قاریان قرآن، متقین اور محدثین کا خروج تھا۔ زید بن علیؓ ایسے ذاتی صفات کے حامل تھے جن سے پاک و صاف علم کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اولادِ علیؓ ابن ابی طالب کے یہ خصوصی صفات تھے۔ علمی خوبیاں

اور پاک و پاکیزہ اخلاق و عادات اہل بیت نبوی کے خاندانی میراث تھے اور وہ باپ دادا سے میراث میں پاتے رہے، اور جس طرح ان کی رگوں میں پیغمبر گاک پاک و پاکیزہ خون دوڑتا رہا اسی طرح ان کے نفوس میں اخلاقی نبوی سرایت کئے ہوئے تھے۔^۱

۱۔ الامام زید (علامہ ابو زہرہ مصری) ص: ۷۰ تا ۷۲ بحوالہ سادات باہرہ تاریخ کے مدو جز میں ص: ۱۸



فضائل و مناقب

قرآن سے تعلق: حضرت زید شہیدؓ کی قرآن حکیم سے خصوصی وابستگی کے باعث آپ کو اہل مدینہ حلیف القرآن کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ آپ نے طویل مدت تک خلوت میں قرآن مجید کا مطالعہ اور غور و خوض کیا، جیسا کہ آپ نے خود فرمایا کہ: خلوت بالقرآن ثلاث عشر سنة یعنی تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کیلئے میں نے خلوت اختیار کی۔

اس ضمن میں ابوالفرج اصفہانی نے تحریر کیا ہے کہ:

حدثنا يحيى بن الحسين قال: حدثنا الحسن بن يحيى بن الحسين بن زيد قال: حدثنا الحسن بن الحسين عن يحيى بن مساور عن ابي الجارود قال: قدمت المدينة فجعلت كلما سألت عن زيد بن علي قيل لي ذاك حليف القرآن“ (مقاتل الطالبيين ص: ۸۸)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ سلسلہ اسناد کے ساتھ ابوالجارود راوی ہیں کہ میں مدینہ میں آیا اور جس سے بھی جناب زید کے بارے میں پوچھا تو یہی جواب ملا کہ وہ تو قرآن مجید سے عہد و پیمان رکھنے والے حلیف اور ساتھی ہیں۔

شیخ عباس قتی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے:

”پس روایت کردہ از ابوالجارود و زیاد بن المنذر کہ گفت وارد مدینہ دم و از زید پرسش کردم گفتند او حلیف القرآن است یعنی پیوستہ مشغول قرآن است قرآن مجید است“ (مقتل الامال ج: ۱ ص: ۵۶)

قمر زیدی صاحب نے ابی عثمان الازدی کا بیان نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

جب زید ابن علیؓ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ حکومت میں شام آئے تو میں نے دیکھا کہ کوئی شخص بھی اُن سے زیادہ کتابِ خدا کا جاننے والا نہیں تھا۔ جب ہشام نے اُن کو پانچ ماہ کیلئے قید کر دیا تو ہم ان کے ساتھ قید میں تھے اور زمانہ قید میں حضرت زید ہم سے سورۃ الحمد اور سورۃ البقرہ کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے تھے جیسا کہ حق ہے۔ (بطل رشید زید شہید ص ۷۲)

حضرت زید شہیدؓ کے مندرجہ بالا بیان کہ ”میں نے تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کیلئے خلوت اختیار کی“ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی تحریر کرتے ہیں کہ ”تیرہ سال تک ہر چیز سے الگ ہو کر قرآن میں آپ کا یہ استغراق کس لئے تھا، جہاں تک قرآن سے معلوم ہوتا ہے بات وہی تھی کہ امتِ اسلامیہ میں مختلف ملل و ادیان کے لوگ فوج در فوج جو داخل ہوئے، اور ہر ایک اپنے ساتھ کچھ اپنے موروثی عقائد و خیالات کے جراثیم بھی لایا۔ مسلمان ہونے کے بعد شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر ان میں بعضوں نے یہ کوشش کی کہ اسلامی عقائد و مسلمات اور اپنے موروثی عقائد و خیالات میں مصالحت و موافقت کی شکل پیدا کریں، اور سچ پوچھے تو پہلی صدی ہجری میں بیسیوں فرقوں کی اسلام میں جو بھر مار ہو گئی تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ واقعہ بھی تھا۔ دوسری طرف حکومت قائمہ کے ساتھ مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہئے اس باب میں طرح طرح کے خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

چالیس چوروں کی جماعت مشائخ کی تھی اس نے تو سلاطین وقت کو ہر قسم کی مصلحت سے آزادی ہی بخش دی تھی۔ ان ہی کے بالمقابل خوارج اور اُن کے بوقلموں خیالات رکھنے والے فرقے تھے جو بات بات پر مسلمانوں کی گردنیں اڑا دینا، اُن کے جان و مال کو حلال سمجھ لینا، عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لینا اسی کو بطور پیشہ کے اختیار کئے ہوئے تھے جنکی جراتیں اس حد تک پہنچی ہوئی

تھیں کہ حضرت مرتضیٰ علیہ السلام تک سے توبہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے کہ تب کما تبنا (تم بھی اس طرح توبہ کرو جس طرح ہم نے توبہ کیا ہے) اسی طرح آپ دیکھ چکے کہ خود اہل بیت کے اراکین سیاسی معاملات سے یکسوئی اور قطعی علیحدگی کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے، الغرض یہی سوال کہ پراگندگی اور انتشار کے اس حال میں ”حق“ کیا ہے، جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تیرہ سال تک قرآن کے استغراق میں اسی سوال کا شاید جواب حضرت زید تلاش کر رہے تھے۔^۱

احادیث کی روشنی میں: حضرت زید شہیدؓ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں سے کچھ ہم پچھلے صفحات میں لکھ آئے ہیں اور کچھ کو ذیل میں درج کر رہے ہیں:

کتاب ’روض الضمیر‘ میں منہاج سے بحوالہ ابن اطہر اور کتاب ’جلاء الاصباز‘ میں حاکم اور ابانلی سے یحییٰ بن حسین ہارونی کی اسناد سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الشہید من ذریعتی والقائم بالحق ولذی المصلوب
الکناسہ کوفہ ان امام المجاہدین وقائد الغزاة
المخجلین یاتی یوم القیامة واصحابہ تتلقاہم
الملائکة المقربون فیادونہم ادخلوا الجنة لا خوف
علیکم ولا انتم تحزنون۔

ترجمہ: میری ذریت میں سے ایک شہید ہے اور حق قائم کرنے والا ہے جس کو کناسہ کوفہ میں سولی دی جائیگی۔ وہ اور اس کے اصحاب جب قیامت کے دن آئیں گے تو ملائکہ مقربین ان سے ملاقات کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تمہارے لئے نہ خوف ہے نہ حزن۔

(روض الضمیر ج: ۱ ص: ۵۸)

مشعل الحسین از خوارزمی ج: ۲ ص: ۱۲، بطل رشید زید شہید ص: ۱۹۲

۱۔ حضرت ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۲

علامہ باقر مجلسی نے تحریر کیا ہے کہ

”جناب جابرؓ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امام حسین علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ یا حسین یخرج من صلیبک رجل یقال لہ زید یتخطا ہو و اصحابہ رقاب الناس یدخلون الجنة بغیر حساب اے حسین! تمہاری نسل سے ایک فرزند پیدا ہوں گے جنہیں زید کہا جائے گا، وہ اور اُن کے ساتھی قیامت کے دن لوگوں سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے گزریں گے کہ اُن کے چہرے روشن اور نورانی ہوں گے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے“ (نفس المصدق: ۱ ص ۳۳۰، بحار الانوار ج ۲ ص ۱۹۲، بطل رشید زید شہید ص ۱۹۵)

اس حدیث کو متعدد کتب میں علماء و مورخین نے اپنے اپنے انداز میں

بیان کیا ہے۔ مثلاً ابوالفرج اصفہانی نے اس طرح لکھا ہے کہ:

حدثنی علی بن العباس قال: حدثنی اسماعیل بن اسحاق الراشدی قال: حدثنا محمد بن داؤد بن عبد الجبار عن ابیہ عن جابر عن ابی جعفر قال: قال رسول اللہ (ص) للحمین: یتخرج رجل من صلیب یتخطی لہ زید یتخطی ہو و اصحابہ یوم القیامۃ رقاب الناس غرا لمحجلین یدخلون الجنة بغیر حساب (مقاتل الطالین ص ۸۸)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ جناب رسالتآب نے امام حسینؑ سے فرمایا کہ اے حسین تمہارے صلب سے ایک فرزند عالم و جودی آئیگا جس کا نام زید ہوگا، قیامت کے دن وہ اور اس کے اصحاب اُن لوگوں سے آگے آگے چلے ہوں گے جو خوبصورت سفید گھوڑوں پر سوار ہوں گے اور وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائیں گے۔

ابوالفرج اصفہانی نے مکمل اسناد کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ:

حدثنی الحسن بن عبد اللہ قال : حدثنا جعفر بن
یحییٰ الأزدی قال : حدثنا محمد بن علی ابن اخت
خلاد المقری ، قال : حدثنا أبو نعیم الملائی عن
سماعة بن موسی الطحان قال : رأیت زید بن علی
مصلوباً لکناسة فما رأی احد له عورة استرسل جلد
من بطنهم فدامه و من خلفه حتی ستر عورته .

(مقاتل الطالبین ص: ۹۸)

ترجمہ: -- زید بن علی کو کناسہ میں سولی دی جائے گیا اور جو کوئی
بھی دانستہ ان کی ستر پر نظر کریگا وہ منہ کے بل دوزخ میں جا یگا۔

اسی حدیث کو ابن طاووسؒ نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کیا
ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ حضرت علیؑ اپنے اصحاب کے ہمراہ کوفہ میں اس مقام پر
مقیم ہوئے جہاں حضرت زید شہیدؑ کو سولی دی جانیوالی تھی۔ آپ
ملول ہوئے آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے، اصحاب نے سب
دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ان
رجل من ولدی یصلب هذا الموضع من رضی ان ینظر
النی عورته الیہ اللہ علی وجہہ فی النار یعنی میری اولاد
میں سے ایک مرد کو اس مقام پر سولی دی جائے گی اور جو شخص اس
کے جسم کے پوشیدہ حصوں پر نظر ڈالے گا خداوند عالم اس کو منہ کے
بل دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

(الملاحم باب ۳۱ ص: ۸۴ بحوالہ زید شہید بطل رشید ص: ۱۹۳)

آئمہ معصومین کی نظر میں : حضرت زید شہیدؑ کی بابت آئمہ معصومین
کے اقوال کثرت سے تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں ان میں سے چند درج
ذیل ہیں۔

(۱) یہ روایت عیون الاخبار الرضا میں امام زین العابدین علیہ السلام سے اور
انالی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح بیان کی گئی ہے۔ معمر سے مروی

ہے کہ ایک دفعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے جناب زیدؓ کی بابت فرمایا کہ مجھ سے میرے پدر بزرگوار نے میرے جدّ نامدار سے سن کر فرمایا ہے کہ اُن کی اولاد میں ایک فرزند ہوں گے جن کا نام زید ہوگا جو کوفہ میں قتل کئے جائیں گے اور کناسہ میں سولی پر لٹکائے جائیں گے اور وہ اپنی قبر سے برآمد ہوں گے تو اُن کی روح کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اہل آسمان اُن سے خوش اور مسرور ہوں گے اور اُن کی روح ہرے پرندے کے پونے میں رکھ دی جائے گی جو آزادی کے ساتھ جہاں چاہے گا جنت میں چلے پھرے گا۔^۱

(۲) یونس بن جناب ناقل ہیں کہ میں امام محمد باقر کے ساتھ مدرسہ آیا تو آپ نے جناب زید کو بلا کر گلے سے لگایا اور اس طرح طے کہ آپ کا شکم اُن کے شکم سے مل گیا تو فرمایا کہ خداوند عالم آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے ایسا نہ ہو کہ آپ کناسہ میں سولی دیئے جائیں۔^۲

(۳) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ”خداوند عالم زید پر رحمت نازل فرمائے وہ معتد و معتبر عالم ہیں۔“ (القدیر ج ۲: ص ۲۲۱)

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک اور مقام پر حضرت زید شہید کی عظمت کو یاد کرتے ہوئے فرمایا ”وہ مومن، عارف، عالم اور صادق تھے۔“ (رجال کشی ص ۱۸۲)

(۵) عبداللہ بن جریر کا بیان ہے کہ ”میں نے حضرت جعفر بن محمد کو اپنے چچا زید کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے دیکھا تا کہ وہ سوار ہو جائیں اور ان کے سوار ہو جانے کے بعد ان کے لباس کو زین پر درست فرما رہے تھے۔“

(مقالہ الطالین ص ۱۲۹)

(۶) حسن بن راشد سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں جناب زیدؓ کا ذکر بڑائی سے کیا تو امامؑ نے فرمایا ”ایسا نہ کرو خدا میرے چچا پر رحم فرمائے وہ ایک بار میرے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں ظلم اور خدا کی نافرمانی کے خلاف خروخ کرنا چاہتا ہوں۔“

۱۔ امالی، شیخ صدوق ص ۴۰، بیون الاخبار الرضا ج ۱ ص ۲۵۰، بحار الانوار ج ۶ ص ۱۸۹۔

۲۔ نفس المصدر ج ۸ ص ۱۳۱، بحار الانوار ج ۲ ص ۲۴۰۔

آپ نے فرمایا مجھے اس کام میں تمہارے قتل کئے جانے اور کوفہ کے باہر سولی پر لٹکا دیئے جانے کا خوف ہے۔ کیا تم اس کو پسند کرو گے؟“ انھوں نے کہا کہ ”بیشک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اللہ کے لئے کروں گا، اس لئے مجھے جو کچھ تکالیف پہنچیں گی برداشت کروں گا“۔

(۷) سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چچا زید کی بابت فرمایا: ”خدا اُن پر رحمت نازل فرمائے اور اُن کے قاتلوں پر لعنت کرے“۔

(۸) حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ ہمیشہ یہی صورت رہی ہے کہ جب بھی آپ حضرات اہل بیت علیہم السلام میں سے کسی نے باطل کے خلاف خروج کیا تو خود بھی قتل ہوا اور اُس کا ساتھ دینے والے بہت سے لوگ بھی قتل ہوئے۔ امامؑ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا ”ان میں ایسے لوگ بھی رہے جو خود ہی اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جنہیں ان کے دعویٰ میں جھٹلایا گیا اور ان کے عز و شرف اور عظمت و بزرگی سے انکار کیا گیا اور قتل کر دیئے گئے“۔

(۹) عبد اللہ بن سیاہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ ہم سات افراد مدینہ پہنچے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امامؑ نے دریافت فرمایا کہ ”آپ لوگوں کو میرے چچا زید کے بارے میں کچھ خبر ہے؟“ ہم نے عرض کیا کہ یا تو انھوں نے خروج کر دیا ہو گا یا خروج کرنے والے ہوں گے۔ امامؑ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو جو خبر بھی ملے مجھے ضرور اس کی اطلاع دینا۔۔۔ کچھ دن گزرنے پائے تھے کہ بس طبرنی کا قاصد ایک خط لیکر آیا جس میں لکھا تھا کہ جناب زید نے ماہ صفر کے پہلے بدھ کو باطل کے خلاف خروج کر دیا چنانچہ بدھ اور جمعرات ہی گزرے کہ جمعہ کے دن وہ قتل ہو گئے اور فلاں فلاں لوگ بھی اُن کے ساتھ قتل ہوئے اس خبر کے معلوم ہونے کے بعد ہم امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچے اور وہ خط امامؑ کے سامنے رکھ دیا۔ امامؑ نے اسے پڑھا اور گریہ فرمایا اور پھر کلمہ

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کو زبان پر جاری کیا۔ اور فرمایا کہ خدا کے نزدیک

۱۔ الخراج والجرح ص: ۱۹۶، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۱۵، نفس المصدر ج: ۸ ص: ۱۶۱،

بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۳۳، احتجاج طبرسی ص: ۲۰۳، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۰۶

میرے چچا کا بہتر افراد میں شمار ہے اور وہ ہماری دنیا و آخرت میں ایک بہادر انسان تھے۔ خدا کی قسم، میرے چچا اُن شہداء کی مثل ہیں جنہوں نے آنحضرتؐ اور امیر المؤمنینؑ اور امام حسن و امام حسینؑ کے ساتھ رہ کر درجہ شہادت حاصل کیا۔

(۱۰) ابن ابی عبدون نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ جب زید بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مامون کے دربار میں لائے گئے جبکہ انہوں نے بصرہ میں خروج کیا تھا اور بنی عباس کے گھروں کو آگ لگائی تھی، مامون نے انکے اس جرم کو اُنکے بھائی امام علی رضا علیہ السلام سے بیان کیا اور کہا کہ اے ابوالحسن! اگر آپکے بھائی نے خروج کیا ہے اور جو انہیں کرنا تھا وہ سب کچھ کر بیٹھے ہیں تو ان سے پہلے زید بن علی بن الحسینؑ نے بھی خروج کیا تھا اور وہ قتل کر دیئے گئے تھے اسلئے اگر آپ کا احترام میری نگاہوں میں نہ ہوتا تو میں بھی انہیں قتل کر دیتا، جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

امام علی رضاؑ نے جواب دیا کہ اے امیر! میرے بھائی کو جناب زید شہید بن علی بن حسینؑ پر قیاس نہ کر اور انہیں اُن کے برابر نہ سمجھ۔ جناب زید بن علیؑ تو آل محمد علیہم السلام کے علماء میں سے تھے اور خدا کی خوشنودی کے لئے اُٹھے تھے اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کیا اور اسی کی راہ میں قتل ہوئے۔ میرے پدر بزرگوار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے تھے کہ انہوں نے اپنے والد نامدار حضرت امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خداوند عالم میرے چچا جناب زید پر رحمت نازل فرمائے۔ انہوں نے تو آل محمد علیہم السلام کی رضا و خوشنودی کی طرف لوگوں کو دعوت دی تھی اگر وہ باطل کے خلاف جہاد کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اپنی دعوت الی الحق کو پورا کر لیتے، انہوں نے اپنے خروج کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیا تھا تو میں نے اُن سے یہی کہا کہ عم محترم اگر آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ قتل ہو جائیں اور کناسہ میں سولی پر لٹکائے جائیں تو آپ اس میں مختار ہیں جو چاہیں کریں۔

جب جناب زید نے اپنے مقصد کے لئے قدم اٹھایا تو امام جعفر صادقؑ نے فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہو جنہوں نے ان کی نیکار کوسنا اور پھر بھی

ان کی مدد نہ کی۔ یہ سن کر مامون نے کہا کہ کیا یہ سب کچھ درست نہیں کہ جو بغیر استحقاق دعویٰ امامت کر بیٹھے اور اُسے سزا نہ ملے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے جواب دیا کہ جناب زید بن علیؑ بن حسینؑ نے کبھی اُس امام کا دعویٰ نہیں کیا جس کے وہ مستحق نہ تھے۔ وہ تو خدا سے اس بارے میں ڈرتے تھے کہ وہ کوئی ایسا دعویٰ کریں جس کے وہ حقدار نہیں۔ انھوں نے تو لوگوں سے یہ کہا تھا کہ میں تو تمہیں رضاء آل محمد علیہم السلام کی طرف بلا رہا ہوں۔ خدا کی طرف سے سزا کا مستحق تو وہ شخص ہے جو یہ دعویٰ کر گزرے کہ خدا نے اس کے بارے میں نص کر دی ہے اور پھر وہ دین الہی کے علاوہ کسی دوسرے دین کی طرف بلائے اور بغیر تحقیق کے اسکی راہ سے لوگوں کو ہٹا دے۔ خدا کی قسم جناب زید تو ان لوگوں میں سے تھے جنکے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے: **وَحَا هٰذُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادٍ هُوَ اٰخِطٰکُمْ** (سورۃ الحج آیت ۷۸)

ترجمہ: اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے وہ تو تمہیں (اس کیلئے) منتخب کر چکا ہے۔

۱۱) ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضاؑ سے پچھانی پائے ہوئے (مصلوب) شخص کے بارے میں سوال کیا کہ اسکی کیا حیثیت ہوتی ہے اور کیا اس کیلئے رحمت کی دعا کی جاسکتی ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے جد بزرگوار نے اپنے چچا جناب زید پر صلوات بھیجی اور دعاء طلب رحمت فرمائی۔

علماء کی آراء: علمائے کرام و مورخین عظام نے حضرت زید شہیدؓ کے حالات و واقعات کا تذکرہ انتہائی احترام سے کیا ہے اور احادیث و روایات کی روشنی میں آپ کے فضائل و مدارج بیان کیئے ہیں۔ نیز وہ روایات بھی تحریر کی ہیں جن سے آپ کی مذمت و تنقیص کے پہلو اجاگر ہوتے ہیں، جن کی موجودگی کے باعث اور حقائق سے عدم واقفیت کے سبب غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ایسی ہی روایات کی بنیاد پر کوتاہ اندیش افراد عام محفلوں میں اُس عظیم شخصیت کی بابت

اعیون الاخبار الرضا ج ۱ ص ۲۲۸، بحار الانوار ج ۶ ص ۱۹۷، المصدر السابق ج ۳ ص ۲۱۵

ہنک آمیز الفاظ زبان پر لاتے ہیں۔ جو اعتراضات عام طور سے موضوع بحث بنتے ہیں وہ دو ہیں: اول، آپ کا جہاد بالسیف۔ یعنی یہ مشہور کیا گیا کہ چونکہ زید شہیدؓ نے وقت کے امام کی موجودگی، منشا اور اجازت کے بغیر جہاد کیا لہذا یہ جہاد جائز نہیں کہا جاسکتا کیونکہ جہاد صرف امام وقت کا حق ہوتا ہے۔ دوم، آپ کی ذات سے منسوب دعوائے امامت۔ یعنی کہا جانے لگا کہ زید شہیدؓ خود کو امام جانتے تھے اور اپنی امامت کو منوانا چاہتے تھے۔ یہ دونوں شبہات بر بنائے عصیت پھلائے گئے وگرنہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ درج ذیل بیانات سے واضح ہوتا ہے۔

جناب اولاد حیدر فوق بلگرامی نے خواجہ محمد پارسا کی کتاب ”فصل الخطاب“ کے حوالے سے خواجہ کا بیان نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ”زید شہیدؓ ایک متدین اور صاحب علم شخص تھے شروع شروع میں وہ کوفہ میں درس دیا کرتے تھے (اُس وقت) بنی نوع انسان میں کوئی شخص روئے زمین پر اُن سے بڑا عالم نہیں تھا“۔ حضرت زید شہیدؓ نے آئمہ معصومین سے جو علوم حاصل کئے تھے ان کی روشنی میں تبلیغ دین اور ترویج اسلام میں ہمہ تن مشغول رہتے تھے اور مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ چونکہ آپ وسعت علمی و ذکاوت فطری کے سبب اعلیٰ مقام پر فائز تھے لہذا حصول علم اور اخذ فیوض کی خاطر کثرت سے لوگ آپ سے رجوع کرتے تھے۔ آپ سے فیض یافتگان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں: محمد بن مسلم، محمد بن بکیر، عبداللہ بن صالح، ہاشم بن بصر، ابو حمزہ جعفر بن ابی زیاد الاحمر، ابوالجارود، زیاد بن المنذر وغیرہ۔ نیز فقہائے کوفہ کی کثیر تعداد جن میں سلم بن کہل، یزید بن ابی زیاد، ہارون بن سعید، ابو ہاشم الرمانی، حجاج بن دینا وغیرہ شامل تھے حضرت زیدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم فقہ حاصل کرتے تھے۔ ان کے علاوہ خاندان بنی ہاشم کے جن اشخاص نے آپ سے علم

حدیث حاصل کیا ان میں ابراہیم بن حسن ثنی اور ان کے بھائی حسن مثالث، حسین بن امام علی زین العابدینؑ، عبید اللہ اور عبد اللہ پسران محمد بن عمر بن علی بن ابرہہ قابل ذکر ہیں۔

شیخ محمد عباس قمی نے تحریر کیا ہے کہ:

”شیخ مفیدؒ فرمودہ کہ زید بن علی ابن الحسینؑ بعد از حضرت امام محمد باقرؑ از دیگر برادران خود بہتر و از ہنگی افضل بود و عابد و پرہیزگار و فقیہ و نجی و شجاع بود و ہاشمیہ ظہور نمود، امر بمعروف و نہی از منکر و طلب خون امام حسینؑ کرد، (مقنی الآمال ج ۲ ص ۵۶) ترجمہ: شیخ مفید نے ارشاد فرمایا کہ جناب زید بن علی بن الحسینؑ امام محمد باقر علیہ السلام کے بعد اپنے بھائیوں میں افضل و بہتر تھے اور بڑے عابد، نیک، فقیہ، نجی اور بہادر انسان تھے اور انھوں نے تلوار نکالی اور جہاد کیا تو اس لیے کہ وہ نیکی کا حکم کرتے تھے اور برائی سے روکتے تھے اور خون حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ (بحار الانوار ج ۶ ص ۲۶)

شیخ محمد یعقوب کلینی نے امام محمد باقرؑ کا ایک بیان اس طرح تحریر فرمایا ہے:

عیدک باللہ یا اخی ان تکون لہم غداً المصلوب
بالکناسۃ ثم ارفضت عیناہ و سالت دعوہ ثم قال اللہ
بیننا و بین من ہتک سترنا و حججنا ناحقنا و اقصی سیر
نا و نسبتنا الی غیر حدنا و قال فینا مالہم نقد فی الفنا
(الثانی کتاب اکت ص ۴۳۲)

ترجمہ: میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس امر میں کہ اے بھائی تم کو سولی دیا جائے کناسہ میں۔ یہ فرما کر آپ کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور آنسو جاری ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے، ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے ہماری پردہ دری کی اور ہمارے حق سے انکار کیا اور ہمارے بھید افشاں کئے اور

نسبت ذی ہم کو ہمارے جد کے غیر سے اور ہمارے بارے میں ان باتوں کو بیان کیا جو ہمارے دل میں نہ تھیں۔

اردوبیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”زید بن علی جلیل القدر اور عظیم المرتبت انسان تھے، انہوں نے راہِ خدا میں شہادت پائی۔ ان کی جلالتِ شخصیت کے بارے میں بہت زیادہ روایات موجود ہیں۔

(جامع الرواة ج: ۱ ص: ۳۳۳)

علامہ جلیل امینی حضرت زید شہیدؓ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ”وہ مشہور ترین علمائے اہلبیت میں سے ایک تھے۔ فضائل و کمالات کے اعتبار سے وہ ہمہ جہت شخصیت تھے اور ان سے علمِ چشمہ کے پانی کی طرح ابلتا تھا۔

(الغدیر ج: ۳ ص: ۹۶)

قمر زیدی صاحب نے شرف الدین حسین جیمی اور شیخ طوسی کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ: ”حافظ ابن شیبہ، ابن حجر اشعری، ذہبی وابن تیمیہ ان سب کے بیانات اس امر کے شاہد ہیں کہ حضرت زید شہید علماء میں بزرگ اور اہلبیت میں علم و فقہ میں فاضل ترین شخصیت تھے۔ نیز علمائے اہل تشیع میں سے شیخ مفید (الارشاد)، میرزا عبد اللہ المعروف بالآفندی (ریاض العلماء)، ابوالحسن العمری (انسابہ الجدی)، سید علی خان (شرح صحیفہ کاملہ)، حاکمی (رجال الوسائل) اور محدث ثوری (رجال المستدرک) نے بالتحریح بیان کیا ہے کہ حضرت زید شہید فضیلتِ علم اور مناظرات کی نوعیت و ندرت میں یگانہ روزگار تھے۔ اور عمر ابن موسیٰ الوجدی بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے کتابِ خدا کے ناخ و منسوخ اور قشاہات کی معرفت میں زید شہید سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا“۔ مورخین نے فضائلِ زید شہیدؓ سے متعلق قدماء کی متعدد روایات بیان کی ہیں، جنہیں قمر صاحب نے بھی تحریر فرمایا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ الروض الضمیر ص: ۵۰، فہرست شیخ طوسی، بحوالہ اہل رشد زید شہید ص: ۷۱

(۱) حافظ بیت علی خزاز قمی نے اپنی کتاب ”کفایۃ الاثر“ میں تحریر کیا ہے کہ: ”زید ابن علی عوام و خواص میں نیکی و پاکیزگی میں شہرت تام کے مالک تھے اور آپ شرافت کے محل جلیل پر فائز تھے۔ آپ کا خروج برائے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تھانہ کہ اپنے بھتیجے حضرت امام جعفر ابن محمد کی مخالفت میں۔ دراصل لوگوں نے اس کو غلط رنگ میں پیش کیا اور غلط طور سے مشہور کر دیا صرف اس بنا پر کہ حضرت زید نے خروج بالسیف کیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خروج نہیں فرمایا۔ اس بناء پر شیعوں کے ایک گروہ کو اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ حضرت جعفر ابن محمد نے حضرت زید کو خروج سے منع فرمایا تھا۔ فرقہ زیدیہ کے افراد نے اس موقع پر یہ استدلال قائم کر لیا کہ وہ شخص امام نہیں ہو سکتا جو گھر میں بیٹھا رہے بلکہ امام وہ ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے خروج بالسیف کرے۔ یہ اختلاف آج تک شیعوں میں موجود ہے درآں حالیکہ حضرت امام اور حضرت شہید میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں تھا جس کی پہلی دلیل میں زید شہید کا وہ مشہور قول، جو آپ نے کوفہ میں لوگوں کو دعوت جہاد دیتے وقت واضح الفاظ میں فرمایا تھا کہ ”جو جہاد کا ارادہ رکھتا ہے وہ میرے ہمراہ آجائے اور جو علم کا متلاشی ہے وہ میرے بھتیجے جعفر ابن محمد کے پاس جائے“ پیش کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خود عوامے امامت کرنے والا کبھی بھی اپنے کمال علم کی نفی نہیں کر سکتا کیونکہ امام کا اپنے زمانے کے لوگوں سے اعلم تر ہونا عقلاً ضروری ہے۔

جبکہ دوسری دلیل میں خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا وہ قول پیش کیا جاسکتا ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ رحم اللہ عمی زید ابو ظفر اوفی ائمتنا دعا الی الرضا من آل محمد و انا الرضا یعنی خدا میرے پیچازید پر رحم فرمائے اس لئے کہ اگر وہ ظفر یاب و محمد ہو جاتے تو اپنے وعدے کو وفا کرتے اور وہ بے شک لوگوں کو رضائے آل محمد کی جانب بلاتے تھے اور وہ ”رضا“ میں ہوں۔

(۲) جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ”الارشاد“ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

کان زید ابن علی عین اخوته بعد الی جعفر الباقی و
افضلہم و کان عابدًا و رعاقیہا سخیا شجاعا و اعتقد

كثير من الشيعة فيه الامامة و كان سبب اعتقادهم ذلك فيه خروجه بالسيف يدعو الى الرضا من آل محمد فظنوه يريد بذلك نفسه ولم يكف يريده لمعرفة باستحقاق اخيه امامته من قبل ووصية عند وفاته الى ابي عبد الله عليه السلام.

ترجمہ: زید شہید ابن علی، امام باقر علیہ السلام کے بعد اپنے جملہ بھائیوں میں سب سے افضل اور اپنے پدیرگرامی کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ آپ عابد، صاحب ورع و تقویٰ، فقیہ، سخی اور بہادر تھے۔ شیعوں میں سے اکثر افراد آپ کی امامت کے معتقد ہیں اور انکے اعتقاد کا سبب آپ کا خروج بالسیف ہے جس میں آپ رضائے آل محمد کی جانب لوگوں کو طلب کرتے تھے، اس لئے ان لوگوں نے گمان کر لیا کہ زید اپنے لئے لوگوں کو دعوت دیتے تھے اور وہ خود کو رضائے آل محمد شمار کرتے تھے درآنحالیکہ یہ گمان درست نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے بھائی (امام محمد باقرؑ) کی امامت کے استحقاق کی معرفت پہلے ہی سے رکھتے تھے جیسا کہ آپ کی اس وصیت سے ظاہر ہوتا ہے جو وقت وفات آپ نے ابي عبد الله عليه السلام سے کی تھی۔

(۳) ابوالحسن العمري نے اپنی کتاب ”المجدي“ میں اولاد علی بن حسین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص ظاہری کیفیت کے پیش نظر کہتا ہے کہ زید شہید امام تھے پس وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

(۴) ابن داؤد حلی نے اپنی کتاب ”رجالہ“ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے حضرت زید شہیدؓ کی وفا کی شہادت دی اور ان پر اظہار مرحمت فرمایا ہے جو حضرت زید شہیدؓ کی جلالت کیلئے کافی ہے۔

(۵) شہید اول جناب محمد بن شیخ جمال الدین مکی نے اپنی کتاب ”التواعد“ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وجوب کا قاعدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا

ہے کہ کان خروج زید ابن علی علیہ السلام باذن الامام علیہ السلام یعنی زید بن علی کا خروج امام کے اذن و اجازت سے تھا۔

(۶) مرزا محمد رجالی نے اپنی کتاب ”منج اقبال“ میں عبد اللہ ابن زبیر الرسان کے ترجمہ میں تحریر کیا ہے کہ زید ابن علی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قاصد تھے اور وہ رضائے آل محمد کی جانب لوگوں کو دعوت دینے والے تھے۔

(۷) شیخ عبدالطیف بن علی العاطلی نے ”رجالہ“ میں تحریر کیا ہے کہ: کان زید ابن علی علیہ السلام جلیل القدر عظیم المنزلتہ وردنی مدحتہ وروایات کثیرا یعنی زید بن علی جلیل القدر اور منزلت عظیم پر فائز تھے، آپ کی مدح و تعریف میں کثیر روایات وارد ہوئی ہیں۔

(۸) علامہ باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

اتہ لم یدع الامامتہ وانہ کان قائلاً بامامتہ الباقر والصادق و
انما خرج لطلب نار الحسین والامر بالمعروف وانہی عن
المنکر وکان یدعو الی الرضا من آل محمد وانہ کان عازماً علی انہ
ان اغلب علی الامر فوضہ الی افضلہم و اعلمہم والیہ ذهب
اکثر اصحابنا یدلم اری فہ کلامہم غیرہ وقیل انہ کان ما ذوقامن
قبل الامام سواً ویویدہ ما استفیض من بکاء صادق و ترحمة ودعائہ
لہ ولو قتل علی دعوی الامامۃ لم یستحق بذالک

یعنی علامہ مجلسی نے تحریر فرمایا کہ حضرت زید شہیدؑ نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ تو حضرت امام محمد باقرؑ و حضرت امام جعفر صادقؑ کی امامت کے قائل تھے۔ بیشک انہوں نے انتقام خون حسینؑ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلئے جہاد کیا تھا۔ آپ لوگوں کو رضائے آل محمد کے لئے بلاتے تھے اور ان کا یہ عزم بالجزم تھا کہ اگر وہ غلبہ حاصل کر لیتے تو وہ ہر امامت کو اپنے سے افضل و اعلم کے سپرد کر دیتے (یعنی حضرت امام جعفر صادقؑ)۔

(۹) مرزا عبد اللہ المعروف بہ آقندی نے ”ریاض العلماء“ میں تحریر کیا ہے کہ: زید اپنے خانوادے میں عظیم و بزرگ سردار تھے اور کتب رجال میں آپ کی فضیلت سے متعلق کثرت سے روایات بائی جاتی ہیں۔

۱۰) شیخ ہمام الدین عالمی نے ”رسالہ اثبات وجود صاحب الزماں“ میں تحریر فرمایا ہے کہ: انا معشر الامامیہ لانقول فی زید ابن علی الآخیر او الردایات عن ائمتنا فی هذا المعنی کثیرہ . یعنی گروہ امامیہ حضرت زید شہیدؑ کے بارے میں خیر و نیکی کے علاوہ کچھ نہیں کہتا کیونکہ اس سلسلہ میں ہمارے آئمہ علیہم السلام کی کثیر روایات موجود ہیں۔

۱۱) سید علی خاں نے ”شرح صحیفہ“ میں ارشاد فرمایا ہے کہ: زید ابن علی عارف بالحق تھے یہی انکا اعتقاد تھا وہ حق کو پہچانتے تھے اور اس پر محکم عقیدہ بھی رکھتے تھے۔

۱۲) شیخ محمد ابن الحسن الحر العاملی نے ”رجال الوسائل“ میں حضرت زیدؑ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ: آپ امام جعفر صادقؑ کے پدر گرامی (امام محمد باقرؑ) کے بعد اپنے بھائیوں میں سب سے افضل تھے اور امام زین العابدینؑ کی آنکھوں کی ٹھنڈک سمجھے جاتے تھے۔ آپ صاحب ورع و تقویٰ، عابد و زاہد، فقیہ و سخی اور شجاع تھے۔ آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور انتقام خون حسین مظلوم کے واسطے تلوار کے ساتھ ظہور فرمایا۔ اگرچہ کثیر تعداد میں لوگوں کو آپ کی امامت پر اعتقاد ہے لیکن ہرگز ہرگز آپ اپنے لئے یہ منصب نہ چاہتے تھے۔ کتب احادیث میں آپ کی کثرت سے مدح موجود ہے۔

۱۳) جناب محدث نوری ”رجال مستدرک الوسائل“ میں رقمطراز ہیں کہ: بیشک زید ابن علی طویل القدر، عظیم الشان اور کبیر المنزلت تھے۔ آپ کے خلاف جو کچھ بھی وارد ہوا ہے وہ سب تقیہ پر محمول ہے۔

شیخ محمد عباس قمی کا بیان ہے کہ: ظہور کمالات نفسانی و مجاہدات زید بن علی بامرہ مروانی مستغنی از توصیف است، صیت فضل و شجاعت او مشہور و آثار سیف و سنان او در السنہ مذکور این چند شعر کہ از حسن کنانی است در وصف فضل و شجاعت او است در کتاب مجالس المؤمنین مسطور است۔ (مصحف الامال ج ۳ ص ۵۶)

فلما تردى بالحمائل وانتهى يصول باطراف القنا الذوابل

تيسر في سيم الترز التقي يطيل حنين الامهات لتواكل

تيسر في سيم الترز التقي وليدأ يقدي بين ايدي القوابل

امندرجہ بالا روایات مانحود از بطل رشید زید شہید ص ۱۸۳-۱۸۹

عمر و بن خالد سے مروی ہے کہ جناب زید بن امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ہم اہل بیت میں سے ہر زمانے میں ایک ہستی موجود رہتی ہے جس سے خداوند عالم اپنی مخلوق پر دلیل و حجت قائم کرے اور ہمارے اس زمانہ میں میرے بھتیجے امام جعفر بن محمد (علیہم السلام) امام وقت ہیں، جو ان کی پیروی کرے گا گمراہ نہ ہوگا اور جو ان کی مخالفت کرے گا ہدایت نہیں پاسکتا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا ہے کہ: ”زید بن علی نے ارشاد فرمایا کہ ہر زمانے میں آل محمد سے طرف ایک شخص امام اور حجت خدا ہوگا اور اس زمانہ میں حجت خدا میرے بھتیجے جعفر بن محمد ہیں جو شخص ان کی پیروی کرے گا وہ ہرگز گمراہ نہ ہوگا اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا وہ ہرگز ہدایت نہیں پائے گا“۔

مشہور محدث ابو عوانہ نے حضرت زید شہیدؓ کی بابت لکھا ہے کہ

كان زيد بن علي يري الحياة غراماً و كان
ضجراً بالحيوة یعنی: زید بن علی کیلئے زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی
اور آپ زندگی سے تنگ آچکے تھے۔ (مقدمہ الروض الضمیر ص ۵۵)

ابو الفرج اصفہانی نے حضرت زید شہیدؓ سے متعلق اپنی کتاب ’مقاتل

الطالبيين‘ میں بہت سی روایات تحریر کی ہیں۔

ان سب کے علاوہ دور حاضر کے جید عالم دین جناب آیت اللہ العظمیٰ
المنظری دامت برکاتہ نے زید شہیدؓ کے واقعات تفصیلاً تحریر فرمائے ہیں۔ ہم
نے آپ کا اصل مضمون من وعن بطور ضمیمہ کتاب کے آخر میں درج کیا ہے نیز اس
کا اردو ترجمہ بھی دیا ہے

منقولہ احادیث و روایات: حضرت زید شہیدؓ اپنے والد امام علی زین
العابدین، اپنے بھائی امام محمد باقر اور اپنے بھتیجے امام جعفر صادق علیہم السلام سے
احادیث بیان کیا کرتے تھے جو کتب احادیث میں منقول ہیں۔ یہاں ہم محمد بن
بکیر کی بیان کردہ روایات کو نقل کرتے ہیں:-

۱. ابالی، شیخ صدوق ص ۵۴۲، بحار الانوار ج ۲ ص ۲۳۵

اس روایت کو محمد بن حسین بزوفری نے جناب کلینیؒ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے محمد بن یحییٰ، انہوں نے مسلم بن خطاب سے، انہوں نے طیا لسی سے، انہوں نے ابن عمیر سے، انہوں نے صالح بن عقبہ سے، انہوں نے علقمہ بن محمد خضرمی سے، انہوں نے صالح بن بشر سے اور انہوں نے محمد بن بکیر سے روایت بیان کی ہے کہ ”ایک مرتبہ میں جناب زید کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت ان کے پاس صالح بن بشر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ خروج کا ارادہ کر چکے تھے۔ میں نے عرض کیا فرزند رسول! کوئی حدیث بیان فرمائیے۔ جناب زید نے فرمایا کہ سنو! مجھ سے میرے والد بزرگوار نے فرمایا جسے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انہوں نے اپنے جدناہدار سے روایت کیا کہ:

”آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو خداوند عالم نعمت عطا فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ خدا کی حمد کرے اور جس شخص کے رزق میں تنگی ہو تو وہ خدا سے استغفار کرے اور جو رنج و غم میں مبتلا ہو تو وہ لاجل و لا قوۃ الا باللہ کا ورد رکھے“ (بخاری الاوارج ۶ ص ۲۳۳)

محمد بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ فرزند رسول! مزید کچھ ارشاد فرمائیے۔ تب آپ نے اسی سلسلہ روایت سے ارشاد فرمایا کہ:

”آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن میں چار آدمیوں کی شفاعت کروں گا۔ ایک وہ شخص جو کہ میری ذریت اور اولاد کا احترام کرے۔ دوسرے وہ شخص جو انکی ضروریات کو پورا کرے۔ تیسرے وہ شخص جو میری اولاد کیلئے ان کے امور میں کوشاں رہے جبکہ وہ پریشان ہوں اور جو تھے وہ شخص جو ان سے زبان اور دل سے محبت رکھتا ہو۔“

محمد بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ فرزند رسول! اس فضل و احسان کے بارے میں ارشاد فرمائیے جو خداوند عالم نے آپ حضرات کو عطا فرمایا ہے۔ جناب زید نے اپنے اسی سلسلہ روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم کے ارشاد کو بیان فرمایا کہ ”جو شخص ہم اہلبیت سے خوشنودی خدا کی خاطر محبت رکھے اُس کا حشر ہمارے ساتھ ہوگا اور ہم اسے اپنے ساتھ جنت میں بیجا کریں گے“ آپ نے مزید فرمایا:

”اے ابن بکیر! جو شخص ہمارے دامن کو مضبوطی سے پکڑے گا وہ ہمارے ساتھ بلند درجوں پر ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو رسالت کیلئے منتخب فرمایا اور ہمیں ان کی ذریت قرار دیا ہمارے ہی میں مصطفیٰؐ بھی ہیں اور مرتضیٰؑ بھی اور ہم ہی میں سے امام مہدی ہوں گے جو اس امت کے قائم ہیں اور جو دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔“

ابن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ فرزند رسول! کیا آپ اس منصبِ امامت پر قائل ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”میں تو عترت رسول کا ایک فرد ہوں (امام نہیں)۔“ ابن بکیر نے پھر عرض کیا ”یہ جو کچھ آپ نے فرمایا اپنی طرف سے ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے؟“ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”اگر میں عالم الغیب ہوتا تو نیکی ہی نیکی کرتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ تو رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور آپؐ ہی نے ایک عہد نامہ ہمیں عنایت فرمایا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنی زندگی کے شب و روز گزارتے ہیں اور اخبار بتاتے ہیں۔“ پھر آپ نے چند اشعار پڑھے

نحن سادات قریش و قوام الحق الینا نحن الانوار الئی من قبل کون الخلق کما
نحن من المصطفیٰ المختار والممدی من فینا قد عرف الله و با الحق امنا

سوف یصلاہ سعیر من تولی الیوم عنا

ترجمہ: ہم قریش کے سادات ہیں (سید و سردار ہیں) اور حق کا قیام ہمارے اندر ہے اور کائنات کے قیام سے پہلے ہمارے انوار پیدا ہو چکے تھے۔ ہم میں ہی خدا کے منتخب اور پسندیدہ بندے ہوئے اور ہم میں ہی مہدی ہوں

گے۔ خدا ہمارے ہی ذریعے سے پہچانا گیا اور ہم نے ہی حق کو قائم کیا۔ وہ شخص آتش جہنم میں ڈالا جائیگا جو ہماری طرف سے منہ پھیرے گا۔

علی بن حسین کہتے ہیں کہ اس روایت کو محمد بن حسین بزوفری نے جناب کلینیؒ سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے محمد بن یحییٰ سے، انہوں نے سلمہ بن خطاب سے، انہوں نے طیالسی اور انہوں نے ابن عمیرہ اور صالح بن عقبہ سے اور انھوں نے علقمہ بن محمد حضری سے روایت کیا ہے کہ صالح نے کہا ”میں جناب زید بن علی بن حسینؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ محمد بن بکیر آپ کے پاس آئے اور انھوں نے اس حدیث کو محمد بن بکیر سے بیان کیا۔ ۲

زید شہیدؓ کا ایک خطبہ: فرات بن ابراہیم ”تفسیر فرات“ میں جعفر بن احمد سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت زید شہیدؓ نے اپنے جہاد سے قبل اہل کوفہ کو مخاطب کر کے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

”خداوند عالم نے ہر زمانہ میں ہدایت خلق کیلئے اپنے نیک بندوں کو مبعوث فرمایا ہے اور ان میں سے اپنے پسندیدہ حضرات کا انتخاب فرمایا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (سورہ انعام آیت: ۱۲۳) ترجمہ: اللہ ہی کو اس کا بہتر علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ قرار دے۔ چنانچہ خدا اپنے نیک بندوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتا رہا یہاں تک کہ سب کے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہترین مٹی سے خلق فرمایا اور آپ کی ذریت و عنقریب کو پاک و پاکیزہ قرار دیا جو لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے۔ لہذا جب آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا سے رحلت ہوگئی تو قریش نے تمام انبیاء کے مقابلہ میں اس پر فخر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش سے تھے اس لئے ہمیں سب پر فضیلت حاصل ہے۔ اور تمہم والے کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو عربی تھے۔ یہاں تک کہ کلمۃ اللہ ظاہر ہوا اور خدا کی نعمت پوری ہوگئی۔

اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرتے رہو اور حق کی آواز پر لبیک ہو اور ان لوگوں کے مددگار ہو جاؤ جو تمہیں اپنی طرف بلاتے ہیں اور بنی اسرائیل کا طریقہ اختیار نہ کرو جو اپنے انبیاء کو جھٹلاتے تھے۔ اور جنہوں نے اپنے نبی کے اہل بیت کو قتل کیا۔

اے اس نبی کی دعوت کو سننے والو! اور ہماری بات کو سمجھنے والو! میں تمہیں اس عظیم و برتر خدا کی یاد دلاتا ہوں کہ یاد دلانے والوں نے جس کے برابر کسی کا ذکر ہی نہیں کیا۔ جب تم اسے یاد کرتے ہو تو تمہارے دلوں پر اس کے ذکر سے خوف طاری ہو جاتا ہے اور تم کا پنے لگتے ہو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم تمہارے ہی نبی کی اولاد ہیں کہ ہم مظلوم اور لاچار ہیں۔ ہم اپنے حقوق سے محروم رہے اور نہ ہمیں ہماری میراث ملی۔ ہمارے گھروں کو تاراج کیا گیا اور ہمارے ناموس کو رسوا کیا گیا۔ ہمارے بچے خوف کی حالت میں پیدا ہوئے اور ہمارا ہر نشوونما پانے والا بچہ ظلم و جور کی فضا میں پرورش پاتا ہے اور ہمارا مرنے والا ذلت اور محرومی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

افسوس کہ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ خدا کی طرف سے تم پر تمہاری امت کے سرکشوں اور ظالموں سے جہاد فرض کیا گیا ہے اور ان اولیا کی مدد کرنا بھی تمہارا فرض ہے جو خدا اور اسکی کتاب کی طرف بلاتے ہیں۔ اسی کا ارشاد ہے کہ
 وَكَيْنُصْرَ اللَّهِ مَنْ يُنْصُرُهُ ط إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (سورۃ الحج آیت ۴۰)
 ترجمہ: اور یقیناً خدا اس شخص کی مدد ضرور کریگا جو اس (کے دین) کی مدد کرے
 بیشک خدا تو طاقت اور غلبہ والا ہے۔

ہم تو وہ قوم ہیں کہ جب ہم کسی پر غضبناک ہوتے ہیں تو خدا کیلئے ہوتے ہیں اور ہم کسی پر ظلم کرنا عیب سمجھتے ہیں جو ہماری طلت میں جاری ہے۔ امامت و خلافت کے ورثہ میں آجانے سے ہم ذلیل قرار دیدئے گئے۔

افسوس کہ تم نے خواہشوں کی پیروی کی اور عہد کو توڑ دیا، بیوقت نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ وصول کی تو جائزے کے بغیر اور وہ بھی جس کے حوالے کی تودہ اُس کا اہل نہ تھا، حج کی عبادت بجالائے تو قربانی کے بغیر اور عطایا و ثمنس اور امولِ غنیمت کو برباد کر دیا اور فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو نہیں دیا جو ان کے مستحق تھے۔ شرعی حدود و قوانین کو معطل اور بیکار سمجھ لیا اور ان کے بدلے میں خوب دولت سمیٹ لی اور رشوتوں، سفارشوں اور عہدے حاصل کر نیکا بازار گرم کر دیا اور اوباش فاسقوں کی قربت حاصل کی، نیک لوگوں کو سزائیں دیں گئیں، خیانت کا کاروبار چمکنے لگا۔ اور دنیا مند اور امانت دار لوگ خائن قرار دیدیئے گئے، لوگوں پر مجوسی مسلط کر دیئے گئے، دولت، فوج اور لشکر کی تیاریوں میں صرف کی گئی اور بے گناہوں کو مقید کیا گیا، اہل فضیلت کے کوڑے لگائے گئے۔ باپ مار ڈالے گئے اور بچے یتیم ہوئے، برائی کا حکم دیا گیا نیکی سے روکا گیا اور یہ سب کچھ کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کو سمجھے بغیر کیا گیا پھر بھی تم میں سے گمان کرنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ اسے خدائے تعالیٰ نے خلافت دی ہے۔ وہ اس کی مخالفت میں حکم دیتا ہے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتا ہے اور اس کی محترم چیزوں کی بے حرمتی کرتا ہے اور جو شخص بھی امرِ خداوندی کی طرف بلاتا ہے اسے قتل کر ڈالتا ہے، وہ شخصِ خدا کے نزدیک کتابدتر ہے جو خدا پر جھوٹ کا طوفان باندھے یا دوسروں کو اس کی راہ سے روکے یا اس سے بغاوت پر آمادہ ہو جائے اور وہ لوگ خدا کے یہاں کتنے عظیم اجر کے مستحق ہیں جو اس کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور اس کے امر کا اعلان کرتے اور اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں بلکہ اس میں جلدی کرتے ہیں۔ اور وہ شخصِ خدا کے نزدیک کم حیثیت ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ ان امور کے بغیر اسکے ساتھ بھلائی کی جائیگی اور ان سب امور میں خدا کے حق کو کمتر اور اس کے حکم کو بچ سمجھتے ہوئے چھوڑ بیٹھے اور دنیا کیلئے ایثار کرے اور وہ شخص کتنا اچھا ہے جو

اس کا قائل ہو کہ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا
لِحَاوًا قَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (سورہ اہم آیت: ۳۳) ترجمہ: اور اس سے
عمدہ بات کس کی ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ اور اعمال صالح کی جانب بلائے
اور کہے کہ بیشک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔^۱

مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب نے زید شہیدؓ کی اس تقریر کا تذکرہ
کیا ہے جس میں آپ نے اُس زمانہ کے مختلف اعتقادی فرقوں کا ذکر کرتے
ہوئے فرمایا کہ:

”میں ان لوگوں سے بری ہوں جو حق تعالیٰ کو اسکی مخلوقات جیسی ہستی
خیال کرتے ہیں (یعنی جو اللہ تعالیٰ کیلئے آدمی کی طرح آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ
ثابت کرتے ہیں بلکہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ بجز داڑھی اور شرمگاہ کے خدا
میں وہ سارے اجزاء پائے جاتے ہیں جو آدمی کے جسد میں ہوتے ہیں) اور ان
جبریوں سے بھی بری ہوں جنہوں نے اپنی ساری شرارتوں اور بد اعمالیوں کی
گٹھری خدا پر لاد دی ہے (یعنی ہم کچھ نہیں کرتے سب خدا کرتا ہے اور کراتا
ہے) اور میں ان لوگوں سے بھی بری ہوں جنہوں نے بدکاروں اور شریروں کے
دل میں یہ توقع پیدا کر دی ہے کہ خدا اُن کو یوں بھی چھوڑ دیگا (یعنی نجات کیلئے
صرف ایمان کا دعویٰ کافی ہے، عمل صالح کی ضرورت نہیں جو مرجعہ کا عقیدہ ہے)
اور میں اُن دین باختوں سے بھی بری ہوں جو حضرت علیؓ کو کافر کہتے ہیں اور اُن
رافضیوں سے بھی جدا ہوں جو ابو بکر و عمر کی تکفیر کرتے ہیں۔ مگر خیر ان باتوں کا
تعلق تو دینی اور مذہبی عقائد و خیالات سے تھا۔ حکومت مسلط جن ناکردنیوں کا
ارتکاب کر رہی تھی اور اس کے حکام جن ناکفنیوں پر مسلمانوں کے حق میں جری
ہو گئے تھے ان کے مقابلہ میں کیا طریقہ عمل اختیار کر لیا جائے یقیناً اس خلوت

^۱ تفسیر فرات من سورہ بصلت، بحار الانوار، ج: ۶، ص: ۲۳۵، بطل رشید زید شہید ص: ۹۹

بالقرآن کے تیرہ سالوں میں یہ سوال بھی اُن کے سامنے تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی سوال کا جواب تھا جو کوفہ کی گلیوں میں آپ کے خون سے لکھا گیا۔^۱

تنقیص و مذمت: تاریخ کی کتابوں میں سے چند ایسے واقعات بھی روایت کئے گئے ہیں جن سے حضرت زید شہیدؓ کی تنقیص و مذمت کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں تحریر کر آئے ہیں کہ اموی و عباسی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کے قیام و استحکام کی خاطر اور اہل بیت رسول کی تحریکوں کو کمزور و ناکام بنانے کی غرض سے اپنے زر خرید راویوں کے ذریعہ خود ساختہ روایتیں گھڑوائیں اور آئمہ معصومینؑ کے مشہور اصحاب کے ناموں سے ان کو منسوب کر کے عوام میں پھیلا دیا۔ حضرت زید شہیدؓ کی تحریک کے دوران بھی ایسے ہی فرضی و جعلی واقعات کو بشکل روایت مشہور کیا گیا۔ ان میں کا ایک واقعہ جسے احمد بن عیسیٰ نے علی بن الحکم کے واسطے سے ابان نے بیان کیا ہے اور جسے ابو جعفر محمد بن نعمان جن کا لقب مؤمن طاق تھا اور جو محبت اہل بیت اور امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے اصحاب خاص میں سے تھے ان سے منسوب کیا گیا ہے۔^۲ گو کہ علمائے رجال کے نزدیک ایسی روایتیں بلحاظ سند ضعیف ہیں اور اس قابل نہیں کہ ان پر اعتبار کیا جائے لہذا ایسی روایات کو ضبط تحریر میں لانا کتاب کی ضخامت میں اضافہ کے سوا کچھ نہیں۔

^۱ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۳

^۲ اصول کافی باب آخر، مناظرہ ابان، نطل رشید زید شہید ص: ۲۱۱، بحار الانوار ج: ۶، ص: ۲۰۷



گہائے عقیدت

حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجداد کی سیرت و سنت پر عمل کرتے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بقا کی خاطر حکومتِ ظلم و جور کی استبدادی قوتوں سے مقابلہ کیا اور میدانِ کارزار میں جامِ شہادت نوش فرما کر شہادت کی اُس منزل پر فائز ہوئے کہ لفظ 'شہید' آپ کے نام کا جز بن گیا۔ شہادت ایک ایسا رعبہ عالی ہے جو ہر کس و نا کس کو نصیب نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف اُنہی برگزیدہ ہستیوں کو میسر آتا ہے جنہیں اللہ رب العزت اس امر کیلئے منتخب فرماتا ہے۔ بلاشبہ قولِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق "زید اور ان کے اصحاب و زمخشر نور فشاں پیشانیوں کے ساتھ میدانِ حشر میں تیزی سے گذرتے ہوئے بغیر حساب داخل جنت ہوں گے"۔

مداحانِ اہل بیت رسول اور شعرائے عظام نے حضرت زید شہیدؓ کو خراجِ تحسین پیش کیا اور آپ کے واقعاتِ شہادت، آپ کے زہد و تقویٰ، آپ کے علم و فضل اور آپ کے حسی و نسبی تعلق کو اشعار کے پیرائے میں نہایت نفاست و سلیقے سے قلمبند کیا ہے۔ اور حضرت شہیدؓ کی ذات و الا صفات پر عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں۔ ہم نے کتاب کے صفحات کی تعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے چند شعرائے کرام کے کلام سے انتخاب کیا ہے جو نذر قارئین ہے۔

منقبت

از: جناب نسیم امروہوی صاحب (مرحوم)

دار پر فوج عزیمت کا نشان زید شہیدؓ
 خاک پر عزم و عمل کا آساں زید شہیدؓ
 عمر میں بوڑھے ارادے میں جوان زید شہیدؓ
 ظالم و وعدہ شکن کے درمیاں زید شہیدؓ
 امتحان در امتحان در امتحان زید شہیدؓ

حوصلہ ہمت شجاعت سرفروشی صفدری
 دبدبہ صولت و جاہت خوش دلی خوش منظری
 عجز خودداری مزاج قنبری و سروری
 زید عالم، صبر شبیری، شکوہ حیدری
 کون اب رکھتا ہے یہ اوصاف، ہاں زید شہیدؓ

سورما ضیفم جری غازی دہنی چیوٹ کبی
 صبر کی حد میں حسینؑ عزم کا نقش جلی
 تیرے نعروں سے بڑی فوج عدو میں کھلی
 جا پڑا کونے کے لشکر پر جو کہہ کر یا علی
 پیشہ کراڑ کے شیر ثیاں زید شہیدؓ

زنگس بیمار گلزارِ حسینیت کے پھول
 ذات سے تیری پھلا پھولا گلستانِ بتوں
 باپ تیرے انا آعظمتا کے ہیں اصل اصول
 کثرتِ اولاد تیری، کثرتِ نسل رسول
 موج کوڑ ہے تیرا خون رواں زید شہیدؓ

انعام کر بلا اک فرض ہے مثل نماز
با جماعت جو ادا ہو گی بہ حکم بے نیاز
شیخ کے پانی سے ہے جس کا وضو بالامتياز
وقت جس کا شام عاشورہ سے تا محشر دراز
ہیں وضو مختار اس کے اور اذال زید شہیدؑ

لاکھ سینے پر مورخ نے رکھی پتھر کی سل
دل کو پگھلا کر رہا لیکن یہ سوزِ جانِ گسٹیل
دیکھ کر مظلومیت کی حد میں صبرِ مستقل
وہ بھی ظالم سے پھرے جو زر خرید اُسکے تھے دل
گھر کے ناکامی میں ایسے کامراں زید شہیدؑ

زید کا مقتل حزاقِ صبر و قربانی کی عید
انقلابی عزم کے بابِ مستقل کی کلید
مژکے سوسے شام کہتا ہے یہ مورخ، اے پلید
خون ان کا بھی مزید اب تیرے سر پر ہے یزید
ہیں ضمیمہ کر بلا ہی کا یہاں زید شہیدؑ

حیدر حسینؑ ابن رسول اللہ، دیں کا آسرا
حیدر اعلیٰؑ نفسِ پیغمبرؐ، امامِ قل کفا
باپ عابدؑ عینِ بیماری میں تعویذِ شفا
ماں امامت کی شریکِ زندگی حق آشنا
شیرِ مادر سے فروغِ دودماں زید شہیدؑ

عزم تیرا فوج کے بڑھتے سمندر میں اٹل
جس طرح پھرے ہوئے طوفاں کے سینہ پہ کنول
تیرے قبضے میں شجاعت تیری مٹھی میں اجل
تیرے ابرو کی شکن میں وقت کے ماتھے کا اٹل

تیری ٹھوکر میں حیاتِ جاوداں، زید شہیدؑ

منقبت

(جناب نسیم امروہوی کی طویل منقبت میں سے چند منتخب اشعار)

مسجد زہد کے ستون زید شہیدؑ ذی وقار
شیر و دلیر و سرفروش، راہِ عمل کے شہسوار

جن کی قبائے معرفت آلِ عباس سے منسلک
جن کا لباس عبدیت، زینِ عباد کا شعار

جن کے وجودِ ناز پر فطرتِ دلبری فدا
جن کے تمازِ عشق پر شیوہٴ داوری نثار

زینِ عبا کے نورِ عین، آلِ عباس کے دل کا چین
فیضِ خمیرِ بوتراب، خاکِ نشین و خاکسار

عزم میں پرتو حسینؑ، رزم میں جزیہٴ حنین
علم میں بحرِ بے کنار، حلم میں کوہِ باوقار

اس سے زیادہ اور کیا ہوگا ثبوتِ حقِ ربی
صادق آلِ بھی ہوئے موتِ پراگنی اشکِ بار

باپ ہیں وہ جو ہیں خلیلؑ، بکدہٴ دمشق کے
ماں ہیں غزالہٴ جمیل، وادیِ سندھ کی بہار

سندھ کی سر زمینِ سن، وجد میں اب تو، سر کو دھن
تیرے بھی وہ سپوت ہیں، میرے جو ہیں بزرگوار

تجھ پہ کبھی جو حکراں کوئی یزید ہو تو ہاں
جوش میں کہہ کے یا علیؑ زید شہیدؓ کو پکار

زیڈ کہ جن کے ہاتھ میں ضعیف کبریا کا زور
زیڈ کہ جن کے پاؤں میں صبر حسینؑ کا وقار

ضبطِ حسنؑ کے شہد میں تلخیِ غیظِ بوتراٹ
سیرت، مالکِ فرات، صولتِ شیرِ کردگار

زیڈ کی ضربتوں کا حال، کون بتائے چشمِ دید
چشمِ حجاب پر درم، دیدہ چرخ میں غبار

حشر تک اب جو انقلاب، ظالمِ عصر کے خلاف
لائے کوئی بجز امامؑ، ان کی ہے گردِ راہوار

ہو کے شہید بخش دی قوم کے کُسن کو زندگی
عیسیٰ لاشہٴ حیات، بن گئے یہ فرازِ دار

قتلِ مزار، عیشِ قبر، فرقِ سناں، صلیبِ تن
سولی پہ چڑھ کے سر بلند، ہو گئے پیشِ کردگار

برسوں کے بعد پھونک دی سوختہ جاں کی لاش بھی
نہر نے سر چڑھا لیا، تن کا رہا سہا غبار

موجِ فرات لے گئی خاک کو سونے کر بلا
ہو گیا پیکرِ وفا، روحِ وفا سے ہم کنار

منقبت

از: جناب ثمر ہوشنگ آبادی (مرحوم)

دین حق کی بولتی تصویر ہیں زید شہیدؓ آبروئے نعرہ نکیر ہیں زید شہیدؓ
کاروانِ حریت کے میر ہیں زید شہیدؓ قائد تحریک عالمگیر ہیں زید شہیدؓ
ورشہ دارِ ماتم شہیرؓ ہیں زید شہیدؓ ترجمانِ عابدِ دلگیر ہیں زید شہیدؓ
جس کو دیکھا خواب میں عابدؓ نے بعد کر بلا بالیقین اس خواب کی تعبیر ہیں زید شہیدؓ
بوئے عصمت کی مہک ہے انکی ذاتِ پاک میں زیرِ عکس دامنِ تطہیر ہیں زید شہیدؓ
"دامی حق خونِ آلِ مصطفیٰ" کے منتقم فاطمہؓ کی آہ کی تاثیر ہیں زید شہیدؓ
کم نہیں قرآن سے رتبے میں زین العابدینؓ اور اس قرآن کی تفسیر ہیں زید شہیدؓ
کیوں نہ ہو باقرؓ کو اپنے قوتِ بازو پہ ناز جلوہ عباسؓ کی تویر ہیں زید شہیدؓ
صادقؓ آلِ محمدؐ کی محبت کے سبب اہل حق میں قابلِ توقیر ہیں زید شہیدؓ
درسِ حق لیتے ہیں آکر ان سے اہل معرفت نقشِ اللہ کی تعمیر ہیں زید شہیدؓ
دوستوں میں فرد، اپنی ذات میں اک انجمن اک نئے کردار کی تصویر ہیں زید شہیدؓ
یکہ و تنہا ہی کافی ہیں ہزاروں کے لئے وہ جری وہ صاحبِ شمشیر ہیں زید شہیدؓ
نظمِ ملت کیوں کریں تخریب کاروں کے سپرد ہمہ طریق شامہ خیر گیر ہیں زید شہیدؓ
طالبِ انصاف جو بھی ہو وہ آئے ان کے پاس بابِ شہرِ علم کی زنجیر ہیں زید شہیدؓ
ظلمتیں جس پر اثر انداز ہو سکتی نہیں شیخِ آزادی کی وہ تویر ہیں زید شہیدؓ
خلقِ صبر و شکر و نظم و ضبط و جنگ و صلح میں ہیں کہیں شہیرؓ کہیں شہیرؓ ہیں زید شہیدؓ
دار پر ہوں یا کٹھنہ کے در و دیوار پر مرکزِ نوکِ ستار ہیں زید شہیدؓ
صدقِ دل سے لکھ رہا ہوں منقبت ان کی نثر روبرو میرے دمِ تحریر ہیں زید شہیدؓ

منقبت

از : جناب محشر لکھنوی صاحب

ترجمان، حضرت زین العباؑ زید شہیدؑ
 نصرتِ اسلام میں مشکل گشا زید شہیدؑ
 ٹیٹم تمارؑ ہوں یا حضرت مختارؑ ہوں
 ہیں اسی انداز کا، اک سلسلہ زید شہیدؑ
 مومنوں کی جس طرح فریاد سنتے ہیں امامؑ
 ہاں اسی صورت سے سنتے ہیں دعا زید شہیدؑ
 جو ملا ہے حضرت عباسؑ کو بعد امامؑ
 بس وہی ہے آپ کا بھی مرتبہ زید شہیدؑ
 ہو یقین دل میں، عقیدت میں ہوشاں گر خلوص
 خاک در ہے آپ کی خاکِ شفا زید شہیدؑ
 وقتِ مشکل کیوں نہ میں آخر پکاروں آپ کو
 آپ بھی تو ہیں میرے حاجت روا زید شہیدؑ
 جان دی ہے آپ نے بھی نصرتِ شہیدؑ میں
 آپ بھی تو ہیں شہید کر بلا زید شہیدؑ
 ساری دنیا میں تو تیری نسل ہے پھیلی ہوئی
 کیوں بچھے نہ پھر تیرا فرشِ عزا زید شہیدؑ
 میں تو ان کو اس لئے کہتا ہوں محشر بے مثال
 پھر نہ آیا اس جہاں میں دوسرا زید شہیدؑ

منقبت

از: شاعر اہل بیت جناب قسیم ابن نسیم امر و ہوی صاحب

شہید عزم ، شہادت مآب زید شہید
خزاں کی زد پہ گل بو تراب زید شہید
پھر ایک بار وہی انقلاب زید شہید
پھر ایک یزید پہ ہیں حق کا عتاب زید شہید

جناب سید سجادؑ کی دعاؤں سے
خود اک صحیفہ حق ہیں جناب زید شہید
حسب سے ، جرأت و ہمت کا شاہکار عظیم
نسب سے آل رسالتآب زید شہید

رسولؐ پاک نے خوابوں میں آ کے بتلایا
ہشام عین بیخفا ہے، ثواب زید شہید
اگر چہ منقسم کر بلا ہیں مہدیؑ کی دیں
مگر ہیں قاتلوں کا احتساب زید شہید

جواں ہے عزم و عمل اور جواں ہے جوں جہاں
زمین کوفہ پہ دیں کا شباب زید شہید
ہشام بن گیا مفتوح و مجرم و قاتل
رہ کھل میں ہوئے فتیاب زید شہید

سناں کی نوک پہ جو کر بلا میں ابھرا تھا
اُس آفتاب سے ہیں فیضیاب زید شہید
چچا ہیں جعفر صادقؑ کے اور محافظ بھی
ہیں نیک عم رسالت مآب زید شہید

قسیم کیوں نہ کرے انکی مدحت و توصیف
کہ ہیں کتابِ مودت کا باب زید شہید

منقبت

از : جناب پروفیسر سید سبط جعفر زیدی صاحب

کسیت کی بنا تھے جناب زید شہیدؓ یزیدیت کی فتا تھے جناب زید شہیدؓ
 قدم قدم پہ جو سجلا نے کئے سجدے انہی کی ایک جزا تھے جناب زید شہیدؓ
 امام جعفر صادقؑ کے آپ تھے ممدوح نہ صرف یہ کہ بچا تھے جناب زید شہیدؓ
 اگرچہ آپ نہیں تھے مقام عصمت پر مگر بعید خطا تھے جناب زید شہیدؓ
 ہے نسل سید سجادؑ ان سے بھی منسوب شرف یہ جس کو ملا تھا جناب زید شہیدؓ
 امام جعفر صادقؑ سے جا کے پوچھو تو وہی بتائیں گے کیا تھے جناب زید شہیدؓ
 شہادت آپ نے پائی اگرچہ بعد حسینؑ شہید کرب و بلا تھے جناب زید شہیدؓ
 خراج خون شہیداں کر بلا کا علم بلند جس نے کیا، تھے جناب زید شہیدؓ
 اس انتقام پہ دنیا کو کیوں شکایت ہے کہ وارث شہداء تھے جناب زید شہیدؓ
 جس انقلاب کے ہیں میر کارواں قائم اسی کی بانگِ درا تھے جناب زید شہیدؓ
 بنی امیہ لڑتے تھے نام سے ان کے غضب کے مرد خدا تھے جناب زید شہیدؓ
 وہ جس مقام پہ اُڑتے ہوں ہوش موسیٰؑ وہاں بھی جلوہ نما تھے جناب زید شہیدؓ
 اک ایسا وقت بھی زید شہیدؓ پر آیا میان ارض و سما تھے جناب زید شہیدؓ
 جلا کے راکھ بنا یا پر روشنی نہ گئی چراغ حق کی ضیاء تھے جناب زید شہیدؓ
 شہید ہوتے رہے یوں تو اس گھرانے میں لقب یہ جن کا ہوا، تھے جناب زید شہیدؓ

ہے سارے زید یوں کو سبط جعفر اس پر ناز

وقار آلِ عبا تھے جناب زید شہیدؓ

منقبت

از: جناب قمر سہارنپوری صاحب

عروج فکر سے بھی ماورا ہیں زید شہیدؓ
شریک فکر شہ کر بلا ہیں زید شہیدؓ

ہمارے پیش نظر ہے انہی کا نقش قدم
ہم انقلابوں کے رہنما ہیں زید شہیدؓ

ہیں جن کے قلب میں روشن حقیقتوں کے چراغ
انہیں کے قلب میں جلوہ نما ہیں زید شہیدؓ

حقیقتوں کا مرقع، صداقتوں کی دلیل
یہ کون کہتا ہے، حق سے جدا ہیں زید شہیدؓ

امین دین محمد شہیدؓ راہِ خدا
معین امت خیرا لورا ہیں زید شہیدؓ

وہ جن کے سامنے ظلم و ستم پشیمیاں ہیں
دیارِ کفر میں حق کی صدا ہیں زید شہیدؓ

ہر ایک دور میں باطل کی سرکشی کے لئے
عظیم تیشہ صبر و رضا ہیں زید شہیدؓ

لگایا گلشنِ ہستی، بقائے دین کے لئے
وہ ایسے ناصرِ دینِ خدا ہیں زید شہیدؓ

جھکا نہ سر کبھی باطل کے سامنے جن کا
اک ایسے میکہ صدق و صفا ہیں زید شہیدؓ

مدینہ اُن سے چھٹا، اقرباء بھی اُن سے چھٹے
سپرد مرضی رب علیٰ ہیں زید شہیدؓ

چھپیں گے جا کے کہاں دشمنانِ آلِ نبیؐ
کہ اُن کے حق میں پیامِ قضا ہیں زید شہیدؓ

نہیں ہیں یلہ و تنہا وہ بزمِ ہستی میں
خود اپنی ذات میں اک قافلہ ہیں زید شہیدؓ

امام دین کے محبوں میں نام ہے اُن کا
سر صحیفہ سجادیہ ہیں زید شہیدؓ

نہیں ہے قبر بھی دُنیا میں آپ کی لیکن
یہ معجزہ ہی تو ہے جا بجا ہیں زید شہیدؓ

چراغِ شام بجھانے کے ذمہ دار ہیں یہ
زوالِ قصرِ ستم کی بناء ہیں زید شہیدؓ

قمر یہ تجھ کو مبارک ہو تیری قسمت ہے
تجلیوں میں تیری رو نما ہیں زید شہیدؓ

جلو میں اپنے لئے کربلا کا پس منظر

امیرِ قافلہ انقلاب زید شہیدؓ
قطعہ ہے جو آنکھوں سے چاکیس سالِ عابدہ کی

اُن آنسوؤں کا ہیں لبِ لباب زید شہیدؓ
از جناب نسیم امروہوی صاحب (مرحوم)

منقبت

از: جناب شوق نونہروی صاحب

میں کیا بتاؤں حقیقت میں کیا ہیں زید شہید
علیٰ کی فکر کا اک آئینہ ہیں زید شہیدؓ

بقائے ذکر شہ کربلا ہیں زید شہید
سکون قلبِ دلِ فاطمہؑ ہیں زید شہیدؓ

نصیر مقصدِ سبطِ رسولؐ، روحِ حیات
نہ جانے کتنے دلوں کی دُعا ہیں زید شہیدؓ

بغور دیکھو انہیں شجرۂ شجاعت میں
بلندیوں کی عجب ارتقاء ہیں زید شہیدؓ

انہی کی ذات سے حق آگہی ملی ہم کو
حق آگہی کا عجب راستہ ہیں زید شہیدؓ

جو دیکھنا ہو انہیں، ان کے عہد میں دیکھو
کہ اپنے عہد کے مشکل کشا ہیں زید شہیدؓ

بلند حق و صداقت کا تھا علم ان سے
جہی تو عظمتِ رُوحِ وفا ہیں زید شہیدؓ

درودِ آلِ محمدؐ پہ بھیجئے اے شوق
انہی کے حُسن کا اک آئینہ ہیں زید شہیدؓ

منقبت

از: سید محمد عالم زیدی (مرحوم)

یہ تیرا اوج یہ تیرا مقام زید شہیدؑ کرے امام تیرا احترام زید شہیدؑ
 کیا جو عزم پئے انتقام زید شہیدؑ درود تم پہ ہو تم پر سلام زید شہیدؑ
 وہ صبح جس میں تمہارا لہو بہایا تھا بنی اُمیہ کی گویا تھی شام زید شہیدؑ
 تمہاری زیت اجل دشمنان حیدرؑ کی تمہاری موت حیات دوام زید شہیدؑ
 بڑھونہ بڑھ کے شو بڑھتے جاؤ تلبہ حیات یہ مختصر ہے تمہارا نظام زید شہیدؑ
 لڑیں گلاٹ کے مہلب شر سے سستی میں تمہارے عشق کا پی پی کے جام زید شہیدؑ
 فقیر وقت بھی ہے اور حلیف قرآن بھی ہے علم و فن کا تو بے شک امام زید شہیدؑ
 حقوق آل نبیؑ کے ہو تم علمبردار ہے یادگار تمہارا یہ کام زید شہیدؑ
 صحیفہ شہداء میں ہے کربلا کے بعد سر ورق پہ تمہارا ہی نام زید شہیدؑ
 تھا کس کو حوصلہ بعد حسینؑ جو پیتا پیا جو تو نے شہادت کا جام زید شہیدؑ
 یہ جو ہے کس کی یہ کس کی رنگ کس کا ہے ہے کس چمن کا گل لالہ قام زید شہیدؑ

تیرے عمل کو تیرے علم تیری حکمت کو

ادب سے کرتا سے عالم سلام زید شہیدؑ

ماخوذ از: جملہ پیاد حضرت زید شہید بن علی بن حسینؑ

مرتبہ: جناب سید حیدر عباس زیدی الواسطی، مطبوعہ: مارچ ۲۰۰۴ء - کراچی

فرقہ زیدیہ

شیعہ فرقے: دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں تقریباً سب ہی میں بہت سے چھوٹے بڑے فرقے پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ چاروں آسمانی ادیان یعنی یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور اسلام میں بھی متعدد مذاہب موجود ہیں اور ہر مذہب میں مختلف فرقے ہیں۔ مثلاً دین اسلام میں دو بڑے مذاہب شیعہ اور سنی ہیں، اور یہ دونوں مذاہب مزید فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جیسے کہ مذہب اہل سنت میں فقہی اعتبار سے چار بڑے فرقے یعنی حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی اس وقت قائم ہیں جبکہ ڈاکٹر صبحی محمد صانی کے بیان کے مطابق ”اہل سنت کے کئی فقہی مذاہب تھے جن کی تعداد دس سے تجاوز کر گئی تھی“۔^۱ اصول عقائد کے اعتبار سے اہل سنت کے ہاں دو بڑے فرقے معتزلہ اور اشاعرہ ہیں۔ ان میں معتزلہ کا وجود تو تقریباً ختم ہو چکا ہے، اگر اس کے پیروکار کہیں ہوں گے بھی تو انتہائی قلیل تعداد میں۔ البتہ اشاعرہ جو شیخ ابوالحسن اشعری کی پیروی کرتے ہیں موجود ہیں۔ اسی طرح مذہب شیعہ میں بھی متعدد فرقے موجود ہیں جنکے وجود کی بنیاد امام کے تعین اور پیروی پر منحصر ہے۔ ہر فرقے نے حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں سے جس کو مناسب جانا اپنا امام تسلیم کر لیا جن کا مختصر تعارف اس طرح ہے فرقہ کیسائے: مذہب شیعہ میں ابتدائی تین اماموں یعنی حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین کے زمانوں میں کوئی فرقہ پیدا نہیں ہوا۔ لیکن حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد ایک گروہ قلیل نے جو تھے امام حضرت علی زین العابدین

۱۔ فلسفہ شریعت اسلام ص: ۷۰

علیہ السلام کے بجائے حضرت علیؑ کے تیسرے فرزند جناب محمد حنفیہ کو اپنا چوتھا اور آخری امام قرار دیا اور یہ فرقہ کیسائیہ کہلایا۔ ابتداء میں کچھ عرصہ تو اس کا زور رہا لیکن جلد ہی ختم ہو گیا۔

فرقہ اسمعیلیہ: چھٹے امام حضرت جعفر صادقؑ کے بعد ایک گروہ نے آپ کے فرزند حضرت موسیٰ کاظمؑ کے بجائے آپؑ فرزند اکبر جناب اسمعیل جو آپؑ کی حیات ہی میں فوت ہو گئے تھے کو اپنا امام تسلیم کر لیا اور اسمعیلیہ کہلائے۔

فرقہ واقفیہ: حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد ایک گروہ نے آپ کے فرزند حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بجائے آپ کے دوسرے فرزند عبداللہ اٹح کی پیروی کی۔ جبکہ ایک گروہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو آخری امام تسلیم کیا۔ یہ گروہ فرقہ واقفیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

فرقہ امامیہ: اس کے بعد بارویں امام تک کوئی فرقہ قائم نہیں ہوا۔ اور شیعوں کی وہ اکثریت جو بارہ اماموں کو یکہ بعد دیگرے امام برحق اور معصوم تسلیم کرتی ہے وہ اثنا عشری یا امامیہ کہلاتی ہے۔ ان تمام فرقوں کی بابت ہم نے اپنی کتاب تاریخ نبی ہاشم جلد سوئم میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔

فرقہ زیدیہ: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بعد تمام شیعوں نے آپ کے فرزند محمد باقر علیہ السلام کو اور اُن کے بعد اُن کے فرزند جعفر صادق علیہ السلام کو اور ان کے بعد اُن کے فرزند موسیٰ کاظم کو یکہ بعد دیگرے امام تسلیم کیا۔ لیکن جب حضرت علی زین العابدین علیہ السلام کے فرزند حضرت زیدؑ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ امامت میں اموی حکمرانوں کے خلاف جہاد کیا اور شہید ہوئے تو جن لوگوں نے حضرت زید شہیدؑ کی بیعت کی تھی لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو راہ فرار اختیار کر گئے اور آپ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے

انہی لوگوں نے آپ کی شہادت کے بعد آپ کو اپنا امام قرار دیا اور اس طرح زید یہ فرقہ وجود میں آیا۔ جو اب بھی یمن اور دیگر مقامات میں کثرت سے موجود اور آباد ہے۔ فرقہ زید یہ کی اپنی فقہ ہے جس پر اُس فرقے کے ماننے والے سختی سے عمل کرتے ہیں۔ شاہ معین الدین ندوی نے لکھا ہے کہ

”ان (زید شہید) کے قتل کے بعد انکی اتباع کا ایک مستقل فرقہ پیدا ہو گیا، جو امام زین العابدین کے بعد امام باقر کے بجائے زید کو امام مانتا ہے اور زید یہ کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ اب بھی یمن اور دوسرے مقامات پر موجود ہے۔“ (تاریخ اسلام ج ۲ ص: ۲۸۱)

اہل کوفہ و دیگر مقامات مثلاً خراسان، طبرستان، یمن، رے وغیرہ سے آئے ہوئے جن لوگوں نے حضرت زید شہیدؑ کی بیعت کی تھی انہوں نے آپ کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند جناب یحییٰ بن زید شہیدؑ کو آپ کا جانشین اور امام قرار دیا۔ جناب یحییٰ کی شہادت ۱۲۵ھ کے بعد ان لوگوں نے جناب محمد بن عبداللہ (محمد نفس ذکیہ) کو اپنا امام مانا اور ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ محض کو اپنا امام تسلیم کیا۔ اس کے بعد یہ فرقہ کچھ عرصہ تک منتشر رہا۔ لیکن پھر حضرت زید شہیدؑ کے بھائی عبداللہ الباہر کی نسل کے ایک بزرگ عبداللہ اطروش کو اپنا امام بنا لیا۔ جب خراسان کی حکومت نے عبداللہ اطروش کو گرفتار کرنا چاہا تو وہ خراسان سے نکل کر مازندران چلے گئے جہاں کے باشندوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ مازندران میں عبداللہ اطروش نے تیرہ سال تک اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں کی کثیر تعداد کو مسلمان بنا کر فرقہ زید یہ میں شامل کر لیا۔ پھر انہی لوگوں کی مدد سے طبرستان پر اپنی حکومت قائم کی اور اپنی امامت کا باقاعدہ اعلان کیا۔ عبداللہ اطروش کے بعد ان کی اولاد نے کافی عرصہ تک طبرستان پر اپنی حکومت و امامت چار رکھی۔

زید یہ فرقہ کے عقیدے کے مطابق ہر وہ شخص جو فاطمی النسل ہو اور زاہد و فاضل، سخی و پارسا ہونیہ حق کی خاطر ظلم و ستم کو ختم کرنے کی تحریک چلائے وہ امام ہو سکتا ہے۔ شروع شروع میں زید یہ فرقے کے لوگ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اپنے آئمہ میں شمار کرتے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے ان خلفاء کے نام اپنے اماموں کی فہرست سے خارج کر دیئے اور اپنی امامت کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شمار کرنا شروع کر دیا۔ تاریخی شہادت کے مطابق زید یہ فرقہ اصول اسلام میں معتزلہ کا ذوق رکھتا تھا اور تقریباً اسی مذہب کی پیروی کرتا تھا، فروعی اور فقہی عقائد میں امام ابو حنیفہؒ کی پیروی کرتا تھا گو کہ بعض فقہی مسائل میں اختلاف بھی پایا جاتا تھا۔^۱

فرقہ زید یہ کی بابت ڈاکٹر سچھی محمصانی نے تحریر فرمایا ہے کہ: ”شیعہ کا یہ فرقہ پانچویں امام زید بن علی کی امامت اور ان کے بعد اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کا قائل ہے۔ امام زید ۱۲۲ھ میں بنی امیہ کے خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے آدمیوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اسی طرح تین سال بعد ان کے بیٹے یحییٰ خلیفہ ولید بن یزید کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے۔“

زیدی * مجتہدین میں یہ مشہور ہیں: حسن بن صالح بن حمی (متوفی ۱۶۸ھ)، حسن بن زید بن محمد جن کا لقب ’الامام الداعی الی الحق‘ تھا اور جو ۲۵۰ھ سے اپنے سن وفات (۳۷۰ھ) تک طبرستان کے بادشاہ رہے۔ قاسم بن ابراہیم علوی، ان کے پوتے ہادی یحییٰ اور ابو جعفر مرادی وغیرہم۔^۲

* یہاں ڈاکٹر صاحب نے زید یہ کے بجائے زیدی لکھا ہے مگر ہے کہ یہ ہوا ہوا ہو لیکن اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ زید یہ اور زیدی ایک ہی ہیں۔ حالانکہ یہ حقائق کے متناہی ہے۔

۱۔ ماخوذ از اسلام میں شیعہ مؤلف علامہ محمد حسین طباطبائی۔ ۲۔ فہرست ابن ندیم ص: ۶۷۲

شیعہ زیدیہ کی سب سے زیادہ قدیم کتاب ”المجموعہ“ ہے جو ان احادیث اور فتاویٰ پر مشتمل ہے جو امام زید بن علی سے روایت کئے گئے ہیں اور جن کی ترتیب مضامین کے لحاظ سے ہے یہ ۱۹۱۹ھ میں طبع ہوئی۔ آجکل ان کے علم فقہ کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ”الروض النضر شرح مجموع الفقہ الکبیر“ ہے جو شرف الدین حسین بن علی احمد جیسی (متوفی ۱۲۲۱ھ) کی تالیف ہے۔ عباس بن احمد حسینی عینی کے تترے کے پانچ اجزاء کے ساتھ مطبع سعادہ، مصر سے ۱۳۳۷ھ۔ ۱۳۳۹ء میں طبع ہوئی۔

شیعہ زیدیہ حضرت علیؑ سے پہلے خلفائے راشدین پر حکم لگانے میں اعتدال پسندی سے کام لیتے ہیں، اسی واسطے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی امامت کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک افضل کے ہوتے ہوئے مفسول کی امامت جائز ہے۔ (املل واخل، شہرستانی بر حاشیہ ابن حزم کی کتاب الفصل فی الملل واخل ج ۱۰ ص ۱۶۰ مطبوعہ مصر) شیعہ کا یہ فرقہ اہل سنت کے مذہب سے زیادہ قریب ہے اور آج کل شیعہ زیدیہ کا مرکز یمن ہے جہاں انکی تعداد تیس لاکھ سے کچھ زیادہ ہے،^۱

زیدی اور زیدیہ: عام طور سے مورخین حضرات زیدی اور زیدیہ کے فرق کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں اور زیدیہ کے بجائے زیدی لکھ دیتے ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا بیان میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیان میں ایک جگہ تحریر ہے۔ (جو غالباً غیر دانستہ طور پر لکھا گیا ہے)۔ مگر اس کے باعث پڑھنے والوں میں غلط تاثر پیدا ہوتا ہے اور وہ زیدی سادات پر بھی فرقہ زیدیہ میں ہونے کا گمان کرتے ہیں۔

۱۔ فلسفہ شریعت اسلام ص: ۸۱

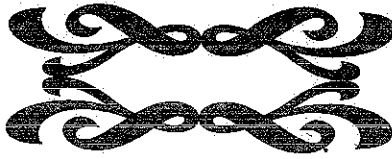
در آنحالیکہ زیدی سادات وہ لوگ ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت زید شہیدؑ کے تین فرزندان یعنی حسین ذوالدمعہ، عیسیٰ موتم الاشبال اور ابو جعفر محمد میں سے کسی بھی فرزند کے توسل سے حضرت زید شہیدؑ تک پہنچتا ہو، یعنی نسلی و نسبی اعتبار سے جو زید شہیدؑ کی اولاد میں سے ہوں، صرف وہ ہی زیدی کہلاتے ہیں۔ جبکہ زیدیہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کوفہ میں حضرت زید شہیدؑ کی بیعت کی۔ ان میں سے کثیر تعداد نے جنگ سے منہ موڑا اور آپ کا ساتھ چھوڑا لیکن آپ کی شہادت کے بعد آپ کو امام تسلیم کر کے اپنے آپ کو زید شہیدؑ سے نسبت دی اور فرقہ زیدیہ کی بنیاد ڈالی، اور امام علی زین العابدین علیہ السلام کے بعد حضرت زید شہیدؑ کو اپنا امام تسلیم کیا۔

لہذا زیدی اور زیدیہ میں واضح فرق یہ ہے کہ زیدی حضرت زید شہیدؑ کی نسل سے ہونیکے باعث قبیلہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں اور جناب زید شہیدؑ کو امام نہیں بلکہ امام زادہ تسلیم کرتے ہیں اور آئمہ معصومین اثناء عشر کو بالترتیب امام برحق مانتے ہیں نیز فقہہ جعفریہ کے پیرو ہیں۔ جبکہ زیدیہ کا قبیلہ بنی ہاشم سے قطعی کوئی تعلق نہیں۔ یہ مختلف قبائل کا ایک ایسا سیاسی فرقہ ہے جس نے اہل بیت کے معززین کا نام استعمال کر کے اپنی طاقت کو عروج دیا حتیٰ کہ یمن میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس فرقے کے معتقدین کیلئے شیعہ، سنی، معتزلی وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔ اس فرقہ کے لوگ فقہہ حنفیہ پر کار بند ہوتے ہیں اور انکے ہاں امام کا تصور بھی بالکل جدا گانہ ہے جو نہ شیعوں سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ سنیوں سے۔ زید شہیدؑ سے نسبت کیوں؟ حضرت زید بن علی زین العابدین علیہ السلام کی نسل کا اپنے جد سے نسبت دینے اور اپنے آپ کو زیدی کہلانے کی بابت سوال کرنے والے اکثر و بیشتر سوال کرتے رہتے ہیں کہ آئمہ اہل بیت کی

موجودگی کے باوجود کسی غیر امام سے اپنی نسبت دینے کا کیا جواز ہے؟ ہمارے خیال میں یہ ایک سطحی سوال ہے جو کم علمی یا تعصب کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ انسانی جبلت کے عین مطابق ہے کہ ہر انسان اپنی نسبت کسی ایسی ہستی سے دیتا ہے جو زہد و تقویٰ، علم و فضل، جو د و سخا، دیانت و شجاعت میں اپنے ہم معصروں میں عرفاء و اعلیٰ ہو۔ نیز معاشرے میں اچھی شہرت کا مالک ہو۔ ویسے بھی روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر آپ کسی ایسے شخص سے ملیں جس سے آپ کی شناسائی نہ ہو اور آپ اُس سے اُس کے بارے میں دریافت کریں تو وہ قریبی اعضاء کو چھوڑ کر اپنی نسبت کسی ایسے فرد سے دے گا جو مشہور و معروف ہو، خواہ اُس سے اُس کا تعلق کتنے ہی دور کا کیوں نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جس سے نسبت دیجائے اس کا معاشرے میں اچھی شہرت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔

حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے تو سل سے پھیلنے والی نسل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتداء میں حسنی اور حسینی سادات کہا جاتا تھا لیکن واقعہ کربلا کے بعد اموی حکمرانوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر سادات نے نقل مکانی شروع کر دی۔ اس کے بعد حضرت زید شہیدؓ اور یحییٰ بن زید شہیدؓ کی شہادت کے درد انگیز واقعات رونما ہوئے تو سادات کثرت سے نقل مکانی کر کے دور دراز علاقوں میں منتشر ہو گئی جہاں اسے اپنی شناخت کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ انھیں اپنے سلسلہ نسب میں مذکورہ صفات کا حامل کوئی فرد نہ مل سکا لہذا انہوں نے آئمہ معصومین سے اپنی نسبت دینی شروع کر دی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علماء و ذاکرین حضرات کی کوششوں سے جو مسلمان شیعیت کی طرف راغب ہوئے وہ فقہی اعتبار سے اپنے آپ کو جعفری کہنے لگے۔ بہر حال ایک مدت کے بعد عابدی، باقری، جعفری، کاظمی، تقویٰ، نقوی وغیرہ کی اصطلاحات رائج ہوئیں۔

حضرت زید بن علی زین العابدینؑ کی نسل نے اپنے شخص کو قائم رکھتے ہوئے اپنے جد سے اپنی نسبت دی اور زیدی کہلائے۔ چونکہ حضرت زید شہیدؓ مذکورہ بالا تمام صفات کے حامل تھے جیسا کہ بیشتر مورخین نے تحریر کیا ہے کہ زید بن علیؑ امام محمد باقرؑ کے علاوہ اپنے تمام بھائیوں میں افضل ترین تھے۔ لہذا آپ سے نسبت دینے کا واضح جواز موجود ہے، ویسے بھی فقہی و شرعی اعتبار سے بھی غیر امام سے نسبی و نسلی نسبت دینا ممنوع نہیں ہے۔



ازواج و اولاد

ازواج: حضرت زید شہیدؑ نے پوری زندگی میں کل چار عقد کئے ان میں سے دو عقد مدینہ منورہ میں اور دو عقد کوفہ میں اپنے قیام کے دوران کئے۔ آپ کی پہلی زوجہ ریٹہ بنت ابی ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن حضرت علی علیہ السلام تھیں، ان کے بطن سے جناب یحییٰ پیدا ہوئے۔ دوسری زوجہ کا نام رُقیہ بنت عبداللہ محض بن حسن بن امام حسن علیہ السلام تھیں، جنکے بطن سے حسین، عیسیٰ اور محمد پیدا ہوئے۔ آپ نے کوفہ میں جو عقد کئے ان میں سے ایک زوجہ یعقوب بن عبداللہ السلمی الفرقدی کی پوتی تھیں اور دوسری زوجہ عبداللہ بن ابی العنس الازدی کی بیٹی تھیں۔ ان ازواج میں سے ایک زوجہ کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ بقول ظفریاب ترمذی صاحب جن کا نام سعادت الحمیدہ تھا اور وہ طفلی میں فوت ہو گئیں۔

مولانا قمر زیدی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت زید شہیدؑ نے چھ شادیاں کیں، ان میں پہلی بیوی ریٹہ بنت ابی ہاشم، دوسری زوجہ ام ولد سکن نوبیہ تھیں، تیسری اور چوتھی یعقوب سلمی اور عبداللہ ازدی کی دختر ان تھیں۔ ان کے علاوہ مزید دو ازواج جن میں سے ایک ام ولد سندھ کی رہنے والی اور دوسری ام ولد کوفہ کی رہنے والی تھیں۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ دختر ان یعقوب یا عبداللہ میں سے کسی ایک کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی مگر وہ بہت جلد انتقال کر گئیں۔ نیز موصوف نے زید شہیدؑ کی اولاد کی امہات کی بابت لکھا ہے کہ یحییٰ

۱. تاریخ طبری ج ۶: ص ۲۷۸، سادات باہرہ تاریخ کے مدوجز میں ص ۱۹۰، تاریخ انور السادات ص ۵۳۶

کی والدہ ریٹہ بنت ابی ہاشم، عیسیٰ کی والدہ سکن نوبیہ ام ولد، حسین کی والدہ ام ولد اور محمد کی والدہ ام ولد جو سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جبکہ ظفر زیدی صاحب نے ریٹہ بنت ابی ہاشم ہی کو عیسیٰ بن زید شہیدؑ کی ماں ظاہر کیا ہے جو درست نہیں کیونکہ ریٹہ بنت ابو ہاشم کے بطن سے صرف بیٹی پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کی تحقیق اور دیگر مورخین کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب عیسیٰ کی مادر گرامی رقیہ تھیں جو عبد اللہ محض کی بیٹی اور محمد نفس ذکیہ کی ہمشیرہ تھیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کا بیان ہے کہ:

”جناب عیسیٰ اپنے والد جناب زیدؑ کی شہادت کے وقت بہت کم سن تھے اس لئے آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کے نخیال میں ہوئی تھی۔ آپ کے دو ماموں یعنی محمد نفس ذکیہ اور جناب ابراہیم پسران عبد اللہ محض بن حسن ثنی اپنے عہد کی سیاست میں بڑی اہم شخصیت تھے۔ (سادات باہرہ تاریخ کے مد و جز میں ص ۲۴۰)

جہانگ محمد بن زید شہیدؑ کی مادر گرامی کو کنیز لکھنے کا تعلق ہے تو یہ اس روایت کے پیش نظر لکھا گیا جس میں آپ کے والد کی شہادت کے وقت آپ کو صرف چالیس دن کا بتایا گیا ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں، کیونکہ قر زیدی صاحب کے بیان کے مطابق زید شہیدؑ کی شہادت کے وقت جناب عیسیٰ کی عمر بارہ سال تھی اور جناب عیسیٰ کے بعد محمد تولد ہوئے، لہذا محمد بن زید شہید کم عمر ضرور تھے مگر اتنے بھی نہیں جتنا اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز کوفہ میں حضرت زید شہیدؑ کے ساتھ صرف آپ کے فرزند بیٹی تھے بقیہ تمام اولاد مدینہ ہی میں اقامت پذیر تھی۔ لہذا ثابت ہوا کہ جناب محمد بن زید شہیدؑ کی مادر گرامی نہ تو کنیز تھیں اور نہ ہی وہ اتنے کم عمر تھے۔ اس طرح جناب ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کی تحقیق حقیقت سے قریب تر ہے۔

بہر حال یہ امر متفقہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ حضرت زید شہیدؓ کے یہی چار
 فرزندان تھے جن کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے، گو کہ بعض نسابین نے آپ کے آٹھ
 فرزندان کے لکھے ہیں۔ ان چار پسران میں سے تین پسران کی نسل خوب پھلی
 پھولی جبکہ فرزند اکبر جناب یحییٰ اپنے والد کی شہادت کے بعد ولید ثانی کی فوجوں
 کا مقابلہ کرتے ہوئے عالم شباب میں شہید ہوئے ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔
 ذیل میں فرزندان زید شہیدؓ کے حالات و واقعات مرقوم ہیں:

خلف اول یحییٰ بن زید شہیدؓ: جہاد زید شہیدؓ کے وقت جناب یحییٰ اپنے
 پدر بزرگوار کے ہمراہ کوفہ میں ہی موجود تھے اور بقول ڈاکٹر سید صفدر حسین اُس
 وقت آپ کی عمر مشکل سے پندرہ سال ہوگی۔ مورخین کے بیانات کے مطابق
 بوقت شہادت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ چونکہ آپ کی شہادت ۱۲۵ھ میں ہوئی
 تھی اس اعتبار سے آپ کی ولادت ۶۰ھ میں ہونا قرار پاتی ہے۔ آپ کی
 اولاد کی بابت علماء و مورخین کا فیصلہ ہے کہ آپ کے کوئی اولاد نہیں تھی لیکن چند
 ایک حضرات نے آپ کی ایک دختر بتائی ہے اور چند ایک نے زینہ اولاد کا بھی
 عند یہ دیا ہے۔ مثلاً جناب سید روشن علی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

”سید یحییٰ پسر کلاں زید شہید کو تقریباً ۱۲۵ھ میں بمقام بلخ میں شہید
 کیا سید زید شہید نے بعد اپنے آٹھ فرزند چھوڑے چار صاحبزادوں
 نے بہمد طفولیت انتقال فرمایا اور سید یحییٰ پسر کلاں کے اولاد و دختری
 تھی، باقی تین صاحبزادے یعنی سید ابدال حمیدۃ النصال و سید سیسی و
 سید محمود صاحب اولاد ہوئے۔“ (سید التاريخ ص ۶۹)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت زید شہیدؓ کی
 تدفین کے فوراً بعد جناب یحییٰ کوفہ سے نینوا چلے گئے تھے، وہاں سے مدائن گئے
 کچھ عرصہ مدائن میں قیام کیا، وہاں سے رے ہوتے ہوئے سرخس پہنچے جہاں

تقریباً چھ ماہ زید بن عمر تمیمی کے مہمان رہے، اس کے بعد آپ سرخس سے بلخ کی جانب کوچ کر گئے وہاں حریش بن عبدالرحمن شیبانی کے مہمان ہوئے اور شام بن عبدالملک کی موت تک آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ الغرض اس بادیہ پیمائی کے عالم میں آپ نے تین سال گزار دیئے۔

جسٹس امیر علی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

The youthful Yahya was haunted from place to place; goaded to desperation, he rose in arms, determined to fall with the sword in his hand rather than killed like vermine.

(History of Saracens P: 160)

ترجمہ: مایوسی کا شکار نوجوان یحییٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ سرگرداں پھرتے رہے۔ آخر کار یہ سوچ کر کہ بزدلوں کی طرح مرنے سے بہتر ہے کہ بہادری کی طرح تلوار ہاتھ میں لئے میدان جنگ میں جان دی جائے۔ انہوں نے علم جہاد بلند کیا۔

طبری نے روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یحییٰ بن زید کے متعلق ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ بیان کرتے ہیں کہ زید کے قتل کے بعد بنی اسد کا ایک شخص یحییٰ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آپ کے والد تو اب قتل ہو چکے۔ اہل خراسان آپ کے شیعہ ہیں بہتر ہے کہ آپ خراسان چلے جائیں۔ یحییٰ نے کہا مگر میں ایسا کیونکر کر سکتا ہوں، اُس نے کہا جب تک آپ کی تلاش ختم نہ ہو جائے آپ پوشیدہ رہیں اور پھر خراسان چلے جائیں۔ اُس اسدی نے ایک رات آپ کو چھپائے رکھا مگر پھر اسے خوف پیدا ہوا وہ عبدالملک بن بشر بن مروان کے پاس گیا اور پورا ماجرہ بیان کیا اور بتایا کہ اگر یوسف بن عمر کو انکا پتہ چل گیا تو وہ اُنھیں بھی قتل کر دے گا۔ آپ ان کی حفاظت کیجئے۔ عبدالملک نے کہا میں بڑی خوشی سے اس کیلئے تیار ہوں اور اسے اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ وہ شخص یحییٰ کو عبدالملک کے

۱ زندگانی حضرت یحییٰ بن زید ص: ۲۳۰

پاس لے گیا۔ عبد الملک نے انہیں اپنے پاس چھپائے رکھا۔ مگر یوسف بن عمر کو اس کی اطلاع ہو گئی اس نے عبد الملک کو اس بارے میں لکھا اور یحییٰ کو طلب کیا۔ عبد الملک نے جواب دیا کہ جو اطلاع آپ کو ملی ہے وہ محض جھوٹ ہے بھلا میں ایسے شخص کو پناہ دوں گا جو ہم سے ہماری حکومت چھین لینا چاہتا ہو علاوہ بریں مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ آپ میرے متعلق اس قسم کی باتوں کو سچ سمجھیں گے یا انہیں سنیں گے۔ یہ جواب سن کر یوسف نے کہا بینک عبد الملک سے یہ اُمید نہیں۔ اس کے بعد یوسف نے یحییٰ کی تلاش سے ہاتھ اٹھالیا۔ جب یحییٰ کی تلاش موقوف ہو گئی تب آپ چند زیدیوں کے ساتھ خراسان چلے گئے۔

ہشام کی موت کے بعد ربیع الاول ۱۲۵ھ میں ولید بن یزید بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ تب ایک بار پھر جناب یحییٰ کی تلاش و جستجو شروع ہو گئی۔ والئی کوفہ یوسف بن عمر نے خراسان کے گورنر نصر بن سیار کو لکھا کہ ہو یحییٰ کو گرفتار کرے۔ خراسان کے صوبہ دار نصر بن سیار نے سرخس کے عامل عبد اللہ کو حکم دیا کہ یحییٰ کو سرخس سے نکال دو اور عبد اللہ نے بنی تمیم کے سردار حسن بن زید تمیمی کو لکھا کہ جب یحییٰ طوس آئیں تو انہیں وہاں ٹھرنے نہ دے حتیٰ کہ انہیں ابر شہر (نیشاپور) میں عمر بن زرارہ کے حوالے نہ کر دے۔

بہر حال آپ سرخس سے طوس ہوتے ہوئے ابر شہر پہنچے، وہاں سے جب آپ بہت پہنچے جو خراسان کی آخری سرحد تھی تو وہاں عمرو بن زرارہ، حسن بن زید اور عبد اللہ بن قیس کی مشترکہ فوجیں مقابلہ کے لئے تیار تھیں۔ جناب یحییٰ نے صرف ستر جانوروں کی معیت میں جنگ کی اور دس ہزار کی جمیعت کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ مروانی فوج کو شکست ہوئی اور ان کے مشترکہ سپہ سالار عمرو بن زرارہ

کا سر قلم کر لیا گیا جناب یحییٰ کی بے مثل جرأت و شجاعت پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سید علی حیدر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

”جناب یحییٰ کی شجاعت کا وہ کارنامہ تاریخ کے اوراق میں مذکور ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی زمانے میں نہیں ملتی۔۔۔ صرف ستر آدمی تھے مگر جناب یحییٰ نے اس عظمت سے جنگ کی کہ بنی امیہ کے اس عظیم الشان لشکر کو جس میں دس ہزار سوار اور پیادے بھی تھے، آلات حرب بھی تھے، سامان جنگ بھی کافی تھا، غرض پوری شاہی قوت تھی۔ باوجود اپنی فقیری، ناداری اور بے ساز و سامان ہونیکے پوری شکست دیدی۔ سب کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس کثرت سے خلیفہ کی فوج ماری گئی کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اُن کی سواری کے بکثرت جانور جناب یحییٰ کے قبضے میں آئے۔ بقیہ فوج بھاگ گئی اور سب کے سردار عمر بن زرارہ تک کا سر آپ نے کاٹ لیا۔ اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔“

(تاریخ آئمہ ص ۳۰۲)

مروانی فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں، جن کا چھوڑا ہوا بہت سا مال غنیمت جناب یحییٰ بن زید شہیدؓ کے ہاتھ لگا خاص طور پر بہت سے سواری کے جانور ہاتھ آئے۔ یحییٰ وہاں سے چل کر ہرات پہنچے۔ ہرات کے حاکم نخلس بن زیاد العامری نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا لہذا جناب یحییٰ بھی وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ نصر بن سیار نے سلم بن احوز کو آپ کے تعاقب میں بھیجا۔ جوزجان کے ایک قریہ میں فریقین کا مقابلہ ہوا، نہایت شدید جنگ ہوئی۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ عیسیٰ نامی ایک شخص جو عیسیٰ بن سلیمان الغزنی کا آزاد غلام تھا اس نے یحییٰ کے ایک تیر مارا جو آپ کی پیشانی پر لگا۔ جس سے آپ شہید ہو گئے۔ جناب یحییٰ کے تمام ساتھی بھی اس معرکہ میں کام آئے۔ سورہ بن

محمد الکندی جناب یحییٰ کی لاش کے قریب پہنچا اور اُس نے آپ کا سر کاٹ لیا۔
آپ کا لباس اور اسلحہ غزی نے لے لیا۔

ابوالحسن علی المسعودی کا بیان ہے کہ:

یحییٰ ارعونہ نام کے ایک گاؤں میں لڑتے ہوئے مارے گئے اور
وہیں دفن ہوئے ان کی قبر بہت مشہور ہے اور آج تک زیارت گاہ
خاص و عام ہے۔ قتل ہونے سے پہلے یحییٰ نے کئی لڑائیاں لڑیں۔
ایک تیر سے جو انکی کپٹی میں آکر پیوست ہو گیا تھا اس سے انکی
ہلاکت واقع ہوئی۔ (مروج الذهب ص ۱۵۹)

الغرض جس طرح آپ کے والد محترم حضرت زید شہیدؓ کی پیشانی پر تیر
لگا تھا اسی طرح آپ کی پیشانی پر بھی ایک تیر لگا جس سے آپ گھائل ہو کر
گھوڑے سے گرے اور شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ۔

جناب یحییٰ بن زید کی شہادت کے بعد شامی سپاہ نے آپ کا سر قلم کیا
اور جسم مبارک کو شہر جوزجان کے دروازہ پر سوئی پر آویزاں کر دیا، جو اُس وقت
تک آویزاں رہا جب تک کہ حکومت بنی امیہ کا خاتمہ نہ ہو گیا۔ امویوں پر بنی
عباس کے غلبہ پانے کے بعد ابو مسلم خراسانی نے جناب یحییٰ کی لاش کو سوئی سے
اٹا رہ، غسل و کفن دیا، نماز جنازہ پڑھی اور اسی جگہ دفن کیا جہاں آپ کو سوئی پر لٹکا
یا گیا تھا۔ پھر ابو مسلم خراسانی نے ان تمام لوگوں کو جو جناب یحییٰ کے قتل میں کسی نہ
کسی طرح ملوث تھے، ایک ایک کر کے واصل جہنم کیا۔ خراسان اور اس کے گرد
و نواح میں جناب یحییٰ کی عزاداری قائم ہوئی اور اس سال پیدا ہونے والے
بچوں کے نام آپ کے نام پر یحییٰ رکھے گئے۔ ۲

جناب قمر زیدی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ ”تین سال قبل جب اس

سرحدی علاقہ کی کھدائی حکومت افغانستان کی جانب سے ہو رہی تھی تو ایک قبر
۱۔ ماخوذ از تاریخ طبری، اردو ترجمہ جلد: ششم، ۲۔ مروج الذهب المسعودی ص: ۱۵۹،

نمودار ہوئی جس پر تحریر تھا کہ یہ قبر یحییٰ بن زید ابن علی ابن الحسین کی ہے۔ اب سے پیشتر یہ قبر پوشیدہ ہو چکی تھی لیکن آج مرجع خواص و عوام ہے۔ استیجاب دعا کیلئے افغانستان میں مشہور ہے اب حکومت کی جانب سے روضہ کی تعمیر کا انتظام ہو رہا ہے۔۔۔ شاعر و عمل خزاہی نے ایک مصرع میں جناب یحییٰ کی قبر کی جانب اشارہ کیا ہے؛ و اخری بارض الجور جان محلہا یعنی زمین جو رجان پر آپ کی آخری منزل ہے۔ ۱

قمر زیدی صاحب نے جس سرحدی کھدائی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بابت تیس سال کی مدت کا ذکر کیا ہے وہ اُس وقت کی بات ہے جب آپ کی کتاب زیر تدوین تھی اور وہ زمانہ ۱۹۷۰ء کا تھا لہذا جناب یحییٰ بن زید شہیدؓ کی قبر ۱۹۷۰ء مطابق ۱۳۸۷ھ میں نمودار ہوئی۔

عماد زادہ کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

در بیرون دروازہ گنبد کاوس آرام گا ہی مرکب از صحن و قبہ و بارگاہی
است کہ مقبر در وسط آن است و اطراف و ن بصورت مسجد است
این آرام گاہ دراز توجہ مسلمانان آنخوڑہ و کرمانی کہ شیعہ و سنی مخصوصاً
در روز ہانچ اشورہ از آن بزرگوار دیدہ اندست تعمیر است۔

(زندگانی حضرت یحییٰ بن زید ص: ۳۵)

خاندان بنی ہاشم کی ان مسلسل قربانیوں اور شہادتوں نے جمیع مسلمین کو ایسا متاثر کیا کہ حجاز سے شام اور عراق سے خراسان تک لوگوں میں ذہنی انقلاب رونما ہو گیا جس کے باعث اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں اور چند ہی سالوں میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ اموی حکمرانوں کو کہیں چھپنے کو جگہ نہ مل سکی۔ عباسیوں نے اقتدار حاصل کر کے اُن کو تہ تیغ کر دیا۔ ابو مسلم خراسانی نے پہلی فرصت میں جناب یحییٰ کے قاتل سلم بن احور کو واصل جہنم کیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے نوٹ میں تحریر کیا ہے کہ: ”ہشام تو خیر مر گیا لیکن اس کے جانشین ولید کے عہد میں حضرت زید کے صاحبزادے یحییٰ بن زید بلخ کے قریب جوزجان ضلع کے ایک گاؤں ارعونہ نامی میں شہید ہوئے اور جوزجان شہر میں ان کی لاش اسی طرح لٹکا دی گئی جیسے ان کے والد کی کوفہ میں لٹکی ہوئی تھی۔ گویا خراسان عراق شام تک مسلسل ایک تماشہ کھڑا کیا گیا۔ حکومت کی جباریت سے لوگ خواہ کچھ نہ بول سکتے ہوں لیکن نفسانی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر اس دردناک دوا می منظر کا جو اثر پڑ سکتا تھا حکومت کے نشہ میں وہ بنی امیہ والوں کی سمجھ میں نہ آیا اور میرا خیال ہے کہ خراسان میں عباسیوں کے داعی ابو مسلم کو جو کامیابی ہوئی اُس کامیابی میں بہت زیادہ دخل اسی عجیب و غریب تماشے کو تھا۔ اسی سے خراسانی مسلمانوں کے تاثر کا اندازہ کیجئے کہ جب عباسیوں کا اقتدار خراسان میں قائم ہوا تو پہلا کام یہی کیا گیا کہ جوزجان میں حضرت یحییٰ کی لاش سولی سے اتاری گئی۔ نماز جنازہ پڑھی گئی اور سات دن تک خراسان کے ہر ہر گاؤں میں ماتم منایا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ ولم یولد فی تلک السنۃ بخراسان مولود الاوسمی یحییٰ او بزید (اس سال خراسان میں جہاں کہیں جو بچے بھی پیدا ہوئے ان کا نام یحییٰ یا زید رکھا گیا)۔ ۱۔ چودہ ماہ کے بعد حضرت زید کی نگلی لاش کو اتروا کر ولید نے جلا کر دریا برد کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی کے انتقام میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد عباسیوں کے ولایۃ و حکام نے تلاش کر کے بنی امیہ کے تمام حکمرانوں کی لاشیں (باستثناء عمر بن عبدالعزیزؓ) قبر سے نکال نکال کر جلائیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ صرف ہشام کی لاش بالکل صحیح و سالم حالت میں نکلی۔ قبر سے نکال کر اسی کوڑے اس کی لاش پر لگائے گئے اور زید شہید کی لاش

شیخ عباس قمی تحریر کرتے ہیں کہ:

”ہانا حسین بن زید مکنی بابو عبداللہ و ابو عاتقہ و ملقب بذوالدمعہ و ذوالعمرۃ است، روز یکہ پدرش کشتہ گشت ہفت سالہ بود حضرت صادقؑ اورا بمنزل خود بردہ و تنہی و تربیت او فرمود و علم وافر می یاد عنایت نمود و دختر محمد بن ازقط بن عبداللہ الباہر را بوی تزویج نمود و او سیدی زاهد و عابد بود، و از کثرت گریستن او در نماز شب از خوف خدا تعالیٰ اورا ذوالدمعہ گفتند و چون در آخر عمر نایبناشد اورا مکتوف گفتند“۔
(مجلسی الامال ج : ۲ ص ۶۵۰)

از حضرت صادقؑ و حضرت موسیٰ بن جعفرؑ روایت میکنند و ابن ابی عمیر و یونس بن عبدالرحمن وغیرہ ایشان از روایت می کنند تاج الدین بن زہرہ در ذکر بیت زید شہید فرمودہ و از اعظم ایشان است حسین ذوالعمرۃ و ذوالدمعہ و ادسیدی بودہ جلیل القدر شیخ اہل خویش و کریم قوم خود بود و آنجناب از رجال بنی حاشماز بہت لسان و بیان و علم و زہد و فضل و احاطہ بنسب و ایام ناس روا بہ نظر کردہ از حضرت صادقؑ و وفا کردہ ۱۲۳ھ انتہی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حسین ذوالدمعہ در محاربہ محمد و ابراہیم پسران عبداللہ بن حسن بو منصور حاضر بود پس از آن از ترس منصور متواری و پناہ شد۔ و اروایت کردہ از پدرش یحییٰ بن حسین کہ مادرم پدرم گفتہ چہ شدہ کہ گریہ بسیار میکنی گفت آیا آن دو تیر و آتش جنہم برای من سروری گذاشتند کہ مانع شود مرا از گریستن، و مرادش از دو تیری بودہ کہ برادرش یحییٰ و پدرش زید بآن شہید گشتند باہلہ حسین در سال یکصد و سی و پنج و بقولی یکصد و چہل و فوات کرد۔
آپ کی بابت ابوالفرج اصفہانی نے تحریر کیا ہے کہ:

حدثنی علی بن العباس، قال: حدثنی احمد بن حازم

قال: حدثننا محول بن ابراہیم قال: شہد الحسین بن

زید حرب محمد و ابراہیم بنی عبداللہ بن الحسن ان
 الحسن ثم تواری. و کان مقيماً في منزل جعفر بن
 محمد. و كان جعفر رباہ و نشأ في حجره منذ قتل ابوہ
 و اخذ عنه علماً - كثيراً. فلما لم يذكر فيمن طلب ظهر
 لمن يأنس به من اهلہ و اخوانہ (مقاتل الطالبيين ص ۲۵۷)

مندرجہ بالا اقتباسات کا مجموعی طور پر مفہوم اس طرح ہے: حسین بن زید
 شہیدؓ وہی ہیں جنکی کنیت ابو عبداللہ اور ابو عاتقہ تھی، آپ ذوالدمعہ و ذوالعمرہ کے
 القاب سے ملقب تھے۔ اپنے پدر بزرگوار حضرت زید شہیدؓ کی شہادت کے وقت
 آپ کی عمر سات سال تھی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے آپ کی پرورش اپنے
 گھر میں کی اور اپنی اولاد کی طرح تعلیم تربیت دی اور علم کثیر عنایت فرمایا۔ نیز
 آپ کی شادی محمد بن ارقط بن عبداللہ الباہر کی دختر سے کر دی۔ آپ زاہد و عابد
 تھے نماز شب میں بخوف خدا کثرت سے گریہ کرتے تھے جس کے باعث آپ
 بینائی کھو بیٹھے اور لوگ آپ کو مکشوف کہنے لگے۔

آپ حضرت امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت بیان
 کرتے تھے۔ ابن ابی عمیر اور یونس بن عبدالرحمن وغیرہ ان سے روایت کرتے
 تھے تاج الدین بن زہرہ نے زید شہیدؓ کے خانوادہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے
 کہ حسین ذوالعمرہ و ذوالدمعہ صاحب عظمت و شان سردار تھے۔ آپ نہایت عابد
 و زاہد، جلیل القدر، خاندان میں بزرگ اور اپنی قوم کے کریم تھے۔ آپ بنی ہاشم
 میں بہ اعتبار زبان و بیان، علم و فضل اور زہد و عبادت افضل اور صاحب نسب تھے۔
 آپ کے لقب ذوالدمعہ کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ آپ خدا
 کے خوف سے نماز شب میں کثرت سے گریہ کرتے تھے اس لئے آپ اس لقب
 سے مشہور ہوئے۔ آپ کے فرزند جناب یحییٰ سے روایت منقول ہے کہ ایک

مرتبہ میری والدہ نے میرے والد سے دریافت کیا کہ اس کثرتِ گریہ کا کیا سبب ہے! آپ نے جواب دیا کہ ان دو تیروں اور آتشِ جہنم نے میرے لئے کوئی خوشی باقی نہیں چھوڑی جو میرے گریہ کرنے مانع ہو سکے۔ ان دو تیروں سے مراد ایک وہ تیر جس سے آپ کے پدرِ گرامی حضرت زید علیہ رحمہ شہید کئے گئے اور دوسرے تیر سے مراد وہ تیر جس سے آپ کے بھائی جناب یحییٰ شہید کئے گئے۔

جب عباسی حکمران منصور دو انتہی نے جناب محمد نفسِ زکیہ کی زندگی تلخ کر دی تو تنگ آمد جنگِ آمد کے اصول پر آپ نے جمادی الآخرہ ۱۴۵ھ میں ظہور فرمایا اُس وقت حسین بن زید شہید بھی محمد و ابراہیم پسرانِ عبد اللہ محض بن حسن ثنی کے ساتھ خروج میں شامل اور جنگ میں شریک تھے، لیکن جب محمد نفسِ زکیہ مدینہ کے قریب مقامِ جرس میں ایک تیر لگنے سے شہید ہوئے اور اُن کے بھائی ابراہیم بھی کوفہ کے پاس میدانِ جنگ میں تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔ اور منصور آپ کی جستجو میں لگ گیا تب آپ نے منصور کے خوف کی بناء پر روپوشی اختیار کی۔

شیخ عباس قتی کا بیان ہے کہ حسین ذوالدمعہ نے ۱۳۵ھ اور بقول دیگر ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ جبکہ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب نے آپ کی وفات ۱۴۸ھ مطابق ۶۶۵ء میں بتائی ہے۔ ۲۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب آپ جناب محمد نفسِ زکیہ کے خروج میں شریک تھے تو پھر شیخ عباس قتی کا بیان کیونکر درست تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اولادِ حسین بن زید شہید: حسین ذوالدمعہ کے تین فرزند ان ابوالحسن یحییٰ، حسین القعدر اور علی تھے ان ہی تین فرزند ان سے آپ کی نسل کثیر تعداد میں عرب و عجم میں پھیلی۔ برصغیر ہند و پاک میں بھی آپ کی نسل کثیر تعداد میں آباد ہے۔ جناب علامہ سید فاضل الموسویٰ الصفوی (خلجالی زادہ) صاحب کے

۱۔ منتہی الامال ج ۲ ص ۲۳۷۔ ۲۔ ساداتِ باہرہ تاریخ کے مد و جز میں ص ۲۳۷۔

مرتب کردہ 'الشجرة الطيبة' میں بھی انہی تین فرزندان سے آپ کی نسل کثیر چلائی گئی ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حسین ذوالدمعہ کے پہلے فرزند یحییٰ کی نسل بہت کثیر ہے۔ یحییٰ کے گیارہ فرزندان قاسم، حسن الزاہد، حسین، محمد اصغر الاقاسی، احمد، عیسیٰ، ابوالحسن علی، حمزہ، یحییٰ، محمد اکبر اور عمر تھے ان میں سے قاسم کے بیٹے محمد نونو، ان کے بیٹے عیسیٰ اور ان کے بیٹے ابو جعفر نسابہ تھے۔ یحییٰ کے دوسرے بیٹے حسن الزاہد کے دو بیٹے محمد اور حسین تھے، محمد کے دو بیٹے احمد اور حسین تھے جبکہ حسین کے بیٹے محمد تھے انہی سے حسن الزاہد کی نسل آگے چلی۔ یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ کے تیسرے بیٹے حسین ان کے بیٹے محمد تھے۔ یحییٰ کے چوتھے بیٹے محمد اصغر الاقاسی کے تین بیٹے علی الزاہد جن کے بیٹے علی تھے جو مورث اعلیٰ تھے بنو جواذب کے اور ان کے بیٹے ابوطالب حسین جن کی اولاد بنو زہرہ کہلائی۔ دوسرے بیٹے محمد الاقاسی تھے جن کے دو بیٹے ان میں سے ایک ابو جعفر محمد جن کی اولاد کوفہ میں آباد ہوئی اور دوسرے ابوطیب احمد جن کی اولاد ان کی والدہ کی نسبت سے قرۃ العین کہلائی، ان کی نسل واسط اور شام میں آباد ہوئی۔ محمد اصغر الاقاسی کے تیسرے بیٹے احمد الموضع تھے جن کے تین بیٹے یحییٰ، محمد اور علی تھے۔

یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ کے فرزند عیسیٰ کے فرزندان میں (۱) ابوطیب زید ان کے ایک بیٹے محمد تھے، (۲) ابوالعباس احمد ان کے دو بیٹے زید اور ابو محمد حسن تھے، (۳) محمد الاعلم ان کے تین بیٹے احمد، حمزہ المعمل، ان کی نسل اہواز میں آباد ہوئی، اور منجم الجادق معروف بابن ازہر تھے۔ یحییٰ بن حسین کے بیٹے علی ان کے تین بیٹے ابوالعباس احمد، ابوطالب اور ابوالحسین زید تھے، یحییٰ بن حسین کے بیٹے یحییٰ ان کے دو بیٹے ابوالعباس طاہر اور عیسیٰ تھے یحییٰ بن حسین کے بیٹے

حسین الاحول ان کے بیٹے حسن الصالح تھے۔ یحییٰ بن حسین کے بیٹے حمزہ کے ایک بیٹے علی تھے جن کے بیٹے حسین اور ان کے دو بیٹے ابو جعفر محمد شاعر اور علی تھے۔ یحییٰ بن حسین کے بیٹے عمر کے تین فرزند ان ایک ابو الحسن یحییٰ جنہوں نے کوفہ میں مستعین عباسی کے دور حکومت میں خروج کیا اور شہید ہوئے، ان کی والدہ ام الحسن بنت حسین بن عبد اللہ بن اسمعیل بن جعفر طیار تھیں۔ عمر بن یحییٰ کے دوسرے فرزند احمد المحدث تھے ان کے بیٹے حسین نسابہ (انساب کے عالم) تھے، ان کے تین بیٹے زید (کوفہ میں آباد ہوئے)، دوسرے حسن الظفر جنکی آٹھویں پشت کے کمال الدین ترمذی ہندوستان وارد ہوئے، (اولاد ہند میں آباد ہوئی)، تیسرے ابو الحسن یحییٰ (نقیب النقاء) ان کی نسل کثیر ہے جو ان کے دو بیٹوں ابو علی عمر الشریف الجلیل اور ابو محمد الفارس سے پھیلی۔ عمر بن یحییٰ کے تیسرے فرزند ابو منصور محمد اکبر ان کے بیٹے حسین القدان اور ان کے تین بیٹے ابو الحسن زید الجندی، جعفر اور حسن تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حسین ذوالدمعہ کی نسل ان کے فرزند یحییٰ کے ذریعہ کثرت سے پھیلی جبکہ ان کی نسل نے ان کے فرزند عمر کے ذریعہ فروغ پایا تو بیجا نہ ہوگا۔

(۲) حسین ذوالدمعہ کے دوسرے فرزند حسین القدر تھے جنکے تین فرزند ان یحییٰ، محمد اور زید تھے، انکے علاوہ بعض نسائیں نے مزید ایک بیٹے علی کا ذکر کیا ہے۔ حسین القدر کی اولاد میں سے یحییٰ کے ایک بیٹے قاسم اور ان کے بیٹے ابو جعفر محمد تھے جن کی نسل طائف و مکہ میں پھیلی۔ آپ کے دوسرے فرزند محمد کے تین بیٹے (۱) احمد جن کے بیٹے حسین برنوخہ تھے۔ (۲) حسن (نقیب موصل) ان کے ایک بیٹے عبد اللہ تھے (۳) زید جن کے بیٹے ابو عبد اللہ زید تھے جنکی نسل دمشق میں آباد ہوئی اور (۴) ابو الحسن علی جن کے بیٹے ابو محمد حسن الخاموس تھے۔ حسین القدر کی نسل ان ہی فرزند ان سے چلی مگر تعداد میں بہت قلیل تھی۔

(۳) حسین ذوالدمعہ کے تیسرے فرزند علی کی نسل قلیل ہے۔ ان کے ایک بیٹے زید نسابہ تھے اُن کے دو بیٹے محمد الشیبہ اور حسین تھے، انہی دونوں سے آپ کی نسل چلی۔

ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ ”حسین ذوالدمعہ کے ایک فرزند حسن نام کے تھے جو کوفہ میں ابواسریا کی جنگ میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔“ ممکن ہے کہ ان سے نسل نہ چلی ہو، مورخین نے ان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کے علاوہ شیخ عباس قمی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ نے بغداد میں ۲۰۷ھ یا ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔^۱

جیسا کہ ہم نے اُپر اشارہ کیا ہے کہ ابوالحسین یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ نے کوفہ میں خروج کیا، مورخین نے اس واقعہ کی بابت تفصیل سے لکھا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

جناب یحییٰ بن عمر کی کنیت ابوالحسین تھی، آپ کی مادر گرامی ام الحسین فاطمہ بنت حسین بن عبداللہ بن اسمعیل بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب تھیں، اور آپ کی ایک زوجہ خدیجہ بنت امام محمد باقر اور دوسری زوجہ قتیلہ بنت عمر اشرف تھیں۔ آپ نے ۲۵۰ھ میں بزمانہ مستعین باللہ عباسی خروج کیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ متوکل عباسی کے دور حکومت ہی سے آپ کا وہ وظیفہ جو تمام مسلمانوں کو دیا جاتا تھا، بند کر دیا گیا تھا۔ جس کے سبب آپ کے حالات دن بدن ناگفتہ بہ ہوتے گئے یہاں تک کہ آپ نہایت تنگ دستی و کمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ نے اپنا وظیفہ واگذار کرانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آپ والی شہر عمر بن فرح کے پاس گئے اور صورتحال سے آگاہ کر کے اُس سے وظیفہ جاری کرنے کو کہا، مگر وہ نہایت سختی سے پیش آیا حتیٰ کہ گالی گفتار پر اُتر

آیا تب آپ نے بھی اُسے بہت برا بھلا کہا، اُس نے فوراً آپ کو قید کر دیا۔ ایک عرصہ کے بعد رشتہ داروں کی ضمانت پر رہائی ملی۔ اس کے بعد آپ بغداد چلے گئے، وہاں حالات مزید خراب ہو گئے۔ پھر آپ سامرہ گئے اور وہاں کے والی و صیغ سے ملاقات کر کے درخواست کی کہ آپ کا وظیفہ بحال کر دیا جائے، لیکن وہ بھی انتہائی سخت کلامی سے پیش آیا۔ آپ وہاں سے واپس آئے اور کوفہ جانے کا قصد کیا۔

یحییٰ بن عمر کے ساتھ حکمران طبقہ کے ہتک آمیز رویہ کے باعث ان کی جو کیفیت تھی اس کی بابت طبری نے لکھا ہے کہ ”ابن ابی طاہر نے بیان کیا کہ ابن الصوفی الطالمی نے اس سے بیان کیا کہ یحییٰ بن عمر اس کے پاس اُس شب میں جس کی صبح کو اُن کی روائگی ہوئی رات اُس کے پاس بسر کی، اپنے ارادے کے متعلق اُسے کچھ نہیں بتایا، اُس نے کھانا پیش کیا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ بھوکے ہیں مگر کھانے سے انکار کر دیا کہا کہ زندہ رہیں گے تو کھائیں،۔۔۔ میرے پاس سے چلے گئے اور کوفہ کا رخ کیا“۔^۱

یحییٰ بن عمر مختلف قصبات میں قیام کرتے ہوئے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے تو مقام وجہ الفلّس میں عبدالرحمن بن الخطاب سے ٹڈ بھٹڑ ہو گئی، کوفہ کے پل کے قریب نہایت شدید جنگ ہوئی، عبدالرحمن کو شکست ہوئی اور وہ علاقہ شاہی کی طرف بھاگا، یحییٰ بن عمر کوفہ میں داخل ہوئے زید یہ ان کے پاس جمع ہو گئے، یحییٰ نے آل محمد کی دعوت دی، بغداد کے عوام جو اس سے پہلے اہل بیت میں سے کبھی کسی کے دوست نہیں ہوئے، آپ کے دوست بن گئے اور آپ کی بیعت کی۔ مختصر یہ کہ ۱۳ رجب ۲۵۰ھ کو عباسی فوج سے مقابلہ ہوا۔ حسین بن اسمعیل نے اُن پر حملہ کر دیا۔ آپ میدان جنگ میں شہید ہوئے، آپ کا سر قلم کر

۱ تاریخ طبری، (اردو ترجمہ) ج ۹ ص ۱۴۷

کے اسے بانس کی ٹوکری میں رکھ کر عبدالرحمن کے ہمراہ محمد بن عبداللہ بن طاہر کے پاس بھیج دیا۔ وہاں سے انتہائی خراب حالت میں آپ کے سر کے کچھ حصہ کو سامرہ بھیجا گیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ جب محمد بن عبداللہ بن طاہر کی مجلس میں یحییٰ بن عمر کے قتل کی اور فتح کی مبارک بادی جارہی تھی کہ اتفاقاً داؤد بن الہیثم ابوہاشم جعفری بھی آگئے، انہوں نے لوگوں کو مبارکباد دیتے سنا تو کہا کہ اے امیر تجھے ایسے شخص کے قتل کی مبارکباد دی جارہی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے تو آپ سے اُس کی تعزیت کی جاتی۔ محمد بن عبداللہ انہیں کچھ جواب دینے نہ پایا تھا کہ ابوہاشم یہ شعر پڑھتے ہوئے چلے گئے:

يا بنى طاهر كلوه ديا ان لحم النسبي غير ميسرى
ان وترايكون طالب الله لوتر نجامه بالجيرى
یعنی اے بنی طاہر تم اسے مال سمجھ کر کھاؤ۔ مگر نبی کا گوشت (کھانا تو) مبارک نہیں ہے بیشک اللہ تعالیٰ بھی جس انتقام کا طالب ہے وہ وہی انتقام ہے جس کا پورا کرنا مناسب ہو۔ ۱

جناب سید ظفر یاب ترمذی صاحب نے نسب سے متعلق ایک تفصیلی واقعہ تحریر کیا ہے اُس کی افادیت کے پیش نظر ہم یہاں بیان کر رہے ہیں:

کتاب عمدة الطالب میں ابوالفتحی عبداللہ بن اسامہ زیدی کا ایک واقعہ درج ہے جسے خود عبداللہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”میں ایک سال عدنان بن مختار کے ساتھ حج کو گیا تھا۔ ایک رات ہم نے دیکھا کہ مسجد الحرام میں کچھ لوگ ایک سید حسنی کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ ہم نے دریافت کیا کہ اس کا کیا نام ہے۔ کسی نے بتلایا کہ جعفر بن ابی البشر امام الحرمین ہیں، سید عدنان نے

۱۔ اخذ از تاریخ طبری (اردو ترجمہ) ج ۹، ص ۱۳۱، مقالہ الطالین ص ۴۲۰، مختص اللامال ج ۲، ص ۶۷۲۔

مجھ سے کہا چلو اس کے پاس چلیں، قریب پہنچ کر میں نے سلام کیا اور سر کو اس کے بوسہ دیا چونکہ یہ شخص قصیر القامت تھا اس لئے بجائے سر کے میرا سینہ چوما۔ اور مجھ سے سوال کیا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا تمہارا ایک پسر عم باشندہ عراق ہوں۔ کہا سید علوی ہے، میں نے کہا ہاں۔ جعفر نے کہا حسنی یا حسینی یا محمدی یا عباسی یا عمری یعنی امیر المومنین علی ابن ابیطالب کی نسل امام حسن و امام حسینؑ، محمد حنیفہ، عباس علمدار، عمران معروف عمر صرف پانچ کس سے جاری ہوئی تو کس کی اولاد سے ہے۔ میں نے کہا حسینی ہوں۔ جعفر نے کہا حسین شہید کی نسل فقط امام زین العابدین سے چلی، پھر ان کے چھ اشخاص (۱) امام محمد باقر علیہ السلام (۲) عبداللہ باہر (۳) زید شہید (۴) عمر الاشرف (۵) حسین اصغر (۶) علی اصغر سے نسل جاری ہوئی تو کس کی اولاد سے ہے۔ میں نے کہا زید شہید کی اولاد سے۔

جعفر، زید شہید کا سلسلہ نسب تین اشخاص حسین ذی الدمہ، عیسیٰ موتم الاشبال و محمد شہید سے رواں ہوا، تم ان میں سے کس کی اولاد سے ہو۔ میں نے کہا حسین ذی الدمہ کی نسل سے۔ جعفر، حسین ذی الدمہ کی نسل بیچی، حسین و علی سے جاری ہوئی، تم ان میں سے کس کی اولاد ہو۔ میں نے کہا بیچی بن حسین کی نسل سے۔ جعفر، بیچی بن حسین ذی الدمہ کا سلسلہ نسب سات اشخاص قاسم و حسن و حمزہ و عمر و محمد اصغر و بیچی و عیسیٰ سے جاری ہوا، تم ان میں سے کس کی نسل سے ہو۔ میں نے کہا عمر بن بیچی کی نسل سے۔ جعفر، عمر بن بیچی کی اولاد دو شخص احمد محدث و محمد ابوالمنصور سے چلی تم کس سے ہو۔ میں نے کہا احمد محدث سے۔ جعفر، احمد محدث کی عقب حسین نسبہ نقیب سے اور حسین مذکور کا سلسلہ نسب دو مرد زید و بیچی سے جاری ہوا تم ان میں سے کس کی اولاد سے ہو۔ میں نے کہا بیچی بن حسین نسبہ سے۔ جعفر، بیچی مذکور کی اولاد سے دو شخص ابوعلی عمر و ابو محمد حسن اولاد و اعتقاد

ہوئے تم ان میں سے کس کی نسل سے ہو۔ میں نے کہا ابوعلیٰ عمر بن یحییٰ کی اولاد سے۔ جعفر، ابوعلیٰ عمر بن یحییٰ کی نسل تین مرد کی پشت سے اجراء پائی، ابو الحسن محمد، ابوطالب محمد و ابو الصائم تو ان میں کس کی اولاد سے ہے۔ میں نے کہا ابوطالب محمد کی اولاد سے۔ جعفر نے کہا تو ضرور عبداللہ بن اسامہ نسابہ ہے۔ میں نے کہا بیشک میں پسر اسامہ موصوف ہوں۔

مندرجہ بالا طویل اقتباس کو نقل کرنے کے ہمارے دو مقاصد ہیں۔ اول یہ کہ جناب حسین ذوالدمہ کے جن فرزند ان سے آپ کی نسل چلی اُن سے آگہی فراہم ہو سکے۔ دوم یہ کہ موجودہ سادات اس امر پر غور کرے کہ اُن کے بزرگانِ سلف اپنے نسب سے کس قدر واقف ہوتے تھے کہ نسب کی مدد سے مخاطب کا نام معہ ولدیت بتا دیا۔ لہذا سادات کو چاہیے کہ اپنے نسب نامہ سے آگاہ رہے اور اُس کی حفاظت کرے تاکہ مجہول النسب لوگ آپ کے شجرہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ دورِ حاضر میں سادات نے اپنے نسب ناموں سے توجہ ہٹالی ہے خصوصاً نوجوان طبقہ تو اسے بے معنی چیز سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں ازدواجی زندگی میں مضر اثرات نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ بہر حال حسین ذوالدمہ کی نسل کی تفصیل علامہ سید فاضل موسوی صاحب نے اپنے شجرہ طیبہ میں اور جناب سید ظفر یاب ترمزی صاحب نے اپنی کتاب 'تاریخ النوار السادات' میں بیان کی ہے۔

ابوالفرج نے حسین ذوالدمہ کی نسل کے شہداء کی بابت لکھا ہے کہ:

”حسن بن حسین بن زید بن علی؛ و هو اتقتیل یوم

قنطرة الكوفة؛ فی الحروب التي كانت بین ہرثمہ و

(مقالہ الطالین ص: ۳۴۰)

الی السرایا۔

۱۔ تاریخ النوار السادات ص: ۵۳۶

ترجمہ: حسن بن حسین ذوالدمعہ جنگِ قنفرہ کو ذمہ میں جو ابوالسرا یا اور ہرثمہ کے مابین ہوئی لڑتے ہوئے قتل ہوئے (یہ جنگ ۹ ربیع الثانی ۱۹۹ھ میں ہوئی تھی)

”و عبید اللہ بن علی بن عیسیٰ بن یحییٰ بن الحسن بن زید بن علی بن الحسن قتل بالطواحين فی وقعة کانت بین احمد بن الموفق، و بین خمار و یہ ابن احمد (ابن طولون)۔ (مقاتل الطالبین ص: ۲۲۰)

ترجمہ: عبید اللہ بن علی بن عیسیٰ بن یحییٰ بن حسن بن زید بن علی بن حسین، بزمانہ معتمد عباسی، مقام طواحين میں احمد بن موقوف اور ابن طولون کے مابین ہونے والی جنگ میں قتل کر دئے گئے۔

”و زید بن الحسن بن الحسن بن زید بن علی بن الحسن بن علی بن ابی طالب، قتله القرمطی فیما یذکرو نہ فی طریق مکة (مقاتل الطالبین ص: ۲۲۶)

ترجمہ: اور زید بن حسن بن حسین ذوالدمعہ کو قتل کر دیا کے دور حکومت میں ایک قرمطی نے آپ کو مکہ کے راستہ پر قتل کر دیا۔

خلف سوم عیسیٰ بن زید شہید: جناب عیسیٰ بن زید شہید کی کنیت ابو یحییٰ تھی۔ بعض حضرات نے ابوالحسن بھی لکھی ہے لیکن مشہور کنیت ابو یحییٰ ہی ہے۔

آپ کا لقب مومن الاشبال تھا۔ آپ کی مادر گرامی رقیہ بنت عبد اللہ محض بن حسن ثنی تھیں۔ قرزیدی صاحب نے آپ کی والدہ کا نام سکن نوبیہ لکھا ہے اور انھیں ام ولد بتایا ہے۔ جبکہ ظفر زیدی صاحب نے ریطہ بنت ابوهاشم کو آپ کی والدہ قرار دیا ہے اور عیسیٰ و محمد پسران زید شہید کو ماں جائے بھائی قرار دیا ہے۔

آپ کے نام عیسیٰ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ابوالفرج اصفہانی

نے لکھا ہے کہ:

۱۔ بطل رشید زید شہید ص: ۲۲۶، ۲۔ زید شہید ص:

”ویکنی ابا یحییٰ و امہ ام ولد، ولد فی الوقت الذی أشخص فیہ أبوه زید ابن علی الی ہشام بن عبد الملک، و كانت أم عیسیٰ بن زید معہ فی طریقہ، فنزل دیر النصارى و وافق نزولہ ایہ لیلۃ المیلاد، و ضربہا امخاض ہنالک فولدتہ لہ تلک اللیلۃ، و سماہ ابو عیسیٰ باسم المسیح عیسیٰ بن مریم۔ صلوات اللہ علیہما“ (مقالہ الطالبین ص: ۲۶۸)

ترجمہ: اور آپ کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور آپ کی والدہ ام ولد تھیں۔ ایک مرتبہ جب زید ابن علی ہشام ابن عبد الملک سے ملنے کیلئے دمشق تشریف لے گئے تو والدہ عیسیٰ اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں دوران سفر آپ نے عیسائیوں کے چرچ میں ایک رات بسر فرمائی اور یہ رات حضرت عیسیٰ کی ولادت کی رات تھی۔ اسی رات میں اس فرزند کی ولادت ہوئی تو آپ کے پدر گرامی جناب زید ابن علی نے آپ کا نام حضرت مسیح کے نام پر عیسیٰ رکھا۔

ابوالفرج کا مندرجہ بالا بیان تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ اول تو آپ کی والدہ کنیز ہرگز نہ تھیں۔ مورخین نے ان معظمہ کا نام رقیہ تحریر کیا ہے جو بیٹی تھیں عبداللہ محض کی اور وہ پوتے تھے امام حسن علیہ السلام کے۔ جس کی وضاحت ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کے اس بیان سے ہوتی ہے:

”جناب عیسیٰ اپنے والد جناب زید کی شہادت کے وقت بہت کم سن تھے اس لئے آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کی نھیال میں ہوئی تھی۔ آپ کے دو ماموں یعنی جناب محمد نفیس ذکیہ اور جناب ابراہیم پسران عبداللہ محض بن حسن ثنی اپنے عہد کی سیاست میں بڑی اہم شخصیت تھے“ (سادات باہرہ تاریخ کے مدوئرز میں ص: ۲۴۰)

دوئم یہ کہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہشام بن عبد الملک کے پورے بیس سالہ دور حکومت میں حضرت زید شہید صرف دو مرتبہ اُس کے پاس

گئے تھے پہلی مرتبہ ۱۱۴ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۰ھ میں۔ اس کے علاوہ ایسا کوئی واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا کہ جب آپ ہشام کے پاس گئے ہوں۔ اور نہ ہی بادشاہ وقت سے آپ کے اتنے اچھے مراسم تھے کہ دربار میں آپ کی رسائی ہوتی۔ لہذا یہ درست معلوم نہیں ہوتا کہ آپ تیسری بار بادشاہ وقت سے ملاقات کے لئے دمشق گئے ہوں۔ البتہ یہ عین ممکن ہے کہ کسی اور مقصد کیلئے آپ نے یہ سفر اختیار کیا ہو اور یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا آپ نے اپنے ننھیال میں اپنے ماموں کے زیر کفالت پرورش پائی اور یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ یہ امام کے فیض تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ احکام دین اور علم و عرفان میں ممتاز تھے اور اپنے ہم عصروں میں علم و ورع اور زہد و کشف میں افضل تھے۔ نیز مذہبی امور میں آپ کی بصیرت علم کثیر کی حامل تھی۔

آپ کے لقب مہتمم الاشبال کی بابت شیخ عباس قمی نے تحریر کیا ہے کہ:

ہابا عیسیٰ بن زید کنی است بابو یحییٰ و لقب است بہتمم الاشبال و این لقب ازاں یافت کہ وقتی شیریں را کہ دارای بچگان بود دوسر راہ مردم گرفتہ بود بکشت از انوقت لقب مہتمم الاشبال یافت یعنی یتیم کنندہ شیر بچگان“ (ملخص الامال ج ۲ ص ۶۹)

ترجمہ: یہ وہی عیسیٰ بن زید ہیں جن کی کنیت ابو یحییٰ اور لقب مہتمم الاشبال ہے اور یہ لقب اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ شیر جس کے بچے بھی تھے سہراہ لوگوں کو ستاتا تھا۔ آپ نے اس کو مار دیا، اسی وقت سے لوگ آپ کو اس لقب سے یاد کرنے لگے۔

شیخ عباس قمی نے آپ کے مراسم علم و زہد کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”بلخی از او نمودہ و گفت کہ او مردی جلیل القدر و صاحب علم دور ع

و تقویٰ وز حد بودہ و از حضرت صادقؑ و برادر آں حضرت عبداللہ بن محمدؑ و از پدر خود زید بن علیؑ وغیرہم روایت می کرد و علماء عصر او مقدم اورا مبارک می شمر دند۔“ (منہجی الامال ج ۲ ص ۶۹)

ترجمہ: آپ جلیل القدر، صاحب علم و ورع اور زاہد و متقی تھے۔ آپ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، اُن کے بھائی عبداللہ بن محمد باقرؑ اور اپنے پدر بزرگوار وغیرہ سے روایات بیان کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے علماء میں مقدم و مبارک شمار کئے جاتے تھے۔ آغا سلطان مرزا نے تحریر کیا ہے کہ:

یہ زید شہید کے صاحبزادے اور یحییٰ بن زید کے بھائی تھے۔ انہوں نے اپنے تیسرے بھائی حسین (ذوالدعہ) کے ساتھ مل کر ابراہیم و محمد پسران عبداللہ بن حسن (ثقی) کی لڑائیوں میں اُن کی بڑی مدد کی اور بہت شجاعت و مردانگی کا اظہار کیا۔ یہ نہایت دیندار، عالم، زاہد، پرہیزگار تھے۔ صاحب عقل و فہم تدبیر تھے۔ جناب امام جعفر صادقؑ کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں۔ محمد نفس الزکیہ نے وصیت کی تھی کہ ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم اُن کے جانشین اور ولی الامر ہوں گے اور ابراہیم کے بعد عیسیٰ بن زید (شہید) ہوں گے۔ چنانچہ ان دونوں کے بعد عیسیٰ بن زید ان کے جانشین ہوئے۔“

نفس زکیہ اور ابراہیم کی شہادت کے بعد جناب عیسیٰ نے بقیہ زندگی کوفہ میں گمنامی اور انتہائی کسمپرسی کی حالت میں گذاری۔ آپ نے سقائی کا پیشہ اختیار کیا یعنی آپ اونٹ پر پانی لا کر لاتے اور اپنی روزی کماتے تھے۔

آپ کے بھتیجے یحییٰ بن حسین ذوالدعہ کو آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا لہذا وہ آپ سے ملنے کوفہ گئے، مورخین نے یحییٰ کے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے، مگر ہم یہاں اختصار سے بیان کر رہے ہیں: شیخ عباس ثقی کا بیان ہے کہ:

”یحییٰ بن حسین بن زید و بقول صاحب عمدة الطالب محمد بن محمد بن زید با پدر گفت کہ دوست دارم مرا برعموی دامت باشم و اورا دیدار نما یم، پدر گفت ای پسر جان این خیال ار سر بدر کر چه آنکہ عموی تو عیسیٰ خود را پنهان کردہ است و دوست نہ دارد کہ شناختہ شود۔۔۔ یحییٰ در ایباب مہالندہ و اصرار کرد تا آنکہ پدر راضی نمود کہ مکان عیسیٰ را نشان دہد حسین گفت ای پسر اگر خواہی عموی خود را ملاقات کنی از مدینہ بکوفہ سفر کن چون بکوفہ رسیدی از محلہ بنی حنی پرش نما شون این دانستی۔۔۔ شون بان موچہ رسیدی خانہ ای بنی۔۔۔ لکن تو بر در خانہ منشین بلکہ بر در اوایل کوچہ بنشین تا وقت مغرب آنگاہ مردی بنی بلند قامت بسن کہولت کہ صورت نیکو نیدارد و آثار سجدہ در جہتہ او نمایاں است وجہہ از پشم در بردارد و شتری در پیش انداختہ و از سقائی برگشتہ و بہر قدمی کہ بر میدارد و مینہد ذکر خدا را بجامیآورد و اشک از چشمان او فرم رہزد ہما شخص عموی تو عیسیٰ است۔

(منہی الامال ج ۳ ص ۶۹)

ترجمہ: یحییٰ بن حسین ذوالمدعہ اور بقول صاحب عمدة الطالب محمد بن محمد بن زید نے اپنے پدر بزرگوار سے اپنے چچا سے ملاقات کی خواہش ظاہری، اُن کا پتہ دریافت کیا اور کہا کہ یہ کتنی بد نصیبی ہے کہ چچا کے ہوتے ہوئے میں اُن کے دیدار سے محروم ہوں۔ اُن کے والد نے کہا کہ بیٹا اس خیال کو ترک کر دو کیونکہ تمہارے چچا عیسیٰ نے اپنے آپ کو پوشیدہ کر رکھا ہے اُن کے کوئی دوست نہیں جن سے اُن کی شناخت ہو سکے۔۔۔ یحییٰ نے بے حد اصرار کیا تب اُن کے والد حسین ذوالمدعہ نے جناب عیسیٰ کے قیامگاہ کی نشاندہی کی اور ہدایت کی کہ جب تم کوفہ پہنچ جاؤ تو محلہ بنی حنی کا پتہ کرنا، وہاں فلاں کوچہ میں ایک گھر ان صفات کا ہوگا وہی تمہارے چچا کا گھر ہے مگر تم گھر کے دروازہ پر نہ جانا بلکہ کوچہ کے سرے پر بیٹھ جانا۔

مغرب کے وقت ایک شخص کو دیکھو گے جو بلند قامت، درمیانی عمر، نورانی چہرہ، پیشانی پر سجدہ کا نشان نمایاں ہوگا، جسم پر اونی لباس، دو اونٹوں کو ساتھ لئے آئیگا جن پر وہ سقائی کرتے ہیں، ہر قدم پر ذکر خدا کرتے ہوئے نظر آئیں گے اکثر ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہوتے ہیں بس وہی تمہارے چچا عیسیٰ ہوں گے۔

پس جناب یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ کو فہم پہنچے اور والد کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور جو ہی والد کے بتائے ہوئے اوصاف کے شخص کو آتے دیکھا تو قریب پہنچ کر پہلے سلام کیا پھر گلے میں باہیں ڈال دیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ وہ بہت پریشان ہو گئے۔ لیکن جب میں نے اپنا تعارف کرایا تو مجھے گلے سے لگا لیا اور بہت روئے۔ جب قدرے سکون ہوا تو میرے پاس بیٹھ کر خاندان کے تمام مرد و زن کی بابت ایک ایک کر کے حالات دریافت کئے، میں ہر ایک کے حالات بتاتا جاتا تھا اور وہ روتے جاتے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے بارے میں بتایا۔

اس واقعہ کو آغا سلطان مرزانے مختصر اس طرح بیان کیا ہے کہ:

یحییٰ بن حسین ابن زید کہتے ہیں کہ جب میں نے عیسیٰ بن زید اپنے چچا سے کوفہ میں ملاقات کی تو پہلے تو مجھ سے بہت متوحش ہوئے لیکن جب میں نے بتایا کہ میں کون ہوں تو پاس بٹھالیا۔ گلے سے لگا لیا۔ سب کا حال پوچھتے رہے اور بیان کیا کہ میں اپنے اونٹ پر لوگوں کو اجرت پر پانی پہنچاتا ہوں اور اسی سے گور اوقات کرتا ہوں۔ میں نے ایک شخص کی لڑکی اے یہاں شادی کر لی ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ میری ایک لڑکی پیدا ہوئی جب وہ جوان ہوئی تو میری بیوی نے کہا کہ اس کی شادی اس ہمسایہ سقے کے ساتھ کر دیں۔ کیونکہ وہ بھی سقائی کرتا ہے اور ہم سے زیدہ کھاتا پیتا ہے یعنی زیادہ پیسہ والا ہے۔ میں

خاموش تھا۔ کیا جواب دوں۔ یہ نہ کہہ سکا کہ میں خاندان رسالت سے ہوں اور

یہ سقا میرے ہم کفو نہیں ہے۔ میری عورت اس پر اصرار کرتی رہی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد میری لڑکی مر گئی اور اس کو یہ معلوم نہ ہوا کہ اس کا جناب رسول خدا سے کیا رشتہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے قسم دی کہ میں واپس چلا جاؤں اور پھر نہ آؤں۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا اور پھر میں نے ان کو نہیں دیکھا!

جناب عیسیٰ مومتم الاشبال نے اپنے کوفہ میں قیام کے دوران مکمل طور پر گمنامی کی زندگی گزاری اور اپنے قیام کے دوران معمولی نوعیت کی مزدوری کر کے گذر بسر کی لیکن کسی بھی حالت میں تسبیح و تحلیل، صبر و شکر اور ضبط و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ نے اپنے حسب حال اشعار کہے جن سے آپ کے حالات زندگی کی عکاسی ہوتی ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

واللہ ما اطعم طعم الرقاد خوفاً اذ نامت عیون العباد
مژدنی اهل اعتداد و ما اذیت ذبنا غیر ذکر المعاد
أمنت بالله ولم یومنوا فکان زاوی عنده شراز
اقول قاله خائف مطرد قلبی کثیر السماد
منخرق الخفین یشکر الوجی تنکبه اطراف مرد حداد
شرذہ الخوف فازری به کذاک من یکر حر الحلال
قد کان فی الموت له راحته والموت ختم فی رقاب العباد

ترجمہ:

- (۱) جب لوگوں کی آنکھیں سوجاتی ہیں میں خوف سے جاگتا رہتا ہوں اور ایک لمحہ بھی نیند نہیں آتی۔
- (۲) اہل ظلم نے مجھے جلا وطن کر دیا حالانکہ سوائے آخرت کی یاد کرنے کے میرا کوئی تصور نہیں۔

(۳) میں خدا پر ایمان لایا ہوں اور یہ لوگ ایمان نہیں رکھتے لہذا میرے لئے

ان کے پاس نہایت خراب چیزیں ہیں۔

انور اشرفین من حیات الصادقین ص ۳۱۳

- (۴) میں وہ بات کہتا ہوں کہ جو ایسا شخص کہتا ہے جو خوفِ می زندگی بسر کرتا ہو۔
میرادل قابو میں نہیں اور میں جاگتا رہتا ہوں۔
- (۵) جس کی دونوں جوتیاں ٹوٹ گئی ہوں اور وہ اس باد یہ پیائی کی شکایت کرتا
ہو اور مرو کی تنگ گلیاں اس سے روگردانی کرتی ہیں۔
- (۶) خوف نے جو اس کو وطن سے دور سر بھرا کر دیا ہو اسی طرح جس طرح کہ
وہ شخص ہوتا ہے جو جلا دے سے خوف کھاتا ہے۔
- (۷) اس کیلئے موت میں راحت ہے اور موت تو ہر شخص کی گردن میں
پڑی ہوئی ہے۔

جناب عیسیٰ مومتم الاشبال کے اشعار کا اہل درد اس کثرت سے ورد کرتے تھے کہ لوگوں کو زبانی یاد ہو گئے تھے۔ مورخین کے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ وقت مہدی عباسی خراسان میں مقیم تھا کسی مقام پر اُس نے یہ اشعار دیوار پر لکھے دیکھے تو اُس نے ہر شعر کے نیچے لکھو ادا کیا کہ: لک الامان من اللہ و منی فاظہر منی شہت۔ یعنی: تجھ کو میری اور اللہ کی طرف سے امان ہے جب جی چاہے ظاہر ہو جا۔ اسکے علاوہ مہدی عباسی نے حج کے موقع پر منادی بھی کرائی مگر بادشاہوں کی بد عہدی اور حالات کے پیش نظر جناب یحییٰ بن زید شہیدؓ نے مہدی کے اعلان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور تمام عمر جلا وطنی اور روپوشی میں گذاری۔ آپ نے مصائب کا نہایت صبر و استقلال سے مقابلہ کیا اور اعزائے قریبی سے دوری کے غم کو ہمیشہ سینہ سے لگائے رکھا۔

جناب عیسیٰ مومتم الاشبال کی وفات کی بابت ڈاکٹر صفدر حسین صاحب نے لکھا ہے کہ آپ نے ۱۶۸ھ اور بقول دیگر ۱۷۱ھ میں وفات پائی۔^۱ جبکہ قمر زیدی صاحب نے لکھا ہے کہ ”آپ کا سن ولادت ۱۰۹ھ ہے۔ حضرت زید کی شہادت کے وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ آپ نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی اور ۱۷۹ھ میں آپ نے انتقال فرمایا“^۲

۱۔ سادات باہرہ تاریخ کے مدو جز میں ص ۲۹، ۲۔ زید شہیدؓ نقل رشید ص ۲۲۲

بہر حال آپ کی نماز جنازہ آپ کے دوست حسن بن صالح نے پڑھائی اور میت کو دفن کیا۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کے بیان کے مطابق آپ کا مزار شفقانیہ میں ہے۔ یہ مقام کوفہ سے تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر ہے، جبکہ زمانہ قدیم میں یہ کوفہ کا ایک محلہ تھا۔^۱

اصحاب عیسیٰ بن زید شہید: جناب عیسیٰ موتم الاشبال کے تین خاص اصحاب تھے۔ یعنی ابن علاق صیرفی، حاضر اور صباح الزعفرانی۔ حاضر کو مہدی عباسی نے پکڑ کر قید کر دیا اور پوچھ گچھ شروع کر دی، پہلے نرمی سے پوچھا کہ عیسیٰ بن زید کہاں ہیں، جب حاضر نے نہیں بتایا تو اُن پر سختی کی گئی، اُنہوں پھر بھی کچھ نہیں بتایا تو اُس نے حاضر کو ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دیا۔ خلافت بغداد کے شاعر ابو العتّابیہ نے اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ”میں نے شعر کہنے بند کر دیئے اس پر مجھے مہدی نے قید کر دیا۔ قید خانہ تنگ و تاریک تھا میرے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ وہاں میں نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے پایا۔ بغیر سلام کئے میں اُسکے پاس جا بیٹھا، وہ آدمی خاموش بیٹھا ہوا تھا، کچھ دیر بعد اُس نے یہ دو شعر کہے:

تَعَوَّدْتُ مَسَّ الضَّرِّ حَتَّى الْفِتْنَةِ وَاسْلَمَنِي حَسَنُ الْعِزَاءِ إِلَى الصَّرِّ
وَصَيَّرَنِي يَامِي مِنَ النَّاسِ وَانْقَاءَ بِحَسَنِ صَيْعِ اللَّهِ مِنْ حَيْثُ لَا أَدْرِي

ترجمہ میں نے تکلیف کی عادت ڈال لی ہے۔ یہاں تک کہ مجھے

اُس سے آفت ہو گئی ہے اور غم کی برداشت نے صبر کرنا سکھا دیا

ہے۔ لوگوں سے ناامید ہو کر میں نے خدا پر اعتماد کر لیا ہے کہ وہ

میرے اُپر ایسے ذریعے سے فضل کرے گا کہ جس کو میں نہیں جانتا۔

مجھے یہ شعر بہت پسند آئے، میں نے مکرر پڑھنے کی درخواست کی۔

اُس نے میری بدتمیزی پر تنبیہ کی کہ میں سلام کئے بغیر اُسکے پاس جا بیٹھا، پھر اُس نے وہ شعر سنائے اور بتایا کہ اُس کا نام حاضر ہے۔^۱

^۱ سادات باہرہ تاریخ کے مدو جز میں ص ۳۸۰ ۲ نور المشرقیین من حیات الصادقین ص ۳۱۷

جنہیں بعد میں قتل کر دیا گیا۔ اسکے بعد حاکم وقت صباح اور ابن علاق کی تلاش میں لگ گیا مگر وہ ہاتھ نہ آئے۔
اولاد عیسیٰ بن زید شہیدؓ: جناب عیسیٰ بن زید شہیدؓ نے تین عقد کئے، دو عقد مدینہ میں اور ایک کوفہ میں، آپ کی ایک زوجہ عاتکہ بنت فضل بن عبد الرحمن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب تھیں جن کے بطن سے احمد تولد ہوئے، دوسری زوجہ عبدہ یا خدیجہ بنت علی بن عمر بن علی زین العابدینؓ تھیں ان کے بطن سے حسین اور محمد پیدا ہوئے اور تیسری زوجہ اہل کوفہ میں سے تھیں ان کے بطن سے زید اور ایک دختر تھیں۔ دختر آپ کی حیات میں ہی وفات پا گئی تھیں۔

نسبین نے آپ کے آٹھ پسران بتائے ہیں جنکے نام جعفر، حسین، حسن، محمد، عمر، احمد یحییٰ اور زید لکھے ہیں۔ لیکن سب ہی نے آپ کی نسل چار فرزند ان احمد، محمد، حسین اور زید سے ہی چلائی ہے۔ جسکی تفصیل اس طرح ہے:
(۱) احمد بن عیسیٰ: ان کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب انحصی تھا۔ آپ بڑے عالم و فاضل، زاہد و فقیہ اور صاحب تصنیف بزرگ تھے اور احادیث صحیحہ کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے حالات ابو الفرج اصفہانی نے کافی تفصیل سے تحریر کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

وکنی اباعبداللہ۔ وامہ عاتکہ بنت الفضل بن عبد الرحمن بن العباس بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب۔ وكان فاضلاً عالماً مقدماً في اهلہ، معروف فضلہ۔ وقد كتب الحديث، وعمر وكتب عنه، وروى عنه الحسين بن علوان روايات كثيرة، وقد روى عنه محمد بن المنصور الرازي ونظر اؤه۔
 (مقاتل الطالبيين ص ۳۰۸)

ترجمہ: ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی اور ان کی والدہ عاتکہ بنت فضل بن عبد الرحمن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب تھیں،

آپ عالم و فاضل و محدث تھے حسین بن علوان نے آپ سے کثیر روایات بیان کی ہیں۔

عباسی حکمران ہارون آپ کے در پہ آزار ہوا، اور کھوج لگا کر آپ کو اور قاسم بن علی بن عمر اشرف کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد قید خانہ کے محافظوں کی غفلت کے باعث یہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔ احمد بن عیسیٰ بغداد پہنچے اور وہاں محمد بن ابراہیم کے گھر میں روپوش ہو گئے۔ جب ہارون کو اس کا علم ہوا تو اس نے ہر اس شخص کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا جس پر تشیع کا زراسا بھی شبہ ہو۔ اس صورتحال کے پیش نظر محمد بن ابراہیم کا بیٹا جو شکار کا بہت شوقین تھا وہ آپ کو غلام کے بھیس میں اپنے ساتھ شکار پر لے گیا اور وہاں سے آپ کو بصرہ روانہ کر دیا ہارون نے اپنے معتمد یحییٰ بن خالد کو جاگیر عطا کی اور ہدایت کی وہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے کوفہ و بصرہ میں احمد بن عیسیٰ کا پتہ لگائے۔ یحییٰ بن خالد نے نہایت چال بازی سے اور مال خرچ کر کے کوفہ و بصرہ کے شیعوں سے تعلقات قائم کئے اور بصرہ میں احمد بن عیسیٰ کے قریبی ساتھی حاضر تک رسائی حاصل کر لی لیکن حاضر نے اُسکی ملاقات سے پہلے ہی آپ کو وہاں سے روانہ کر دیا۔ اسکے بعد سے جناب احمد بن عیسیٰ شہر بہ شہر پریشان پھرتے ہوئے ابواز پہنچے پھر بصرہ آ گئے۔ بالآخر اسی روپوشی و بادہ پیمائی میں ۲۳۳ رمضان ۲۳۴ھ کو انتقال کیا۔ شیخ عباس قمی اور ابوالفرج اصفہانی کے بیان کے مطابق آپ کی ولادت ۱۵۸ھ میں اور وفات ۲۴۴ھ میں ہوئی۔

احمد بن عیسیٰ موتمن الاشبال کے پانچ فرزند ان محمد اکبر جن کی کنیت ابو القاسم تھی ان کو سعید الحاجب نے قتل کر دیا۔ علی، حسین، ابو جعفر محمد اور محمد اصغر تھے۔ ان میں سے علی کے ایک بیٹے حسین اور ان کے بیٹے علی تھے۔ احمد بن عیسیٰ

کے بیٹے ابو جعفر جو الکفل مشہور تھے اور علم و فاضل تھے اُن کے چار بیٹے ابوالحسن علی جن کے دو بیٹے عبداللہ اور یحییٰ تھے۔ دوسرے جعفر، تیسرے حسین جنہیں قم میں قتل کر دیا گیا، اور چوتھے اسمعیل تھے۔

(۲) محمد بن عیسیٰ مومتم الاشبال: ان محمد کا لقب الحیدری تھا۔ بقول شیخ محمد عباس قتی آپ کی والدہ خدیجہ بنت علی بن عمر بن حسین بن علی زین العابدینؑ تھیں آپ تمام عمر مدینہ ہی میں مقیم رہے اور ابتداً وہیں پر آپ کی نسل پھیلی مگر بعد میں آپ کی اولاد مختلف مقامات پر منتشر ہو گئی۔ آپ کے فرزند علی کے ایک بیٹے حسین تھے جن کے فرزند علی نے مدینہ سے نقل مکانی کی اور عراق میں آباد ہو گئے اور اسی نسبت سے علی عراقی مشہور ہوئے۔ جیسا کہ صاحب عمدۃ الطالب نے تحریر کیا ہے کہ:

و اما محمد ابن عیسیٰ مومتم الاشبال فله عقب کثیر
منتشر و جمہور عقبہ یرجع الی علی العراقی بن
الحسین بن علی بن محمد مذکور (محمد بن عیسیٰ)
ورد العراق و اقامہ بہا فعرفت عند انحن الحجاز بہ
العراقی و اعقبہ من خمسة رجال بین مقل و مکشر۔
(عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب ص ۲۳۳)

ترجمہ: اور محمد بن عیسیٰ مومتم الاشبال کی نسل کثیر ہے جو مختلف مقامات پر منتشر ہو گئی۔ یہ نسل جناب علی عراقی کی جانب رجوع ہوتی ہے جو محمد مذکور (یعنی محمد بن عیسیٰ) کے فرزند ہیں۔ یہ علی بن عیسیٰ عراق آگئے اور یہیں قیام کیا۔ اہل حجاز آپ کو علی عراقی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انکی نسل پانچ فرزندوں سے کثیر تعداد میں پھیلتی رہی۔

لیکن نسابین نے علی عراقی کہ نسل آپ کے تین فرزند ان ایک ابو عبداللہ حسین دوسرے ابو جعفر محمد اور تیسرے ابو محمد حسین سے چلائی ہے۔ علی

عراقی کے فرزند حسین کے بیٹے علی اُن کے بیٹے زید تھے جنہیں مورخین نے زید الحربی اور زید ثانی بھی لکھا ہے، اُن کے ایک بیٹے عمر تھے جنکے ایک بیٹے زید ثالث اُن کے بیٹے یحییٰ اُن کے بیٹے حسین اُن کے بیٹے داؤد اور اُن کے بیٹے ابو الفرح تھے، جن کا اصل نام عبداللہ الحسن تھا مگر آپ اپنی کنیت ہی سے مشہور و معروف ہوئے اور چونکہ آپ واسط میں آباد تھے اس لئے ابو الفرح واسطی کہلائے۔ آپ واسط سے غزنی آئے اور وہاں سے سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ وارد ہندوستان ہوئے، سلطان کے ساتھ جنگوں میں شجاعت کے جوہر دکھائے اور بعد میں اپنے چار بیٹوں سید ابو الفراس، سید ابو الفصائل، سید داؤد اور سید نجم الدین کو اپنی جاگیر کے چار قصبات جاجیر، چھاترود، کوٹلی اور تہن پور (یہ چاروں قصبات ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں واقع تھے) میں آباد کیا اور خود سلطان کے ہمراہ واپس غزنی چلے گئے۔ سلطان کی وفات کے بعد غزنی سے واسط تشریف لے گئے۔

جہاں آپ نے ۳ شعبان ۴۴۲ھ مطابق ۱۰۵۵ء میں وفات پائی، آپکا مزار واسط میں دریائے دجلہ کنارے واقع ہے۔ ”برکاتِ ماہرہ“ مؤلفہ طفیل احمد صدیقی بدایونی، میں بزرگانِ دین کی تاریخ ہائے وصال اور جائے مزار کا جو شجرہ دیا گیا ہے اُس میں بھی آپ کی تاریخ وفات یہی درج ہے!

بہر حال برصغیر ہندوپاک میں حضرت زید شہید کے دو فرزندان یعنی حسین ذوالدمعہ اور عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل کثیر ہے ان میں بھی عیسیٰ کی نسل جو اولاد سید ابو الفرح واسطی کے چار پسران کے تو سل سے پھیلی اور پورے برصغیر میں بڑی کثرت سے موجود اور آباد ہے۔ اور اپنے ابتدائی مسکن جاجیر، چھاترود، کوٹلی اور تہن پور کی نسبت سے جاجیری، چھاترودی، کوٹلی وال اور تہن پوری کہلاتی ہے۔

(۳) حسین بن عیسیٰ موتمن الاشبال: آپ حسین غصہ دارہ مشہور تھے۔ آپ کے چار فرزندان علی، زیدان کے ایک بیٹے محمد تھے اور ان کے بیٹے علی تھے جنہیں مقتدر عباسی کے عہد میں قتل کیا گیا، احمد اور محمد سے آپ کی نسل چلی۔

(۴) زید بن عیسیٰ موتمن الاشبال: آپ کی نسل شام میں پھیلی، آپ کے چار فرزندان محمد ابزار، حسین، احمد اور عیسیٰ تھے۔ ان میں سے صرف دو فرزندان سے نسل چلی۔ محمد ابزار کے پانچ بیٹے احمد، زید، محمد، حسن ان کو مختصر عباسی کے عہد میں قتل کیا گیا اور حسین تھے۔ دوسرے احمد کے بیٹے حسن تھے۔

محمد بن زید شہیدؓ: محمد اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے آپ کی کنیت ابو جعفر تھی۔ آپ کی مادر گرامی فاطمہ بنت علی بن جعفر بن اسحاق بن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے والد جناب زید کی شہادت کے وقت آپ صرف چالیس دن کے تھے۔

آپ صاحبِ فضل و کمال اور شجاع و جوانمرد تھے۔ آپ کی فتوحات کے بہت سے قصے مشہور ہیں جن میں ایک داعی کبیر کا واقعہ ہے۔ آپ کی بابت مشہور ہے کہ آپ نے جوزجان میں ابو الحسن داعی کے ساتھ جنگ کی اور اسے قتل کر کے ۷۹ھ میں طبرستان پر اپنی حکومت قائم کی جو آپ کی حیات ہی میں اتنی مستحکم ہو گئی کہ رافع بن حرثمہ آپ کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا۔ آپ کا دربار علماء و دانشوروں اور شعرا کا بلج تھا۔ طرز حکمرانی میں آپ کا اہم طریقہ کار یہ تھا کہ آپ سال کے آخر میں بیت المال کی آمد و خرچ کا حساب کرتے اور جو رقم اخراجات سے فاضل ہوتی اسے مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ کی سخاوت کے دور دور تک چرچے تھے۔ آپ کی قائم کردہ حکومت تقریباً ساڑھے سترہ سال قائم رہی۔ بالآخر محمد بن ہارون سرخسی نے جوزجان میں آپ کو قتل کر دیا۔

اولاد محمد بن زید شہیدؓ: نساہین نے آپ کے آٹھ فرزندان بتائے ہیں جن کے نام یہ ہیں محمد المویذ، محمد اصغر، حسن، قاسم، ابو عبد اللہ جعفر، علی، حسین اور زید تھے جن میں سے محمد اور جعفر کی نسل کثرت سے عراق اور ایران میں پھیلی۔ آپ کی نسل میں کثیر علماء و فضلاء گذرے ہیں۔ آپ کے فرزند محمد کے ایک بیٹے کا نام بھی محمد تھا یعنی محمد بن محمد بن زید شہید جن کی بابت جملہ مستند مورخین نے لکھا ہے کہ محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن طباطبا کو ابو السرایا نے رجب ۱۹۹ھ میں زہر دیکر موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد محمد بن محمد بن زید شہید کو جو اس وقت کم سن تھے ابن طباطبا کی جگہ اپنا سرپرست بنایا اور اُس کے تمام لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ ابو السرایا کی کوفہ میں ذیقعدہ ۱۹۹ھ میں ہونے والی جنگوں میں آل علی علیہ السلام کے بہت سے افراد قتل ہوئے۔

محمد ۲۰۰ھ میں جب ابو السرایا کوفہ سے بھاگا تو محمد بن محمد بن زید شہیدؓ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ شہر بہ شہر پھرتا رہا لیکن اسے کہیں پناہ نہیں ملی، بالآخر وہ حسن بن سہیل کے پاس چلا گیا۔ سہیل نے اسے قتل کر دیا اور محمد بن محمد بن زید شہیدؓ کو خراسان بھیج دیا وہاں آپ مامون کے سامنے پیش کئے گئے، آپ کی کمسنی کے پیش نظر مامون نے ایک مکان میں نظر بند کر دیا۔ آپ کی بابت شیخ عباس قمی نے تحریر کیا ہے کہ :

”پسر محمد بن محمد بن زید همان است کہ در ایام ابو السرایا در سنہ ۱۹۹ بعد از وفات محمد بن ابراہیم طباطبا مردم بادی بیعت کردند و آخر الامر اورا گرفتند و نزد مامون در مدینہ فرستادند و در آنوقت پست سال داشت مامون تجب کرد از صفحہ او، باوی گفت کیف رایت صنع اللہ باین حکم محمد گفت رایت امین اللہ فی العفو و الحلم و کان یسیرا عند اعظم الحرم۔“

گہبید چہل روز در مرو بود آنگاہ مامون اور از ہر خورانیہ و جگرش پارہ پارہ شدہ در طشت میریخت و او نظر میکرد بآنها و خلابی دردست داشت و آنها را میگرددانید و مادرش فاطمہ دختر علی بن جعفر بن اسحاق بن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن ابیطالب بودہ است“ (منہج الامال ج ۲۰ ص ۷۷)

ترجمہ: محمد بن محمد بن زید شہید وہی ہیں جنکی ایام ابو السرایا ۱۹۹ھ میں محمد بن ابراہیم طباطبائی کی وفات کے بعد لوگوں نے بیعت کی تھی۔ اور بالآخر آپ کو گرفتار کر کے مامون عباسی کے سامنے پیش کیا گیا اُس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی آپ کی کسی پر مامون نے اظہار تعجب کیا۔ مامون نے آپ کو مرو بھیج دیا۔ بمشکل تمام مرو میں ابھی چالیس دن گزرے تھے کہ مامون نے آپ کو زہر دلوادیا جس سے آپ کا جگر پاش پاش ہو گیا۔ جسے تشت میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ اور انکی والدہ فاطمہ بنت علی بن جعفر بن اسحاق بن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن ابیطالب تھیں۔

محمد بن زید شہیدؓ کے فرزند ان میں سے دوسرے فرزند جعفر تھے جنکی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرتے تھے۔ محمد بن زید شہیدؓ کے پسران میں سے صرف ابو عبد اللہ جعفر کی نسل کثرت سے پھیلی۔ یہ ابو عبد اللہ جعفر عالم، فقیہ، ادیب اور شاعر تھے۔ آپ کے چار بیٹے موسیٰ، قاسم، احمد السکین اور ابو علی محمد اکبر تھے۔ موسیٰ بن جعفر کے ایک فرزند ابو القاسم علی تھے جن کے دو بیٹے ابو عبد اللہ حسین اور حمزہ تھے۔ ابو عبد اللہ جعفر کے دوسرے بیٹے قاسم جو خطیب اور صاحب الصلاۃ تھے ان کی نسل کثیر تھی۔ ابو عبد اللہ جعفر کے تیسرے فرزند احمد السکین کے پانچ بیٹے ابو السکین محمد بزرگ، ابو عبد اللہ محمد (انکی نسل بغداد میں پھیلی)، ابو القاسم علی (ان کی نسل طبرستان میں پھیلی)، ابو الحسن علی

الحزانی (ان کی نسل حران میں پھیلی) اور ابوعلی محمد اصغر جو عالم، زاہد و محدث تھے ان کے چار بیٹے ابو جعفر احمد (ان کی نسل قزوین میں پھیلی)، ابو لعلی حنظلہ، ابو طالب عباس اور ابوالحسن زید تھے۔ ابو عبد اللہ جعفر کے چوتھے فرزند ابوعلی محمد اکبر جو خطیب و شاعر تھے کوفہ میں آباد ہوئے اور وہیں آپ کی نسل پھیلی۔ آپ کے دو بیٹے ابوعلی داؤد (انکی نسل قلیل تھی)، ابوالحسن علی یہ عالم و فاضل اور شاعر تھے انکی زوجہ فاطمہ بنت حسین بن یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ تھیں جن کے بطن سے ابو شیشہ جعفر اور ابوالحسن زید پیدا ہوئے۔ ابو شیشہ شاعر تھے اور بنی حشیش کے جدِ اعلیٰ تھے جبکہ ابوالحسن زید عابد و زاہد اور شاعر تھے۔



مروانیوں کا زوال

زوال کے اسباب: بنی امیہ کی سفیانی و مروانی حکومتوں کے زوال کے اسباب بیان کرنے میں شاہی کے طرفدار مورخین نے نہایت چابکدستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو پہلو بچا کر نکل گئے جبکہ بعض نے بنیادی سبب کی پردہ پوشی کرتے ہوئے ضمنی اسباب کو بیان کر کے حق حمایت ادا کیا ہے۔ انہوں نے ایک سبب عمال کا جبر و استبداد بیان کر کے حکمرانوں کا دفاع کرتے ہوئے عوام پر کئے جانے والے مظالم کی تمام تر ذمہ داری عمال کے سر تھوپ دی، درآنحالیکہ عمال وہی کرتے تھے جو حکمران چاہتے تھے۔ دوسرا سبب حکومتی طاقت کا بے دریغ استعمال بتایا ہے، لیکن یہ بیان کرنے سے گریز کیا کہ حکومتی طاقت کا بے دریغ استعمال کن افراد پر اور کن وجوہ پر کیا گیا۔ تیسرا سبب ولی عہدی کے نظام کو قرار دیا ہے، یہ ایک ضمنی سبب تو ہو سکتا ہے لیکن اصل سبب نہیں۔ چوتھا سبب قبائلی عصبیت ہو بتایا ہے، یہ سبب خود بادشاہاں وقت کا پیدا کردہ تھا، وہ اپنے مفاد میں قبائلی تعصب کو ہوا دیتے تھے، یہ بھی ضمنی سبب ہے بنیادی نہیں۔

بنو امیہ کا زوال اور بنو عباس کا عروج مسلمانوں کی تاریخ کے عبرتناک واقعات ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ اس عروج و زوال کی داستان میں اہم ترین مقام بنو ہاشم کو حاصل ہے۔ کیونکہ بنی امیہ کے زوال کا بنیادی سبب وہ ظالمانہ برتاؤ تھا جو امویوں نے ہاشمیوں کے ساتھ روا رکھا۔ اور بنو عباس کے عروج کا اصل سبب عباسیوں کا ہاشمیوں کا حامی و مددگار ظاہر کر کے عوام الناس کی

ہمدردیاں حاصل کیں اور اقتدار پر قبضہ کیا۔ اگر بنو عباس کی کارکردگیوں کو چند الفاظ میں بیان کرنا ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ قصر سلطنتِ بنی عباس کے ارکان واقعہ کر بلا اور مکر و ظلم ابو مسلم پر کھڑے کئے گئے تھے اور اس عمارت کو بنی ہاشم کے خون سے تعمیر کیا گیا تھا۔

بنی امیہ کی سفیانی حکومت جسکے بانی جناب معاویہ بن ابوسفیان تھے، قوت و غلبہ، ظلم و جور اور لالچ و فریب کے ذریعہ حاصل کی جانے والی یہ سفیانی حکومت انتہائی کمزور بنیادوں پر قائم ہوئی تھی لہذا اس کا وجود بمشکل تیس سال قائم رہ سکا۔ اور دنیا والے امیر معاویہ کی جس مدبرانہ کامیابی پر نازاں ہیں اس کامیابی سے جناب معاویہ کی ایک پشت بھی صحیح معنوں میں فیضیاب نہ ہو سکی۔ جب جناب معاویہ کا چھٹا بیٹا یزید مرثیہ کے مطابق اُس کے بیٹے یزید بن معاویہ کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا مگر اُس نے اپنے باپ اور دادا کے کارناموں سے نفرت کا اظہار و اعلان کرتے ہوئے تاج شاہی کو ٹھکرا دیا۔ اُس کا پہلا اور آخری خطبہ گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور اہل بیت رسول کی اسیری، کر بلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام اُن کی تشہیر ایسے دلخراش واقعات تھے جن کو دیکھ کر اور سن کر ملتِ مسلمہ تڑپ اُٹھی، تمام رعایہ، یزید کے درباری امراء، یزید کے خاندان والے حتیٰ کہ یزید کے بیوی اور بیٹے سب ہی اُس کو لعن طعن کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اچانک اُس کی موت واقع ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ یزید کی موت کسی مرض سے ہوئی لیکن وہ مرض کیا تھا کسی کو علم نہیں۔ بہر حال واقعہ کر بلا کے سبب سفیانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد بنی امیہ کی مروانی حکومت قائم ہوئی جس کا بانی مروان بن حکم تھا جو بنی امیہ کے مورث اعلیٰ عبد شمس کے دوسرے بیٹے عاص کی نسل

سے تھا۔ اس کے باپ حکم جو طلقاء میں سے تھا اور حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا تھا اُس کی اسلام دشمنی کے سبب رسول اللہؐ نے جلاوطن کر دیا تھا، مروان بھی اپنے باپ کے ساتھ چلا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے ہر دور میں انہیں واپس لانے کوشش کی مگر ناکامی ہوئی بالآخر جب آپ حکمران ہوئے تو انہیں واپس بلا لیا۔ اسی مروان بن حکم کی نسل میں ہشام بن عبدالملک اور ولید بن یزید حکمران ہوئے تو ہشام نے حضرت زید شہیدؓ پر ظلم و ستم کئے آپ کی تذلیل و توہین کی اور جب آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے میدان جہاد میں نکلے تو آپ کو شہید کر دیا گیا، آپ کا سر قلم کیا گیا، لاش کو سولی پر لٹکایا گیا پھر ایک مدت کے بعد لاش کو جلا کر دریائے فرات کے کنارے ہوا میں اڑا دیا گیا۔ مروانیوں کی ان تمام کارگزاریوں کو دیکھ کر مسلم امہ میں ان مروانیوں کے خلاف نفرت کے جذبات کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اسی دوران ولید بن یزید نے جناب یحییٰ بن زید شہیدؓ کو کہیں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور آخر انہیں بھی شہید کر دیا گیا اور ان کا بھی سر قلم کر کے لاش کو سولی پر لٹکایا گیا۔ مختصر یہ کہ ان دونوں واقعات نے پوری مملکت اسلامیہ میں ہيجان برپا کر دیا۔ اس طرح مروانیوں نے ان افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کر کے اپنی قبریں آپ کھود لیں اب ضرورت صرف اس امر کی رہ گئی تھی کہ کوئی ہمت کر کے انہیں اُن کی بنائی ہوئی قبروں میں دھکیل دے اور اس کام کو عباسیوں کے ابو مسلم خراسانی نے انجام دیا۔

زید شہیدؓ کی شہادت کے اثرات: جب بنی امیہ کی ظلم و جور اور مکرو کذب سے بھری ہوئی حکومت کی بد اعمالیوں سے جب حضرت زید شہیدؓ اور جناب یحییٰ بن زید شہیدؓ کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا تو بنی امیہ کا اہواں سلطنت لرزہ بر اندام ہو گیا اُن کے پیروں سے زمین نکلنے لگی اور اُن کا چراغ گل ہوتا نظر آنے لگا تو تمام بنی ہاشم جن میں بنی عباس بھی شامل اور پیش پیش

تھے، انہوں نے مدینہ میں ایک اجتماع کیا جس میں سب نے متفقہ طور پر جناب محمد نفس ذکیہ کو خلیفہ منتخب کر لیا، سب نے اُن کی بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والوں میں ابو جعفر عبداللہ بھی شامل تھا جو بعد میں منصور کے لقب سے بنو عباس کا دوسرا حکمران ہوا۔ بنو عباس نے اپنے فریب کو اس حد تک بھایا کہ آخر وقت تک جب خلیفہ کا اعلان کرنے کیلئے ابوسلمہ نے لوگوں کو مسجد میں بلایا تو سب یہی سمجھ رہے تھے کہ بنی فاطمہ میں سے کسی کی خلافت کا اعلان ہوگا۔ مگر عام توقع کے برخلاف ابوسلمہ نے ابو العباس عبداللہ کے نام کا اعلان کر دیا اور اُس کی بیعت لی گئی اس طرح ابو العباس سفاح بنو عباس کا پہلا حکمران بن گیا۔ اس طرح ایک بار پھر عمر بن عاص اور ابوموسیٰ اشعری نے جو کردار دومۃ الجحدل میں ادا کیا تھا وہی کردار حسن بن قحطبہ اور ابوسلمہ نے اس موقع پر ادا کیا جسٹس امیر علی نے یہ پورا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ:

Thus rose thie Abbassidis to power on the popularity of the children of Fatima, whom they repaid afterwards in such different coin. (History of the saracens P. 179)

ترجمہ: بنی عباس کی حکومت بنی فاطمہ کی ہر لتیزی کے اُپر قائم ہوئی جس کا بدلہ انہوں نے بنی فاطمہ کو ایک مختلف ہی سکہ میں ادا کیا۔

بنی امیہ کی تباہی و بربادی کی بابت داؤد برقی سے ایک روایت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:

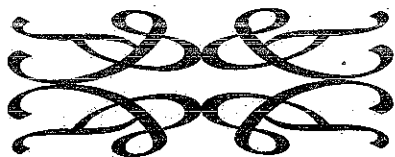
ایک شخص نے میری موجودگی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاتِيَنَا بِاَلْفَتْحٍ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُضِغُوْا عَلَيْنَا مَآ اَسْرُوْا فَاِنۡ اَنْفُسُهُمْ يَلۡدُوۡنَ . (سورہ مائدہ آیت ۵۴) ترجمہ: تو پس عنقریب ہی خدا (مسلمانوں کی) فتح یا کوئی اور

بات اپنی طرف سے ظاہر کر دے گا، تب یہ لوگ اس گمانِ بد پر جو یہ اپنے جی میں چھپاتے تھے، شرمائیں گے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جناب زید کی لاش کو جلانے کے بعد سات دن کے اندر بنی اُمیہ کی ہلاکت اور تباہی کی اطلاع دی گئی ہے۔^۱

جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سفیانی حکومت کے زوال اور خاتمہ کا بنیادی سبب بنی بالکل اسی طرح حضرت زید شہیدؓ اور آپ کے فرزند جناب یحییٰ کی شہادت کے سبب مروانی حکومت کا زوال اور خاتمہ ہوا۔ اسکے بعد بنی اُمیہ کے ساتھ بنی عباس نے جو سلوک کیا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔

^۱ تفسیر العیاشی ج ۱ ص ۳۲۵، تفسیر صافی ج ۱ ص ۴۴۸،

اثبات الہدایۃ از جرجانی ج ۵ ص ۴۲۶، البرہان ج ۴ ص ۴۷۸، بحار الانوار ج ۶ ص ۲۲۳



ہماری مطبوعات

مؤلف: ارتضیٰ بن رضوان زہری

و ظائف اسماء الحسنى اللہ کے پاک و پاکیزہ نام، ان کے خواص و ابعاد اور رد کرنے کے اوقات و ایام وغیرہ (اردو اور انگریزی میں) درج کئے گئے ہیں۔
ہیت: 36/- روپے

کربلا اور کربلا کے بعد ستر واقعات کرنا، حسنی و قاسم کے سزا و محازل سزا، شہادت حسین کے اثرات، ایران گرنا کا اعلان حق، قاسم بن حسین کا انجام، بائیس فرقہ کی دو ٹوٹیاں وغیرہ درج ہیں۔
ہیت: 60/- روپے

تاریخ بنی ہاشم

خانداں بنی ہاشم کے آماؤ احواد، امہات و ازواج، پسران و دختران کے واقعات و حالات، عقائد و نظریات، دینداری و دینی خدمات، جہاد بالسیف و بالنفس، نسبی و نسلی تسلسل، ماہمی رفاقت و رقابت وغیرہ کو نہایت عمدہ پیرائے اور پسندیدہ انداز میں مستند کتب قدیم و جدید کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔
(پانچ جلدیں، ہیت: 470/- روپے)

آیات قرآنی، احادیث نبوی اور مستند تاریخی روایات کی روشنی میں حق و باطل کی حقیقت اور فضیلت بالترتیب خلافت کو رد کر کے فضیلت کا صحیح مفہوم نہایت عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔
ہیت: 100/- روپے

افضل المفضول

ہماری مطبوعات تمام شیعہ ایک اشارے پر دستیاب ہیں۔

انسٹانس * رحمت اللہیک الخلیفی (گزارہ نوابی) * مکتوبہ ایک الخلیفی (گزارہ راجہ نوابی) * آقا ایک ایک (اعلام پورہ) (سرا)

مکتبہ الشہداء 15-A، معاون مارکیٹ، کمرشل ایریا، قائم آباد، لاہور، پاکستان۔
فون نمبر: 6957395 - 6604988

ضمیمہ

دور حاضر کے جید عالم دین حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ المنتظری دامت برکاتہ نے اپنی تالیف و تحقیق ”ولایۃ الفقیہ“ مطبوعہ قم (ایران) صفحات ۲۰۸ تا ۲۲۱ میں حضرت زید شہیدؓ کی عظمت اور ان کے جہاد بالسیف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو یقیناً قارئین کے لئے مفید اور واقعات مذکورہ پر حجت ہے مضمون کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم نے آپ کے مضمون کا عربی متن من و عن درج کر رہے ہیں:

قداسة زيد وقيامه

ثم ان قيام زيد لم يكن قياماً إحساسياً عاطفياً أعمى بلاعداد للقوى والأسباب، فانه بعث الى الأمصار وجمع الجموع، والكوفة كانت مقراً لجند الإسلام من القائل المختلفة وقد بايعه فيها خلق كثير، وقد قيل انه بايعه فيها أربعون ألفاً من أهل السيف.

وأما اطلاعه على كونه المصلوب بالأخرة في كناسة الكوفة بإخبار الإمام الباقر والإمام الصادق (ع) فلم يكن يجوز تخلفه عن الدفاع عن الحق والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر بعدما تهيأت له الأسباب من الجنود والسلاح. كما أن إخبار النبي (ص) وأمير المؤمنين (ع) بشهادة سيد الشهداء (ع) في النهاية لم يمنعه من القيام بعدما دعاه جنود الإسلام من الكوفة بالكتب والرسائل وأخبره رائده مسلم بتهيؤ العدة والعدة. ولو كان لايجب الداعين مع كثرتهم وتهيشهم لكان لهم حجة عليه (ع) بحسب الظاهر.

وبالجمله العلم بالشهادة بالأخرة بإخبار غيبي لا يوجب عدم التكليف بعد تحقق شرائطه وأسبابه، فلعل جنوده تظفر والإسلام يغلب وان رزق بنفسه الشهادة، والمهم ظفر الإسلام والحق وتحقق الهدف لاظفر الشخص وغلبيته، ولعل شهادة أيضاً تؤثر في تقوي الإسلام وبسطه، كما يشاهد نظير ذلك في كثير من الثورات. وكيف كان فقيام زيد بن علي كان من سنخ نهضة الحسين «ع» غاية الأمر ان الحسين «ع» كان إماماً بالحق يدعو الى نفسه، وزيد لم يكن يدعو الى نفسه بل الى الرضا من آل محمد، وقد أراد بذلك الإمام الصادق «ع» لا محالة.

وفي خطبته المحكية عنه:

«ألسّم تعلمون أنا ولد نبيكم المظلومون المجهورون، فلا سهم وفينا ولا تراث اعطينا

وامازالت بيوتنا تهدم وحرمانا تنتك...»^١

فلم يكن يتكلم هو عن شخصه بل عن العترة «ع»

وعن الصادق «ع»: «إن عمي كان رجلاً لدينا وأخرتنا، مضى والله عمي شهيداً

كشهداء استشهدوا مع رسول الله «ص» وعليّ والحسن والحسين.»^٢

وفي حديث قال الصادق «ع» لفضيل: «يا فضيل، شهدت مع عمي قتال أهل

الشام؟ قلت: نعم. قال: فكم قتلتم منهم؟ قلت: ستة. قال: فلعلك شاك في دمائهم؟

قال: فقلت: لو كنت شاكاً ما قتلتمهم. قال: فسمعتة وهو يقول: أشركني الله في تلك

الدماء، مضى والله زيد عمي وأصحابه شهداء مثل ما مضى عليه علي بن أبي طالب

وأصحابه.»^٣

وفي حديث آخر عن الياقر «ع» عن آبائه قال: «قال رسول الله «ص» للحسين «ع»:

يا حسين، يخرج من صلبك رجل يقال له زيد، يتخطى هو وأصحابه يوم القيامة رقاب الناس غزاً

مجهلين يدخلون الجنة بلا حساب.»^٤

وفي خبر ابن سيابة، قال: «دفع اليّ أبو عبد الله الصادق جعفر بن محمد ألف دينار وأمرني

أن أفسمها في عيال من أصيب مع زيد بن علي، فقسمتها فأصاب عبد الله بن زبير أخاً فضيل

الرسال أربعة دنانير.»^٥

١ - بحار الأنوار ٤٦/٢٠٦، تاريخ علي بن الحسين «ع»، الباب ١١ (باب أحوال أولاد علي بن الحسين «ع»

وآزواجه)، الحديث ٨٣.

٢ - عيون أخبار الرضا ٢٥٢/١، الباب ٢٥ (باب ما جاء عن الرضا «ع» في زيد)، الحديث ٦.

٣ - بحار الأنوار ٤٦/١٧١، تاريخ علي بن الحسين «ع»، الباب ١١ (باب أحوال أولاد علي بن الحسين «ع»

وآزواجه)، الحديث ٢٠.

الى غير ذلك من الأخبار الدالة على فضل زيد وتأيد قيامه.

هذا وقد عقد الصدوق في العيون باباً في شأن زيد بن علي، وذكر فيه أخباراً.

منها: ما رواه بسنده عن ابن أبي عبدون، عن أبيه، قال: «لما حمل زيد بن موسى بن جعفر (ع) الى المأمون - وقد كان خرج بالبصرة وأحرق دور ولد العباس - وهب المأمون جرمه لأخيه علي بن موسى الرضا (ع) وقال له: يا أبا الحسن، لئن خرج أخوك وفعل ما فعل لقد خرج قبلة زيد بن علي فقتل، ولولا مكانك متي لقتلته، فليس ما أتاه بصغير. فقال الرضا (ع): يا أمير المؤمنين، لا تقس أخي زيدا الى زيد بن علي (ع) فإنه كان من علماء آل محمد (ص) غضب لله عز وجل - فجاهد أعداءه حتى قتل في سبيله. ولقد حدثني أن موسى بن جعفر (ع) انه سمع أبا حمزة بن محمد (ع) يقول: رحم الله عتي زيدا انه دعا الى الرضا من آل محمد. ولوظفر لوفى ما دعا اليه. ولقد استشارني في خروجه فقلت له: يا عم، ان رضيت ان تكون المقتول المصلوب بالكناسة فشانك. فلما وثى قال حمزة بن محمد (ع): ويل لمن سمع واعيته فلم يحمه. فقال المأمون: يا أبا الحسن، أليس قد جاء فيمن ادعى الإمامة بغير حقها ماجاء؟ فقال الرضا (ع): إن زيد بن علي (ع) لم يدع ماليس له بحق وإنه كان أتقى لله من ذلك. إنه قال: أدعوكم الى الرضا من آل محمد. وإنما جاء ماجاء فيمن يدعي أن الله نص عليه ثم يدعوا الى غير دين الله ويضل عن سبيله بغير علم. وكان زيد والله من خوطب هذه الآية: وجاهدوا في الله حتى جاهدوه، هو اجتاكم.»^١

وقد ذكر الرواية مقطعة في هذا الباب من الوسائل أيضاً.^٢

وتدل هذه الرواية أيضاً على قداسة زيد وإمضاء خروجه، وأنه لم يدع ماليس له، وأن قيامه كان جهاداً في سبيل الله وأن إجابته كانت واجبة لمن سمع واعيته، وأن النبي لا يجوز إجابته هو من ادعى النص على نفسه كذباً فضلاً وأضل كالمدعين للمهدوية، وأن الاطلاع على الشهادة إجمالاً بطريق غيبي لا يصير مانعاً عن العمل بالوظيفة.

وقال الصدوق في العيون بعد نقل هذه الرواية:

١ - عيون أخبار الرضا ٢٤٨/١، الباب ٢٥ (بأثر ماجاء عن الرضا (ع) في زيد)، الحديث ١.

٢ - الوسائل ٣٨٨/١١، الباب ١٣ من أبواب جهاد العدو، الحديث ١١.

«لزید بن علی فضائل كثيرة عن غير الرضا» ع» أحبت إيراد بعضها على إثر هذا الحديث ليعلم من ينظر في كتابنا هذا اعتقاد الإمامية فيه.»
ثم ذكر أخباراً كثيرة. فيظهر من الصدوق أن قداسة زيد كانت من معتقدات الإمامية.

وفي إرشاد المقيد:

«كان زيد بن علي بن الحسين عين إخوته بعد أبي جعفر» ع» وأفضلهم، وكان ورعاً عابداً فقيهاً سخيماً شجاعاً، وظهر بالسيف يأمر بالمعروف وينهى عن المنكر ويطلب ثارات الحسين» ع».^١

وفي تنقيح المقال عن التكملة:

«اتفق علماء الاسلام على حالته وتفته وورعه وعلمه وفضله.»^٢

وعلى هذا فلوفرض القول بأن قيام الإمام الشهيد كان من خصائصه ولم يجز جعله أسوة في الخروج على أئمة الجور فقيام زيد لا يختص به قطعاً، لعدم خصوصية فيه وعدم كونه إماماً معصوماً. هذا.

ولكن الفرض باطل قطعاً، فإن الإمام أسوة كجده رسول الله» ص».
وقد قال» ع» في خطابه لأصحاب الحر: «فلکم في أسوة.»^٣

والإمام المجتبي أيضاً قام وجاهد الى أن خان أكثر جنده وغدروا ولم يتمكن من مواصلة الجهاد.

وسائر الأئمة» ع» أيضاً لم تتحقق لهم شرائط القيام. وستأتي رواية سندير وان الإمام الصادق» ع» قال له: «لو كان لي شعبة بعد هذه الهداء ما وسعني القعود.»^٤
فهم - عليهم السلام - نور واحد وطريقهم واحد وانما تختلف الأوضاع

١ - الإرشاد/٢٥٧ (= طبعة أخرى/٢٦٨).

٢ - تنقيح المقال ١/٤٦٧.

٣ - تاريخ الطبري ٧/٣٠٠.

٤ - الكافي ٢/٢٤٢، كتاب الإيمان والكفر، باب في فلة عدد المؤمنين، الحديث ٤.

والظروف، فلاحظ.

بل قدّم أن القيام للدفاع عن الإسلام وعن حقوق المسلمين في قبال هجوم الأعداء وتسلطهم على بلاد الإسلام وشؤون المسلمين بما يحكم به ضرورة العقل والشرع، ولا يشترط فيه إذن الإمام.

وقوله - تعالى -: «ومالكم لاتقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان»^١

وقوله: «ولولادفع الله الناس بعضهم بعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيراً وليندرن الله من ينصره»^٢ من محكمات القرآن الكريم.
نعم، يجب إعداد القوى والأسباب للقيام، كما مرّ.

فانظر كيف غفل المسلمون ورؤساؤهم وأغفلوا، وهجمت إسرائيل على القدس الشريف وعلى أراضي المسلمين ونفوسهم ومعابدهم ومغاهدهم ونواميسهم وأموالهم، وهجم كفار الغرب والشرق وعملاؤهم على كيان الإسلام وشؤون المسلمين، وكل يوم تسمع أخبار المجازر والغارات والاعتقالات، ورجال الملك ووعاظ السلاطين وعلماء السوء ساكتون في قبال هذه المجازر والمظالم وتراهم يصرفون أوقاتهم وطاقتهم في التعيش والتشرف وفي إثارة الفتن والاختلافات الداخلية وهضم بعضهم لبعض. اللهم فخلص المسلمين من شرّ حكام الجور وعلماء السوء، وأيقظهم من سباتهم وهجمتهم، ولا حول ولا قوة إلا بالله. هذا.

وبالحملة فان قيام زيد كان ثورة حقة أمضاها الأئمة - عليهم السلام - وإن لم يظفر في نهاية الأمر كما لم يظفر سيد الشهداء «ع» بعد تحوّل أوضاع الكوفة بمجيء

١ - سورة النساء (٤)، الآية ٧٥.

٢ - سورة الحج (٢٢)، الآية ٤٠.

عبيدالله بن زياد اليها.

فان قلت: روي عن زرارة، قال:

«قال لي زيد بن علي وأنا عند أبي عبدالله»ع« يافتي، ماتقول في رجل من آل محمد»ص« استنصرك؟ قال: قلت: ان كان مفروض الطاعة نصرته وان كان غير مفروض الطاعة في ان افعل ولي ان لا افعل. فلما خرج قال ابو عبدالله»ع«:

أخذته والله من بين يديه ومن خلفه وما تركت له مخرجاً.^١
ونحو ذلك عن مؤمن الطاق ايضاً في حديث مفصل.^٢

قلت: ليس كلام أبي عبدالله»ع« نصاً في تحظئة قيام زيد، بل هو تحسين لزرارة ومؤمن الطاق في جوابها. وواضح ان زيدا لم يكن اماماً مفترض الطاعة. هذا مضافاً الى ان قوله: «فلي ان افعل ولي ان لا افعل» يدل على جواز قيامه مع غير مفترض الطاعة ايضاً في الجملة. والظاهر ان الامام»ع« قد أمضاه في ذلك. ثم لا يفتي ان كونها من خواص الامام الصادق»ع« ومرابطيه، بحيث يعرفها كل واحد بذلك، كان مقتضياً لعدم إيجابتها له، لما عرفت من أن المصلحة اقتضت عدم ظهور موافقة الإمام الصادق»ع« على قيام زيد وأمثاله لبقى وجوده الشريف ركناً للحق ومجدداً للشريعة بعدما تطرقت اليها أيدي الكذبة والمحرفين، وحفظه»ع« في تلك الموقعية كان من أهم الفرائض.

نعم، هنا روايات دالة على ذم زيد وتحظئته في قيامه، ولكن أسانيدها ضعيفة

١- الاحتجاج / ٢٠٤، (=طبعة أخرى ١٣٧/٢).

٢- الاحتجاج / ٢٠٤، (=طبعة أخرى ١٤١/٢-١٤٢). الكافي / ١٧٤/١، كتاب الحجّة، باب الاصطرار إلى

الحجّة، الحديث ٥.

جداً فلا تقاوم صحيحة العيص والأخبار الكثيرة الواردة في مدحه وتأييد ثورته المتلقاة بالقبول من قبل أصحابنا - رضوان الله عليهم - . هذا.
ولنذكر واحدة من تلك الروايات نموذجاً، ولعلها أوضحها:

في الكافي: «محمد بن يحيى، عن احمد بن محمد، عن الحسين بن سعيد، عن الحسين بن الجارود، عن موسى بن بكر بن داب، عن عمّن حدّثه، عن أبي جعفر (ع)»
ان زيد بن علي بن الحسين (ع) دخل على أبي جعفر محمد بن علي ومعه كتب من أهل الكوفة، يدعون فيه الى أنفسهم ويخبرونه باجتماعهم ويأمرونه بالخروج.
فقال له أبو جعفر (ع): «هذه الكتب ابتداء منهم أو جواب ما كتبت به اليهم ودعوتهم اليه؟»

فقال: بل ابتداء من القوم لمعرفتهم بحقنا وبقرابتنا من رسول الله (ص) ولما يجدون في كتاب الله - عزّ وجلّ - من وجوب مودتنا وقرض طاعتنا ولما نحن فيه من الضيق والظنك والبلاء.

فقال له أبو جعفر (ع): «ان الطاعة مفروضة من الله - عزّ وجلّ - وستة أمضاها في الأولين، وكذلك يجربها في الآخرين، والطاعة لواحد منا والمودة للجميع، وأمر الله يجري لأوليائه محكم موصول وقضاء مفصول وحتم مقضي وقدر مقدور وأجل مستى لوقت معلوم، فلا يستخفك الذين لا يوقنون، انهم لن يفتنوا عنك من الله شيئاً، فلا تعجل فان الله لا يعجل لمجلة العباد، ولا ينسئ الله فتعجزك البلية فتصرك».

قال: فغضب زيد عند ذلك ثم قال: ليس الإمام مثلاً من جلس في بيته وأرخى ستاره وثبّت عن الجهاد ولكن الإمام مثلاً من منع حوزته وجاهد في سبيل الله حق جهاده ودفع عن رعيته وذبّ عن حرمة.

قال أبو جعفر (ع): «هل تعرف يا أخي من نفسك شيئاً مما نسبتها الله فتحيء عليه بشاهد من كتاب الله أو حجة من رسول الله (ص)» أو تضرب به مثلاً، فان الله - عزّ وجلّ - أحل حلالاً وحرم حراماً وفرض فرائض وضرب أمثالاً وسنّ سنناً ولم يجعل الإمام القائم بأمره في شبهة فيما فرض له من الطاعة أن يسبقه بأمر قبل محله أو يجاهد فيه قبل حلوله، وقد قال الله - عزّ وجلّ - في الصيد:

« لا تقتلوا الصيد وانتم حرم »^١ أفقتل الصيد أعظم أم قتل النفس التي حرم الله؟ وجعل لكل شيء محلاً وقال الله عز وجل: «واذا حلتكم فاصطادوا»^٢، وقال عز وجل: «لا تحلوا شعائر الله ولا الشهر الحرام»^٣ فجعل الشهر عدة معلومة، فجعل منها أربعة حراماً، وقال: «فسبحوا في الأرض أربعة أشهر واعلموا أنكم غير معجزي الله»^٤ ثم قال -تبارك وتعالى-: «فاذا انسلخ الأشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم»^٥ فجعل لذلك محلاً، وقال: «ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله»^٦ فجعل لكل شيء أجلاً ولكل أجل كتاباً.

فان كنت على بينة من ربك وبقين من أمرك وتبين من شأنك فشأنك، وآلا فلا ترومنّ أمراً أنت منه في شك وشبهة ولا تعاط زوال ملك لم ينقض أكله ولم ينقطع مدها ولم يبلغ الكتاب أحله، فلوفد بلغ مدها وانقطع أكله وبلغ الكتاب أحله لا تقطع الفصل وتتابع النظام ولأعقب الله في التابع والمتوع الذل والصغار. أعوذ بالله من إمام ضلّ عن وقته، فكان التابع فيه أعلم من المتوع. أتريد يا أخي أن تحمي ملة قوم قد كفروا بآيات الله وعصوا رسوله واتموا أهواءهم غير هدى من الله وادعوا الخلافة لبارهان من الله ولا عهد من رسوله؟! أعينك بالله يا أخي ان تكون غداً المصلوب بالكناسة.

ثم ارفضت عيناه وسالت دموعه ثم قال: الله بيننا وبين من هنك سترنا وجحدنا حقنا وأفسى سرتنا ونسبنا الى غير جدنا وقال فينا ما نقله في أنفسنا»^٧

أقول: قد نقلنا الرواية بطونها لكنك ترى انها مرسله، مضافاً الى ان الحسين بن الجارود وموسى بن بكر بن داب كليهما مجهولان لم يذكر في كتب الرجال بمدح ولا قدح.

١ - سورة المائدة (٥)، الآية ٩٥.

٢ - سورة المائدة (٥)، الآية ٢.

٣ - سورة المائدة (٥)، الآية ٢.

٤ - سورة التوبة (٩)، الآية ٢.

٥ - سورة التوبة (٩)، الآية ٥.

٦ - سورة البقرة (٢)، الآية ٢٣٥.

٧ - الكافي ١/٣٥٦، كتاب الحجة، باب ما يفضل به بين دعوى الحق والباطل... الحديث ١٦.

وقوله: «لواحد مائة» يعني من جاء بامامته النص. وقوله: «لأنقطع الفصل» أي بين دولتي الحق. وقوله: «في التابع والمتبوع» أي من أهل الباطل. وقوله: «ارفضت عيناه» على وزن احمرت، أي رشّت.

وقوله: «الله بيننا وبين من هتك سترنا» قال في الوافي:

«ليس هذا تعريضاً لزيد جاشاه، بل لمن عاداه وعاداه وسيأتي أخبار في علوّ شأن زيد، وأنه وأصحابه يدخلون الجنة بغير حساب، وأنه كان إنما يطلب الأمر لرضا آل محمد وماطليه لنفسه، وأنه كان يعرف حجة زمانه وكان مصدقاً به - صلوات الله عليه - فليس لأحد أن يسيء الظن فيه - رضوان الله عليه -»^١

وقال المجلسي في مرآة العقول في ذيل الرواية ما حاصله:

«إن الأخبار اختلفت في حال زيد، فهنا ما يدل على ذمه، وأكثرها يدل على كونه مشكوراً وأنه لم يدع الإمامة وأنه كان قائلاً بامامة السافر والصادق «ع» وإنما خرج لطلب ثار الحسين «ع» وللأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وكان يدعو إلى الرضا من آل محمد «ص» وإلى ذهب أكثر أصحابنا، بل لم أر في كلامهم غبره. وقيل أنه كان مأذوناً من قبل الإمام «ع» سراً»^٢

ونحن نقول اجمالاً ان قولنا بقداسة زيد وحسن نيته في قيامه ليس قولاً بعصمته وعدم صدور اشتباه منه طيلة عمره وعدم احتياجه الى هداية الإمام ونصيحته له اصلاً. ولعله في بادي الأمر اشتبه عليه الأمر وصار أسيراً للأحاسيس الآتية فنتبه الإمام الباقر «ع» وحذّره من الاستعجال والاعتزاز والاعتماد على بعض من لا يعتمد عليه. ووفاة الإمام الباقر «ع» على ما في أصول الكافي^٣ كانت في سنة ١١٤ من الهجرة، وقيام زيد المؤيد عند الأئمة «ع» على ما ذكره أرباب السير كان في عصر الإمام الصادق «ع» في سنة ١٢١، فلعل الظروف والأجواء اختلفت في

١ - الوافي ١/٢٣٣/٣٥.

٢ - مرآة العقول ٤/١١٨/٤ (ط: القديم ١/٢٦٦).

٣ - الكافي ١/٤٦٩، كتاب الحجّة، باب مولد أبي جعفر محمد بن علي «ع».

هذه المدة، وهو على ما في بعض الأخبار كان مقرراً بإمامة الإمام الصادق «ع» وانه حجة زمانه، وقدمر منها خبر عمرو بن خالد المروي في الأمالي.

وعدم عجلة الله - تعالى - لعجلة المباد أمر صحيح لامرية فيه، ولكنه لا يوجب رفع التكليف بالدفاع والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر. وهل يمكن الالتزام بانحصار الجهاد والأمر بالمعروف في من علم بالغيب انه يظفر على خصمه مائة بالمائة فيجوز لغيره السكوت والسكون في قبائل الجنايات وهتك المقدسات؟!؟

ثم هل لا يكون مفاد هذا الكلام تخطيطاً لأئمة المؤمنين «ع» في جهاده مع معاوية، وللسيط الشهيد في ثورته على يزيد؟! وهل لم يقع في صفين وكر بلاء وإراقة للدماء وقتل للنفس؟!؟

وانت ترى ان الثورات التي وقعت في العالم ضد الملوك المقشدين والجبابرة الظالمين قد نجح كثير منها، ومنها ثورتنا في ايران، مع انه لم يحصل اليقين بالظفر قبلها.

فهل تكون جميع هذه الثورات الناجحة في قبائل الكفار والظلمة مرفوضة ومعكوم عليها بالخطأ والضلال؟!؟

وهل يكون للكفار والصهاينة التغلب على المسلمين والإغارة عليهم وسفك دمائهم وتخريب بلادهم، وليس للمسلمين الآ السكوت والتسليم في قبائل جميع ذلك؟! لأدري أي فكرة هذه الفكرة؟! وسيجيء في جواب بعض الأخبار الآتية ما ينفعك في المقام، فانتظر.

وكيف كان فصيحة العبيص في الباب تدل على قداسة زيد وتأييد ثورته ويؤيدها أخبار كثيرة، فلا يعارضها بعض الأخبار الضعاف التي يخالف مضمونها لحكم العقل وعصمات الكتاب والسنة، فيجب أن يردها علمها الى أهله.

هذا كله فيما يرتبط بزويد في ثورته. وتشبه قصته قصة الحسين بن علي شهيد فخر في ثورته، وقد استفاضت الأخبار في مدحه وتأييده، والظاهر كما قيل عدم ورود خبر

في قدحه، فراجع مظانه. ويأتي ذكر منه في الفصل السادس من الباب الخامس في مسألة الكفاح المسلح ضد حكام الجور.

فلنرجع الى شرح بقية صحيحة العيص، أعني الرواية الأولى من أخبار الباب، فنقول:

يظهر من الصحيحة إجمالاً أنه كانت توجد في عصر الإمام الصادق «ع» بعض الثورات من قبل السادة من أهل البيت غير مؤيدة من قبله «ع» مع اشتغالها على الدعوة الباطلة والعصيان للإمام الحق. ولا يمتنا تشخيصها ومعرفتها بأعيانها وان كان من المحتمل إرادة قيام محمد بن عبدالله المحض باسم المهديوية. اذ الاستفادة من الأخبار والتواريخ أنه قام باسم المهديوية وأن أباه وأخاه وأصحابه كانوا يعرفونه بذلك.

ففي الإرشاد عن كتاب مقاتل الطالبين لأبي الفرج الاصفهاني ما حاصله:
 «ان كثيراً من الهاشميين وفيهم عبدالله وابناه: محمد و ابراهيم، ومنصور الدوانيقي اجتمعوا في الأبناء فقال عبدالله: قد علمتم ان ابني هذا هو المهدي فهل فلنايعه فايموه جميعاً على ذلك فجاء عيسى بن عبدالله فقال: لأني شيء اجتمعتم؟ فقال عبدالله: اجتمعنا لتبائع المهدي محمد بن عبدالله وجاء جعفر بن محمد «ع» فأوسع له عبدالله الى جنبه فتكلم بمثل كلامه فقال جعفر «ع»: لا تفعلوا فان هذا الأمر لم يأت بعد. ان كنت ترى ان ابنك هذا هو المهدي فليس به ولا هذا أوائه. وان كنت انما تريد أن تخرجه غضباً لله وليأمر بالمعروف وينهى عن المنكر فانا والله لاندعك وأنت شيخنا وتبائع ابنك في هذا الأمر، فنضب عبدالله وقال: لقد علمت خلاف ماتقول والله ما أطلعك الله على غيبه ولكنه يملك على هذا الحسد لابني...»^١
 ورواه في البحار أيضاً عن إعلام الوري والارشاد.^٢

١- الإرشاد/٢٥٩/ (طبعة أخرى/٢٧٦)، باب ذكر طرف من أخبار أبي عبدالله جعفر بن محمد الصادق «ع».

٢- بحار الأنوار/٤٧/٢٧٧، تاريخ الإمام الصادق «ع»، الباب ٣١ (باب أحوال أقربائه و...)، الحديث ١٨.

ويظهر من نفس هذا الخبر أيضاً أن القيام غضباً لله وللأمر بالمعروف والنهي عن المنكر مما لا بأس به.

وفي البحار عن إعلام الوري أيضاً:

«ان عمه بن عبدالله بن الحسن قال لأبي عبدالله «ع»: والله أتني لأعلم منك وأسخى منك وأشجع منك.»^١

وفي صحيحة عبدالكريم بن عتبة الهاشمي

أن جماعة من المعتزلة، فيهم عمرو بن عبيد وواصل بن عطا وحفص بن سالم وناس من رؤسائهم، دخلوا على أبي عبدالله «ع» وذكروا أنهم أرادوا أن يبايعوا محمد بن عبدالله بالخلافة وعرضوا عليه أن يدخل معهم في ذلك، فذكر عليه السلام كلاماً طويلاً وفي آخره روى عن أبيه أن رسول الله «ص» قال: «من ضرب الناس سيفه ودعاهم إلى نفسه في المسلمين من هو أعلم منه فهو ضال متكلف.»^٢

فيظهر من ذلك أن محمد بن عبدالله كان يدعو إلى نفسه مع وجود من هو أعلم منه.

وبالجملة حيث أنه روي من طرق الفريقين عن النبي «ص»: «ان المهدي يظهر ويري الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً»^٣، فقد صار هذا سبباً لاشتباه الأمر على كثيرين وادعاء كثير من الهاشميين المهديين. ولعل الخبر المروي عن النبي «ص» أن المهدي «أسمه اسمي واسم أبيه اسم أبي»^٤ كان من مجعولات بعض أتباع محمد بن عبداً بن الحسن. هذا.

ولكن ابن طاووس في الإقبال على مناقب البحار التزم جانب الدفاع عن

١ - بحار الأنوار ٤٧/٢٧٥، تاريخ الإمام الصادق «ع»، الباب ٣١ (باب أحوال أقرانه...)، الحديث ١٥.

٢ - الوسائل ٢٩/١١، الباب ٩ من أبواب جهاد العدو، الحديث ٢.

٣ - راجع بحار الأنوار ج ٥١، تاريخ الإمام الثاني عشر، باب ماورد عن الإخبار بالتقام «ع» و...، والتاج الجامع

للأصول ٤١/٥-٤٤، الباب ٧ من كتاب الفتن.

٤ - التاج الجامع للأصول ٣٤٣/٥.

عبدالله واينيه^١. والمسألة محتاجة الى تتبع وبحث وسيع، فراجع البحار وغيره. ويظهر من الأخبار أن الأئمة -عليهم السلام- مع عدم إضائهم لبعض ثورات السادات كانوا يتأثرون جداً لما كان يقع على الثوار من السجن والقتل والغارات، وكانوا يكون عليهم بما أنهم أهل بيت النبي وسلبوا بعض حقوقهم ولم تلحظ الأمة شرفهم وكرامتهم.

والحاصل ان الاستفادة من صحيحة عيص ان الثورات الواقعة على قسمين. فالدعوة الى النفس كانت باطلة، والدعوة لنقض السلطة الجائرة وارجاع الحق الى أهله كانت حقة. والواجب على المدعويين تحكيم العقل والدقة واتباع الحق. وأما آخر الصحيحة فالظاهر كونه إخباراً غيبياً بزمان ظهور القائم «ع» وقيامه وانه في رجب أو شعبان أو بعد رمضان. فان كان ظهوره في رجب أو شعبان فالإقبال بعد رمضان للمعوق به بعد قيامه، وان كان ظهوره بعد رمضان فالإقبال قبله للتهيؤ.

ويحتمل - كما في مرآة العقول^٢ - ان يريد الامام الصادق «ع» الإقبال الى نفسه قبل أيام الحج مقدمة للاستفادة من علومه وفضائله، فان من حجك الحج لقاء الإمام والاستضاءة بأنواره، كما في بعض الروايات. هذا. وقد روى الصدوق بعض صحيحة عيص في العلل بنحو النقل بالمعنى^٣ وستأتي الإشارة اليه.

هذا كله فيما يرتبط بصحيحة عيص بن القاسم الرواية الأولى من أخبار الباب وقد طال الكلام فيها، وانما تابعنا الكلام فيها، لان مسألة قيام زيد لها ارتباط مباشر بمسائلنا المبحوث عنها، أعني جواز القيام للدفاع عن الحق في قبائل سلاطين الجور أو وجوب السكوت والسكون. وقد ظهر لك ان الصحيحة ليست من أدلة وجوب السكون، بل من ادلة عدم جواز الخروج تحت راية من كانت دعوته باطلة، فلاحظ.

١- بحار الأنوار ١٧/٣٠١، تاريخ الإمام الصادق «ع»، الباب ٣١.

٢- مرآة العقول ٤/٣٦٥ (من ط القديم).

٣- الوسائل ٢٣٨/١١ الباب ١٣ من أبواب جهاد العدو، الحديث ١٠، عن العلل ١١٢/١ (= طبعة أخرى/٥٧٧) الجزء ٢، الباب ٣٨٥ (باب نوادر العلل)، الحديث ٢.

مندرجہ بالا مضمون کا اردو ترجمہ جو جناب مولانا سید صفدر حسین صاحب نجفی اعلیٰ مقامہ کی کاوش کا نتیجہ ہے، اور جو کتاب ”ولایت الفقیہ“ مطبوعہ لاہور میں شائع ہوا، ذیل میں مرقوم ہے:

زید کی عظمت اور ان کا قیام: زید کا قیام کوئی جذباتی و طبعی میلان اور بے سوچا سمجھا اور قوی و اسباب کی تیاری کے بغیر نہیں تھا۔ کیونکہ انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے نمائندے بھیجے اور مختلف جماعتوں کو اکٹھا کیا اور کوفہ جو مختلف قبائل کے اسلامی لشکر کا مرکز تھا، اس میں بہت سے لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی جن کی تعداد چالیس ہزار مجاہدین تک بیان کی جاتی ہے۔

باقی رہا حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کی خبر سے ان کا مطلع ہونا کہ آخر کار وہ کتنا سہ کوفہ میں سولی پر لٹکائے جائیں گے۔ تو یہ امر اس بات کا مجوز نہیں تھا کہ وہ حق کے دفاع اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پیچھے ہٹیں، جبکہ ان کے لئے مسلح لشکروں کی صورت میں اسباب مہیا تھے۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے رسول اکرمؐ اور امیر المؤمنینؑ نے سید الشہداء کی شہادت کی خبر دی تھی اور یہ خبر آپ کے قیام میں مانع نہیں ہوئی۔ چنانچہ کوفہ کے مسلمان لشکروں نے آپ کو خطوط اور بیانات کے ذریعہ دعوت دی اور آپ کے بھیجے ہوئے وکیل حضرت مسلم نے انہیں افرادی قوت اور مال و اسباب کے مہیا ہونے کی خبر دی تھی پس اگر آپ بلائے والوں کی کثرت اور تیاری کے باوجود ان کی دعوت قبول نہ کرتے تو ان کی حجت آپ کے خلاف ظاہری طور پر قائم ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ آخر کار شہید ہو جانے کے غیبی علم کی بناء پر ذمہ داری کے شرائط و اسباب کے تحقق کے بعد عدم تکلیف اور عدم ذمہ کا سبب نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ امکان تھا کہ اگر خود انہیں شہادت نصیب ہو جاتی مگر شاید آپ کے لشکر کا میاب ہو جاتے اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا۔ ہاں اہم چیز تو اسلام اور حق کی کامیابی اور ہدف و مقصد کا تحقق ہے کسی شخص کی کامیابی اور اس کا غلبہ نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شاید ان کی شہادت ہی اسلام کی تقویت اور اس کے پھیلاؤ کا باعث بنے۔ جیسا کہ بہت سے انقلابات میں اس کی نظیر مشاہدہ میں آتی ہے۔

بہر حال زید بن علیؑ کا قیام حضرت امام حسینؑ کے قیام کی سطح اور طرز کا تھا، فرق صرف یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ امام برحق تھے لہذا وہ اپنی ذات کی طرف دعوت دیتے تھے۔ لیکن زید بن علیؑ اپنی بجائے آل محمدؑ کی رضا کی طرف دعوت دیتے تھے اور لا زمان کی مراد حضرت امام صادقؑ تھے اور اس سلسلہ میں زید بن علیؑ کے خطبے میں بیان ہوا ہے۔ ”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم تمہارے نبیؐ کی مظلوم و مقہور اولاد ہیں۔ ہمیں نہ تو ہمارا پورا حصہ دیا جاتا ہے اور نہ ہماری میراث ہمیں دی گئی ہے۔ ہاں ہمارے گھروں کو ہمیشہ منہدم کیا گیا اور ہمارے اہل حرم کی ہتک حرمت کی گئی“

حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے ”بے شک میرے چچا (زید بن علیؑ) ہماری دنیا و آخرت کے لئے مفید تھے۔ خدا کی قسم! میرے چچا اس دنیا سے شہید گئے ہیں ان شہدا کی طرح جو رسول اللہؐ، امام علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ کے ساتھ تھے“

فضیل ایک روایت میں کہتا ہے کہ حضرت امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا۔ ”اے فضیل! تم میرے چچا کی اہل شام سے جنگ میں موجود تھے؟ میں نے عرض کی جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: تو نے ان میں سے کتنے افراد قتل کئے؟ میں نے کہا چھ۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا تجھے ان کے خون کے بارے میں شک ہے؟ فضیل کہتا ہے میں نے عرض کیا اگر مجھے شک ہوتا تو میں انہیں قتل کیوں کرتا؟ پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ ”خدا مجھے ان کے خون میں شریک قرار دے، خدا کی قسم! میرے چچا زید اور ان کے ساتھی اس دنیا سے (شہید) گئے ہیں جس طرح کہ حضرت علیؑ اور ان کے ساتھ گئے ہیں۔“

ایک اور حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ نے ان کے آباؤ اجداد سے بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ”رسول اللہؐ نے حسینؑ سے فرمایا: اے حسینؑ تیری صلب سے ایک مرد ہوگا جسے زید کہا جائیگا، وہ اور اس کے ساتھی قیامت کے دن لوگوں کی گردنوں پر قدم رکھتے ہوئے آگے آئیں گے ان کے چہروں اور پیشانیوں سے روشنی پھوٹ رہی ہوگی اور وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔“

ابن سیابہ کی خبر میں ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے حضرت امام صادقؑ نے ایک ہزار دینار دئے اور حکم دیا کہ میں انہیں ان لوگوں کے اہل و عیال میں تقسیم کر دوں جو زید بن

علیؑ کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ پس عبد اللہ بن زبیر کو چار دینار ملے جو فضیل رسان کا بھائی تھا۔

یہ اور ان کے علاوہ اور اخبار بھی ہیں جو زید کے فضل و شرف کی تائید پر دلالت کرتی ہیں، انہیں یاد رکھیں۔

صدوق نے عیون میں زید بن علیؑ کی شان میں ایک پورا باب منعقد کیا ہے اور اس میں کئی خبریں ذکر کیں ہیں۔ ان میں ایک ابن عبدون نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے جب زید بن موسیٰ بن جعفرؓ کو گرفتار کر کے مامون کے پاس لے گئے کہ جس نے بصرہ میں خروج کیا تھا اور بنی عباس کے گھر جلانے تھے۔ تب مامون نے اس کو اس کے بھائی حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؑ کے صدقے میں بخش دیا اور کہا: اے ابوالحسن! آپ کے بھائی نے خروج کیا ہے اس سے پہلے زید بن علیؑ بھی خروج کر چکا ہے اور وہ قتل ہو گیا تھا۔ پس اگر میرے ہاں آپ کی قدر و منزلت اور لحاظ نہ ہوتا تو میں اسے بھی قتل کر دیتا۔ کیونکہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ کوئی معمولی کام نہیں ہے حضرت امام رضاؑ نے فرمایا ”اے امیر۔۔۔۔۔ میرے بھائی زید کا زید بن علیؑ سے قیاس نہ کرو، کیونکہ وہ تو آل محمدؑ کے علماء میں سے تھے اور وہ اللہ عزوجل کے لئے غضبناک ہوئے۔ پس اس کے لئے دشمنوں کے ساتھ جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں قتل و شہید ہوئے۔ چنانچہ مجھ سے میرے والد گرامی حضرت موسیٰ بن جعفرؓ نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ حضرت موسیٰ بن جعفرؓ کو کہتے سنا، خدا رحم کرے، میرے چچا زید پر کہ انہوں نے آل محمدؑ کے رضا و پسندیدہ کی طرف دعوت دی اور اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو جس چیز کی طرف دعوت دی تھی اس کی وفا کرتے۔ انہوں نے مجھ سے خروج کرنے میں مشورہ لیا تھا تو میں نے کہا ”اے چچا! اگر آپ راضی ہیں کہ مقتول و شہید اور کناسہ میں سولی پر لٹکائے جائیں تو پھر آپ کی مرضی!“ پس جب وہ واپس گئے تو حضرت جعفر بن محمدؓ نے فرمایا ”ویل و ہلاکت ہے اس کے لئے جو ان کی پیکار سے اور ان کی دعوت پر لپیک نہ کہے۔“

اسی پر مامون نے کہا۔ ”اے ابوالحسن! جو امامت کا اس کے حق کے بغیر دعویٰ کرے، کیا اس کے بارے میں نہیں آیا جو کچھ آیا ہے؟“ حضرت امام رضاؑ نے

فرمایا۔ ”زید بن علیؑ نے اس چیز کا دعویٰ نہیں کیا جو ان کا حق نہیں تھی، کیونکہ وہ بہت زیادہ متقی و پرہیزگار تھے۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں تمہیں رضائے آل محمدؑ کی طرف بلاتا ہوں۔ پس تو وہ جو کچھ آیا ہے اس شخص کے بارے میں ہے جو دعویٰ کرے کہ اللہ نے اس پر نص کی ہے اور پھر وہ اللہ کے دین کے غیر کی طرف دعوت دے اور اس کی راہ سے بغیر علم کے گمراہ ہو جائے۔۔۔ اور خدا کی قسم! زید بن علیؑ اس آیت کے مخاطب (ومصدق) تھے: وجاهدو فی اللہ حق جہادہ ہوا جنبا کم یعنی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اس کے لئے چنا ہے، اور یہی روایت تقطیع کے ساتھ وسائل کے اسی باب میں بھی ذکر کی گئی ہے۔

یہ روایت بھی زید بن علیؑ کی عظمت اور ان کے خروج کی تصدیق و تائید کرتی ہے۔ اور انہوں نے ایسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا کہ جس کے وہ حقدار نہیں تھے۔ ان کا قیام ”جہاد فی سبیل اللہ“ تھا اور ان کی دعوت پر بلیک کہنا ہر اس شخص پر واجب تھا کہ جس نے ان کی پکار سنی۔ ہاں مگر وہ جس کی دعوت کو قبول کرنا جائز نہیں۔ وہ وہی ہے کہ جو اپنے لئے نص کا جھوٹا دعویٰ کرے۔ پھر وہ خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔ جیسا کہ مہدویت کا دعویٰ کرنے والے افراد ہیں۔ باقی رہا غیبی طریقہ سے شہادت پر مطلع ہونا تو یہ وظیفہ اور ذمہ داری پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہے۔

شیخ صدوق نے اس روایت کو عیون میں نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ زید بن علیؑ کے فضائل حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے آئمہ سے بھی نقل ہوئے ہیں۔ میں ان میں سے بعض کو اس حدیث کے بعد بیان کرتا ہوں تاکہ ہماری کتاب کے مطالعہ کے بعد قارئین کو معلوم ہو کہ زید کے بارے میں امامیہ کا عقیدہ و نظریہ کیا ہے؟ اس کے بعد انہوں نے بہت سے اخبار ذکر کی ہیں۔

پس صدوق کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید کی عظمت و تقدس امامیہ کے عقائد میں سے تھی۔ شیخ مفید کی ارشاد میں ہے کہ زید بن علیؑ بن الحسینؑ۔ ابو جعفر حضرت امام محمد باقرؑ کے بعد اپنے بھائیوں کے سردار و بزرگ اور ان سے افضل تھے۔ وہ متقی، پرہیزگار، عابد و زاہد، فقیہ و عالم اور سخی و بہادر تھے اور انہوں نے کوار لیکر ظہور

کیا، جب کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے اور حضرت امام حسینؑ کے خون کا بدلہ اور انتقام چاہتے تھے۔

تفحیح المقال میں مکملہ سے منقول ہے: ”علماء اسلام کا ان (زید بن علیؑ) کی جلالت، ثقاہت، تقویٰ اور ان کے علم و فضل پر اتفاق ہے۔“ اس بناء پر اگر فرض کریں کہ امام شہیدؓ کا قیام آپ کی خصوصیات میں سے تھا اور اس کو آئمہ جور کے خلاف قیام کے لئے اسوہ اور نمونہ نہیں بنا سکتے تو زید کا قیام تو یقیناً ان کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ کیونکہ ان میں کوئی خصوصیت نہیں تھی اور وہ امام معصوم نہیں تھے۔ (اسے یاد رکھیں) حالانکہ وہ فرض کرنا بھی یقیناً باطل ہے، کیونکہ حضرت امام حسینؑ بھی اپنے جد رسول اللہؐ کی طرح اسوہ و نمونہ ہیں جیسا کہ آپ نے اصحاب حر سے خطاب میں فرمایا تھا ”فلکم فی اسوۃ“ پس میں تمہارے لئے اسوہ و نمونہ ہوں۔

حضرت امام مجتبیٰ نے بھی قیام کیا اور جہاد کیا یہاں تک کہ آپ کے اکثر لشکر نے آپ سے خیانت کی، دھوکہ دیا اور آپ جہاد کو جاری نہ رکھ سکے۔ اسی طرح باقی آئمہ کے لئے بھی جہاد کے حالات سازگار نہ ہو سکے۔ جیسا کہ سدریر کی روایت کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا ”اگر شیعہ اس ریوڑ (بھینٹر بکریوں) کی تعداد میں ہوتے تو میرے لئے بیٹھ جانا درست نہ ہوتا“ پس حضرات آئمہ علیہم السلام ایک ہی نور ہیں، ان کا راستہ ایک ہی ہے مگر حالات و اوقات مختلف رہے ہیں۔ بلکہ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کی حمایت اور دفاع کے لئے، مسلمانوں کے حقوق کے لئے، دشمنوں کے حملے اور مسلمانوں کے شہروں اور اموال پر ان کے تسلط کے مقابلے میں قیام ایسی چیز ہے کہ جس کی ضرورت کو عقل اور شریعت دونوں حکم کرتے ہیں اور اس میں اذن امام کی شرط بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من

الرجال و النساء و الوالدان

(یعنی) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں ان کمزوروں بے بس

مردوں، عورتوں اور بچوں (کو کفار کے چبڑے سے چھڑانے) کے

واسطے جہاد نہیں کرتے؟

بِذَلِكَ دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهْدَمْتِ صَوَامِعَ وَبِيَعَ وَصَلَوَاتٍ وَمَسَاجِدَ يُذَكِّرُ فِيهَا اسْمَ اللَّهِ كَثِيرًا وَلِيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ. (یعنی) اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے دور و دفع نہ کرتا رہتا تو عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے عبادت خانے، مجوس کے عبادت خانے اور مسجدیں کہ جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے کب کے ڈھادیئے گئے ہوتے۔ اور یہ قرآن کریم کی محکم آیات میں سے ہیں۔

پس غور کریں کہ کس طرح مسلمان اور ان کے رؤسا اور بزرگ خود غافل ہوئے ہیں اور دوسروں کو غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ جب کہ اسرائیل نے قدس شریف مسلمانوں کے علاقوں ان کے نفسوں اور ان کے عبادت خانوں اور مراکز اور ان کی عزت و ناموس اور مال و دولت پر حملہ کیا ہے۔ اور مشرق و مغرب کے کفار اور ان کے ایجنٹوں نے اسلام کی بنیاد و حقیقت اور مسلمانوں کے شہون و معاملات پر حملہ کیا ہے اور ہر روز آپ قتل و غارت اور قید و بند کی خبریں سنتے ہیں۔ لیکن ملک کی شخصیات۔ بادشاہوں کے خطیب و واعظ اور علماء سوء ان غارت گریوں اور مظالم کے مقابلہ میں خاموش ہیں۔ یہ تو آپ کے مشاہدہ میں ہے کہ وہ اپنے اوقات اور قوتوں کو عیش و عشرت اور داخلی فتنوں اور اختلافات کو ابھارنے اور ایک دوسرے کو پڑپ کر جانے میں صرف کرتے ہیں۔

خدایا! مسلمانوں کو حکام جور اور علماء سوء کے شر سے بچا اور انہیں اس غفلت سے بیداری عطا کر دے اور حول و قوت کا سرچشمہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ (اسے یاد رکھیں)

خلاصہ یہ کہ جناب زید کا قیام ایک حقیقی انقلاب تھا کہ جس کی آئمہ علیہم السلام نے تصدیق کی ہے اگرچہ وہ آخر میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جیسا کہ ظاہر اسید ا لشہداءؑ بھی کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کے آجانے اور حالات بدل جانے کی بناء پر کامیاب نہ ہو سکے۔

اگر آپ کہیں کہ زرارہ نے روایت کی اور وہ کہتے ہیں۔ مجھ سے زید بن علی نے کہا جب کہ میں ابو عبد اللہ حضرت امام صادق کے پاس موجود تھا۔ اے جوان! تم

آل محمدؐ کے اس مرد کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تم سے مدد طلب کرے؟ میں نے کہا ”اگر اس کی اطاعت فرض و واجب کی گئی ہو تو میں اس کی نصرت کروں گا۔ لیکن اگر اس کی اطاعت فرض اور واجب نہیں ہے تو پھر مجھے حق ہے کہ میں اس کا ساتھ دوں یا نہ دوں۔“ جب زید باہر چلے گئے تو ابو عبد اللہ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا۔ ”خدا کی قسم! تو نے انہیں آگے پیچھے سے گرفت میں لے لیا۔ اور ان کے لئے نکلنے کا راستہ نہیں چھوڑا۔“ اور اسی قسم کی روایت مومن طاق سے بھی ایک مفصل حدیث میں ہے۔

میں کہوں گا کہ ابو عبد اللہ حضرت امام صادقؑ کا کلام زید کے اس اقدام میں خطا کار ہونے پر نص نہیں ہے، بلکہ وہ زرارہ اور مومن طاق کے ان کو جواب دینے پر تحسین و شاباش ہے۔ نیز یہ واضح ہے کہ جناب زید امام مقررہ الطاعیہ تو نہیں تھے۔ علاوہ ازیں زرارہ کا یہ قول ”مجھے حق ہے کہ میں ایسا کروں اور یہ بھی میرا حق ہے کہ میں ایسا نہ کروں“ دلالت کرتا ہے کہ غیر مقررہ الطاعیہ کے ساتھ بھی فی الجملہ قیام جائز ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام نے بھی اس کی تصدیق کر دی تھی۔ مخفی نہ رہے کہ یہ دونوں حضرات حضرت امام صادقؑ کے خواص اور آپ سے مربوط افراد میں سے تھے اور اس ربط کو شخص جانتا تھا۔ لہذا یہ بات اس کی مقتضی تھی کہ وہ دونوں زید کی دعوت کو قبول نہ کریں کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ زید اور ان جیسے افراد کے قیام پر امام صادقؑ کی موافقت کا ظہور نہ ہوتا۔ تاکہ آپ کا وجود شریف حق کے رکن اور ستون اور شریعت کی تجدید و نشر و اشاعت کے لئے باقی رہ سکے۔ کیونکہ اس کے بعد اس میں جھوٹے لوگوں اور تحریف کرنے والوں کے ہاتھ اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ لہذا آپ کا اس موقع پر محفوظ رہنا اہم ترین فرائض میں سے تھا۔

بنا بریں یہاں کچھ روایات ہیں کہ جو زید کی مذمت اور ان کے قیام کے تحفظ پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ان کے اسانید بہت ہی ضعیف و کمزور ہیں۔ لہذا وہ صحیحہ عیض اور دوسرے بہت سے اخبار کا مقابلہ نہیں کر سکتیں کہ جو ان کی مدح اور ان کے انقلاب کی تائید میں وارد ہوئی ہیں کہ جو ہمارے اصحاب و علماء رضوان اللہ علیہم کے ہاں قابل قبول ہیں۔ (اسے یاد رکھیں) ان میں سے ایک روایت محمودیہ کے طور پر ہم ذکر کرتے ہیں، جو شامدان میں سے زیادہ واضح ہے۔

کافی میں محمد بن یحییٰ نے احمد بن محمد بن حسین بن سعید سے حسین بن جارود سے موسیٰ بن کبیر بن داب نے اس شخص سے جس نے ابو جعفر حضرت امام محمد باقر سے کہ زید بن علی بن حسین، ابو جعفر محمد بن علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس اہل کوفہ کے خطوط تھے کہ جن میں وہ انہیں اپنے یہاں آنے کی دعوت کر رہے تھے۔ وہ انہیں اپنے اجتماع کی خبر دیتے اور انہیں خروج کا مشورہ دیتے تھے۔ تب ابو جعفر حضرت امام محمد باقرؑ نے ان سے فرمایا۔ ”یہ خطوط ان کی طرف سے ابتداء میں آئے ہیں یا ان کا جواب ہیں جو آپ نے ان کی طرف لکھے اور جس چیز طرف آپ نے انہیں بلایا ہے۔“ زید نے کہا ”ان لوگوں کی طرف سے ابتداء ہے انکی معرفت کی جو ہمارے حق کی وجہ سے ہے، ہماری رسول اللہؐ سے قربت کی بناء پر اور بسبب اس کے کہ اللہ عزوجل کی کتاب میں ہماری مودت کے وجوب۔ ہماری اطاعت کے فرض ہونے کا ذکر ہے۔ اور یہ سب اس چیز کے جس کی تنگی اور مصیبت میں وہ ہمیں مبتلا پاتے ہیں۔“

پس آپ سے ابو جعفر حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ ”اطاعت تو اللہ عزوجل کی طرف سے فرض کی گئی ہے جو ایسی سنت ہے کہ اولین میں جاری رہی ہے اور اب اس کا اعادہ ہوا ہے کہ آخرین میں اطاعت ہم میں سے ایک کے لئے ہے اور مودت و محبت سب کے لئے ہے اور اللہ کا حکم اپنے اولیاء کے لئے جاری ہوتا ہے۔ حکم موصول، قضائے مفصول (فیصلہ شدہ) حکم مقضی (ایسا حتیٰ امر جو قضا و قدر میں آچکا ہے) اور قدر و مقدر اور اجل مسمی و معین کے ساتھ وقت معلوم کے لئے ہے۔ پس وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے وہ تجھے خفیف اور ہلکا پھلکا نہ بنا دیں۔ وہ کبھی بھی تجھے کسی چیز میں اللہ سے بے پرواہ نہیں کر سکتے۔ پس جلدی نہ کرو کیونکہ خدا کسی کام میں بندوں کی عجلت کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا۔ اور تم اللہ سے سبقت نہیں کر سکتے۔ پس دیکھ کہ بلاؤ مصیبت تجھے عاجز کر دے گی اور تجھے پچھاڑ دے گی۔“

راوی کہتا ہے، اس پر زید غصے میں آگئے اور کہا۔ ”ہم میں سے وہ امام نہیں ہے جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور سامنے اپنے پردہ ڈال دے اور جہاد سے روکے بلکہ ہم میں سے امام وہ ہے جو اپنے مرکز کی حفاظت کرے۔ اور اللہ کی راہ میں اس طرح

جہاد کرے جو جہاد کا حق ہے۔ اور اپنی رعیت کا دفاع کرے۔ اور اپنے حرم سے دشمن کو روکے۔“

ابو جعفر حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ ”اے بھائی! کیا تم اپنے نفس میں ان میں سے کوئی چیز رکھتے ہو کہ جس کی تم نے امام کی طرف نسبت دی ہے۔ پس اس پر اللہ کی کتاب سے کوئی شاہد یا رسول اللہ کی طرف سے کوئی حجت لا سکتے ہو یا اس کی کوئی مثال پیش کر سکتے ہو؟ اللہ عزوجل نے کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ کو حرام قرار دیا ہے۔ کچھ فرائض مقرر کئے ہیں کچھ مثالیں بیان کی ہیں

اور کچھ سنن معین کئے ہیں جو امام اس کے امر کے ساتھ قائم ہے اسے اس چیز میں شبہ نہیں ہوتا کہ جو اطاعت میں سے اس پر فرض کی گئی ہے یا یہ کہ وہ کسی امر میں اس کے عمل سے سبقت کرے یا اس کا وقت آنے سے پہلے اس میں کوشش کرے۔ اللہ عزوجل نے شکار کے بارے میں فرمایا ہے۔ لا تقتلوا الصيد وانتم حرم (حالات احرام میں شکار کو قتل نہ کرو)۔ تو کیا شکار کا قتل کرنا زیادہ بڑا ہے یا اس نفس کا قتل کرنا کہ جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ اور ہر چیز کا کوئی موقع محل مقرر کیا ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ و اذا حللتم فاصطادوا (جب محل ہو جاؤ تو شکار کرو)۔ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ ولا تحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام (اللہ کے شعائر اور نشانیوں کو اور حرام مہینوں کو حلال نہ سمجھو) پس مہینے چند معلوم دنوں کے مقرر کئے گئے ہیں کہ جن میں چار حرام قرار دئے گئے ہیں اور فرمایا۔ فسیحوا فی الارض اربعة اشهر و علموا انکم غیر معجزی اللہ (پس زمین میں چار مہینے چلو پھرو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے)۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے ”پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ پس اس کے لئے ایک محل و موقع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے۔ ولا تعزموا عقدۃ ال نکاح حتی يبلغ الكتاب اجله (اور جب تک مقرر معیاد گزر نہ جائے نکاح کا قصد نہ کرنا پس شے کی ایک اجل قرار دی ہے، ہر اجل کی ایک کتاب ہے)۔

پس اگر تم اپنے پروردگار کی طرف سے بیضہ و شاہد اور اپنے معاملہ میں یقین رکھتے ہو اور اپنی شان و حالت پر واضح بیان رکھتے ہو تو تم جانو ورنہ ایسے امر کا

قصہ نہ کرو کہ جس کے بارے میں شک و شبہ میں ہو۔ پس ایسے ملک کو زائل کرنے کی کوشش نہ کرو کہ جس کا رزق ختم نہیں ہوا اور نہ اس کی مدت ختم ہوئی ہے اور نہ کتاب اپنی اجل کو پہنچی ہے۔ اگر اس کی مدت آخر کو پہنچ گئی اور اس کا رزق منقطع ہو گیا ہے اور کتاب اپنی اجل کو پہنچ گئی ہے تو فاصلہ ختم ہو جائیگا۔ اور اس کے نظام پر تباہی آ کے رہے گی۔ پھر خدا تالیخ اور متبوع کے پیچھے ذلت و رسوائی کو لگا دے گا۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں، اور اس امام سے کہ جو اپنے وقت میں گمراہ ہو کہ جس میں تالیخ۔ متبوع سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

اے بھائی! کیا تم چاہتے ہو کہ اس قوم کے مذہب کو زندگی دو کہ جس نے اللہ کی آیات کا کفر کیا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان کے بغیر اور اس کے رسول کے عہد کے بغیر خلافت کا دعویٰ کیا۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اے بھائی کہ تم کل کناسہ میں سولی پر لٹکائے جاؤ، پھر آپ کی آنکھیں برسنے لگیں اور آنسو بہنے لگے اس کے بعد فرمایا ”اللہ ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ جس نے پردوں کو چاک کیا۔ اور ہمارے حق کا انکار کیا۔ اور ہمارے راز کو فاش کیا۔ اور ہمیں ہمارے جد کے علاوہ منسوب کیا اور ہمارے بارے میں وہ کچھ کہا جو ہم نے اپنے متعلق نہیں کہا۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اس روایت کو اس کے طول کے باوجود نقل کیا ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ مرسلہ ہے (درمیان میں راوی چھوٹا ہوا ہے) علاوہ ازین حسین بن جارود اور موسیٰ بن بکر بن داب دونوں مجہول ہیں، کتب رجال میں ان کا تذکرہ نہ مدح کے ساتھ ہے اور نہ قدح کے ساتھ ہے۔!

۱۔ ولایت فقہیہ مطبوعہ لاہور ص: ۱۸۶ تا ۱۹۲

